خطباتِ حجاز

جلد اوّل

مولانا جنید احمد سیوانی

خطباتِ حجاز

جلد اوّل

مؤلف

مولانا جنید احمد سیوانی

امام وخطیب مسجد الرضوان، جدہ، سعودی عرب

مقدمہ

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب مدظلہ العالی

مہتمم دارالعلوم دیوبند، انڈیا

ناشر

دارالعلم دیوبند، انڈیا

جملہ حقوق محفوظ ہیں ©

کتاب کا نام	:	خطباتِ حجاز
مؤلف	:	مولانا جنید احمد سیوانی
طبع اول	:	۱۴۴۳ھ = ۲۰۲۱ء
صفحات	:	۳۵۲
قیمت	:	.....
ناشر	:	دار العلم دیوبند، انڈیا

Book's Name	:	Khutbat – e – Hijaz
Author	:	Maulana Juned Ahmad Siwani
First Published	:	2021
Published by	:	Darul Ilm Deoband, INDIA

فہرست

- مقدمہ: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ ۱۵
- پیشِ لفظ: مؤلف ۱۷

جمعہ کا دن ـــــ فضائل وآداب ۲۱

- جمعہ اور اس کے فضائل کے حق دار صرف مسلمان ۲۲
- جمعے کے دن کی پانچ خصوصیات ۲۳
- گناہوں کا کفارہ ۲۴
- جمعے کے روز کی وفات ۲۵
- جمعے کے دن کے سنن وآداب ۲۶
- سورۂ کہف کی تلاوت، خوشبو اور اچھے ستھرے کپڑے ۲۷
- جلدی مسجد میں حاضری کی فضیلت اور خطبے کے دوران دوسرے عمل کی ممانعت ۲۸
- ایک ضروری تنبیہ ۲۹
- دوسری تنبیہ ۳۰
- خلاصہ ۳۲

نماز ـــــ اہم ترین عبادت ۳۳

- نماز مؤمن کی معراج ۳۵
- نماز کی اہمیت ۳۵
- نماز کے تئیں مسلمانوں کا معاملہ ۳۷
- ذمّے دار کون؟ ۳۸

○ نماز، روح کی غذا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۳۹

دعاء ـــــ فضائل وآداب ۴۲

○ تمہید ۴۲
○ دعا ـــــ ایک اہم عبادت ۴۴
○ دعا کی توفیق عنایتِ ربانی ہے ۴۶
○ دعا کے تعلق سے ایک اشکال اور اس کا جواب ۴۷
○ آدابِ دعاء ۴۸
○ قبولیتِ دعا کے مخصوص اوقات ۵۰
○ کیا ہر دعا قبول ہوتی ہے؟ ۵۱
○ دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ ۵۲

قرآنِ کریم کا حیرت انگیز اثر اور چند صحابۂ کرام کے قصے ۵۵

○ حضرت اُسَید بن الحُضَیرؓ کا دلچسپ واقعہ ۵۶
○ حضرت اُسَید بن الحُضَیرؓ کا قرآنِ کریم سے والہانہ شغف ۵۸
○ ایک رات کا واقعہ ۵۹
○ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قصہ ۶۰

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ اور ڈینمارک میں گستاخانہ کارٹون نشر کرنے کی مذمت ۶۳

○ صحابۂ کرامؓ کی محبت سید الانامؐ سے ۶۳
○ محسنِ انسانیت، برگزیدہ نبی ﷺ ۶۵
○ اے رسولِ امیں، تجھ سا کوئی نہیں ۶۶
○ یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ۶۷

- گستاخانِ مصطفیٰ ﷺ سے خطاب ۶۸
- آپ ﷺ کے رحم و کرم کا معاملہ حیوانات کے ساتھ ۷۰
- اس حادثہ کا خوش آیند پہلو ۷۱

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ۷۳

- تمہید ۷۳
- خلیفۂ اول ۷۵
- حضرت ابو بکرؓ — مرتبہ و مقام ۷۷
- حضرت ابو بکرؓ کا ایک دن اور ایک رات عمر اور آل عمر سے بہتر ۷۹
- حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور بھیانک چیلنجوں کا ڈٹ کر مقابلہ ۸۱
- عرب قبائل کا ارتداد اور صدیقِ اکبرؓ کی شجاعت ۸۲
- سیدنا ابو بکرؓ کے چند مناقب و فضائل ۸۴
- حالتِ سکرات میں بھی قرآنی آیات کا استحضار ۸۶

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ۸۷

- تمہید ۸۷
- حضرت عمرؓ کا قبول اسلام ۸۸
- سیدنا عمرؓ کی خلافت — برکات و ثمرات ۹۰
- حضور ﷺ کی پیشین گوئی اور کسریٰ کے کنگن ۹۰
- سیدنا عمرؓ کی سادگی اور زاہدانہ زندگی کی ایک جھلک ۹۲
- ایک دلچسپ قصہ ۹۴
- حضرت عمرؓ کے چند ارشادات ۹۵
- شہادت کی آرزو اور اس کی تکمیل ۹۷
- حجرۂ شریفہ میں تدفین ۹۹

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ۱۰۱

- قبولِ اسلام، نکاح، ہجرت ۱۰۱
- حضرت عثمانؓ کی دو امتیازی صفات ۱۰۲
- سخاوت کے چند نمونے ۱۰۴
- خلافت کے لیے سیدنا عثمان غنیؓ کا انتخاب ۱۰۶
- عہد عثمانی کے روشن کارنامے ۱۰۷
- فتنے کا آغاز ۱۰۸
- نئے فرقے کی بنیاد ۱۱۰
- حضرت عثمانؓ کی چند نصیحتیں ۱۱۱

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ۱۱۳

- حضرت علیؓ کا قبول اسلام اور ان کے دو امتیازی اوصاف ۱۱۳
- سیدنا علیؓ کی دلیری کے دو قصے ۱۱۴
- حضرت علیؓ کا سرورِ کائنات ﷺ کی لختِ جگر سے رشتہ ۱۱۸
- رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اسد اللہؓ کو ایک اور بشارت ۱۱۹
- خلفائے ثلاثہ کے ساتھ حضرت علیؓ کا معاملہ ۱۱۹
- حضرت علیؓ کی خلافت ــــ جنگیں اور ہمارا موقف ۱۲۲
- شوقِ شہادت ۱۲۳
- تکمیلِ آرزو ۱۲۳
- حضرت علیؓ کے چند اقوالِ حکمت ۱۲۴

مدرسۂ نبوت کی تعلیم و تربیت کے کچھ نمونے .. ۱۲۶

- صحابۂ کرامؓ کی ایک اہم خصوصیت ۱۲۷
- حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا قصہ ۱۲۸

○ حضرت عمیر بن سعدؓ کی امانت داری اور زہد وورَع کا رقّت انگیز واقعہ _____ ۱۳۰

مقامِ والدین اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک ۱۳۷

○ انبیائے کرام علیہم السلام کا معاملہ اپنے والدین کے ساتھ _____ ۱۳۷
○ والدین کے سلسلے میں قرآنِ کریم کا واضح حکم _____ ۱۳۹
○ احادیثِ شریفہ میں والدین کا مقام _____ ۱۴۰
○ صحابۂ کرامؓ کا والدین کے ساتھ بالخصوص والدہ کے ساتھ حسن سلوک _____ ۱۴۱
○ سلف صالحین ـــــ ماں باپ کی خدمت اور عقیدت واحترام _____ ۱۴۳
○ اللہ کے نزدیک محبوب ترین اعمال _____ ۱۴۴
○ بدقسمت اولاد _____ ۱۴۵
○ والدین کی وفات کے بعد حسن سلوک کا طریقۂ کار _____ ۱۴۷

سعادت مند اسلامی گھرانہ ۱۵۰

○ سعادت مند گھرانے کے لیے دو بنیادی عناصر _____ ۱۵۰
○ گھر ایک عظیم نعمت _____ ۱۵۱
○ گھر کی اصلاح... راہِ سعادت ونجات _____ ۱۵۲
○ بچوں کے لیے بہترین نمونہ بنیں _____ ۱۵۳
○ چند صالحین کے مثالی گھرانے _____ ۱۵۴
○ خاندانوں کی تباہی کے اسباب _____ ۱۵۵
○ سعادت مند گھرانے کی حقیقی پہچان _____ ۱۵۶

حسن اخلاق اور اس کے ارکان ۱۶۰

○ حسنِ اخلاق کے چار ارکان _____ ۱۶۱
○ سوئے اخلاق کے چار ارکان _____ ۱۶۲

○ خلاصۂ گفتگو ۱۶۵

منشیات (نشہ آور چیزیں) ۱۶۷

○ شراب اور دیگر منشیات کی حرمت کا پہلا پہلو ۱۶۷
○ حرمت کا دوسرا پہلو ۱۶۹
○ تیسرا پہلو ۱۶۹
○ منشیات کی ممانعت لیکن صریح مخالفت ۱۷۰
○ اس آفت سے کیسے بچیں ۱۷۲
○ منشیات، مقاصد شریعت کے خلاف ۱۷۲
○ اس بیماری کا حل کیا ہے؟ ۱۷۳

دوسروں کی عیب جوئی ۱۷۶

○ عقل مند آدمی کون ہے؟ ۱۷۷
○ بے وقوف کون ہے؟ ۱۷۸
○ دوسروں کی عیب جوئی کا خطرناک پہلو ۱۷۹
○ میری خطاؤں پر مجھے تنبیہ کر دو ۱۸۲
○ کامل بصیرت والے ۱۸۳
○ اپنے عیوب پر بھی پردہ رکھو ۱۸۳

گناہ کے اسباب اور اس کے نتائج ۱۸۵

○ نعمتوں کی بقاء کا ضامن ۱۸۵
○ نعمتیں چھن جانے کا سبب ۱۸۶
○ گناہ کے نتائج ۱۸۷
○ مرد مؤمن کی پہچان ۱۸۹

- ایک صحابیؓ کا قصہ ۱۹۰
- خاتمہ ۱۹۳

نگاہ اور عفّت و عصمت کی حفاظت ۱۹۴

- آزادی یا پابندی ۱۹۵
- اسلام کا پاکیزہ نظام، انسانی عفّت و عصمت کا محافظ ۱۹۵
- اسلام نے حرام دروازے بند کیے اور حلال دروازے کھول دیے ۱۹۷
- اخلاق سوز مناظر سے بچیں ۱۹۸
- ہم جنس پرستی ۱۹۸
- اسلام کی مقدس تعلیمات پہ آپ کو فخر ہونا چاہیے ۲۰۰
- معاذ اللہ ۲۰۱

السلام علیکم ۲۰۳

- (باہمی اخوت و محبت اور دخولِ جنت کا سبب) ۲۰۳
- حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے سلام کی مشروعیت ۲۰۴
- سلام کرنے کا طریقہ ۲۰۵
- سلام کے بعض احکام ۲۰۶
- یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو سلام کا حکم ۲۰۸
- السلام علیکم کے معنی کیا ہیں؟ ۲۰۹
- سلام کے آداب ۲۰۹

پڑوسی کا مقام اور اس کے حقوق ۲۱۱

- ہم سایہ کی تین قسمیں ۲۱۲
- ہم سایہ کے ساتھ حسنِ سلوک ایمان کی علامت ہے ۲۱۳

- حسنِ سلوک کے مختلف انداز ۲۱۳
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہودی پڑوسی کے ساتھ برتاؤ ۲۱۵
- ہم سایہ کا اعلیٰ ترین اکرام ۲۱۶
- امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اپنے موچی پڑوسی کے ساتھ معاملہ ۲۱۶
- ہم سایہ کا تعاون کریں ۲۱۸
- پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی پر وعید ۲۱۸
- شریعت میں پڑوسی کسے کہتے ہیں؟ ۲۲۰

بدگمانی ۲۲۲

- بدگمانی کی تعریف ۲۲۲
- بدگمانی کی دو قسمیں ۲۲۳
- بدگمانی کی دوسری قسم ۲۲۴
- بدگمانی کے نتائج ۲۲۵
- کس طرح حسنِ ظن پیدا کریں اور سوءِ ظن سے بچیں؟ ۲۲۷
- بندوں کے ساتھ حسنِ ظن پیدا کرنے کے متعدد طریقے ۲۲۸

خوابوں کی حقیقت ۲۳۰

- خواب کی فضیلت ۲۳۱
- خواب کی حقیقت کیا ہے؟ ۲۳۲
- خواب دیکھنے والوں کی قسمیں ۲۳۳
- اچھے اور برے خواب کی پہچان ۲۳۴
- خواب کے شرعی آداب ۲۳۵
- خواب کی ایک اور قسم ۲۳۷
- خواب بنا کر بیان کرنے پر وعید ۲۳۷

○ آخری بات _____ ۲۳۸

حصولِ جنت کے راستے (پہلی قسط)..... ۲۴۰

○ جنت اور اہل جنت کے چند اوصاف _____ ۲۴۰
○ دخولِ جنت کا سب سے عظیم وسیلہ اور سبب _____ ۲۴۳
○ دائمی طہارت _____ ۲۴۴
○ فرض نمازوں کی پابندی _____ ۲۴۵
○ تحیۃ الوضوء کی ادائیگی _____ ۲۴۶
○ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلۂ رحمی _____ ۲۴۶
○ جہاد فی سبیل اللہ اور علم شریعت _____ ۲۴۸
○ خلوت وجلوت میں اللہ کا خوف _____ ۲۴۹
○ زبان اور شرم گاہ کی حفاظت _____ ۲۴۹
○ مصائب پر صبر _____ ۲۵۰

حصولِ جنت کے راستے (دوسری قسط) ۲۵۲

○ حصولِ جنت کے لیے مطلوبہ اوصاف _____ ۲۵۴
○ سچائی _____ ۲۵۴
○ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن _____ ۲۵۵
○ یتیم کی کفالت اور بچیوں کی تربیت _____ ۲۵۶
○ اللہ کے لیے مسلمان بھائی کی زیارت اور بیمار کی عیادت _____ ۲۵۸
○ تعمیر مسجد _____ ۲۵۹
○ اخلاقِ حسنہ _____ ۲۶۰
○ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنا، سلام کو عام کرنا _____ ۲۶۱
○ بارہ رکعتیں سُنَنِ رواتب کی _____ ۲۶۳

- مقبول حج اور سید الاستغفار ۲۶۳
- سورۂ مؤمنون کے شروع کی دس صفتیں ۲۶۴

جہنّم اور اس میں لے جانے والے برے اعمال ۲۶۶

- دوزخ کیا ہے؟ ۲۶۷
- دخولِ دوزخ کا سب سے بڑا سبب: شرک ۲۶۸
- اہل جہنم کی دو قسمیں ۲۶۹
- جھوٹی قسم کھا کر مسلمان کا حق ہڑپ لینا ۲۶۹
- کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا ۲۷۰
- ناحق عذاب دینا اور عورتوں کی بے پردگی ۲۷۳
- پڑوسی کو ستانا اور چغل خوری کرنا ۲۷۳
- غلط نسب و برادری کا دعوی اور تکبر ۲۷۴
- زنا کرنا، احسان جتلانا، مرد کا ٹخنوں سے نیچے کپڑے پہننا ۲۷۶
- دو موجباتِ جہنم ۲۷۸

عافیت اور سعادت ۲۸۰

- حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کا قصہ ۲۸۲
- عافیت و سعادت کے حصول کا طریقہ ۲۸۴
- کیا موسیقی سے سکون و راحت اور سعادت ملتی ہے؟ ۲۸۵
- مادی چیزیں بھی سعادت کا سبب بن سکتی ہیں ۲۸۸

"فیملی" ہر معاشرے کی بنیاد ۲۹۰

- میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس ہیں ۲۹۰
- بیویوں کے حقوق شوہروں پر ـــــ حسن معاشرت ۲۹۱

- دل لگی، بشاشت، باہمی تعاون ۲۹۳
- بیوی کو دینی مسائل کی تعلیم ۲۹۳
- مہر کی ادائیگی ۲۹۵
- بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمّے ۲۹۶
- ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل ۲۹۷
- شوہروں کے حقوق ان کی بیویوں پر ۲۹۹
- اللہ تعالیٰ کی طرف سے شوہر کو دیے گئے مرتبہ و مقام کو پہچاننا ۲۹۹
- خلاصۂ گفتگو ۳۰۲

مصائب پہ صبر اور ثابت قدمی ۳۰۳

- اہل حق کی آزمائش دوسروں سے زیادہ ۳۰۴
- سخت حالات میں بے صبرے اور مایوس ترین لوگ ۳۰۵
- سخت حالات میں صبر و رضا اور سکون و اطمینان والے لوگ ۳۰۷
- دینی مصیبت، دنیاوی مصیبت سے عظیم ہوتی ہے ۳۰۹
- حضرت عروہ ابن الزبیر کے صبر کا قصہ ۳۱۰
- ایک مرد مومن کے صبر و ثبات کا حیرت انگیز قصہ ۳۱۲
- مصائب پہ اجر و ثواب کی حلاوت... ۳۱۴

اچھی صحبت اور اس کے مثبت اثرات ۳۱۶

- تمہید ۳۱۶
- صحبت کا اثر ۳۱۶
- صحبتِ صالح کے منافع ۳۱۹

بری صحبت اور اس کے منفی اثرات ۳۲۷

- صحبت کا اثر ناگزیر _____ ۳۲۷
- بری صحبت کے نتائج _____ ۳۲۸
- غلط ہم نشینی کا حسرت ناک انجام _____ ۳۲۸
- صحبتِ بد کے اثرات اور نقصانات _____ ۳۲۹
- دوستی کس سے کریں؟ _____ ۳۳۲
- کچھ نئے ہم نشیں _____ ۳۳۵

خاموش واعظ..... ۳۳۸

- دو فصیح و بلیغ واعظ _____ ۳۳۸
- ناقابلِ انکار حقیقت _____ ۳۴۰
- زمین کی انوکھی رجسٹری _____ ۳۴۲
- میرا مال میرے کام نہ آیا _____ ۳۴۴
- حضرت حسن بصریؒ کی نصیحت _____ ۳۴۵
- عقل مند انسان _____ ۳۴۷
- توشۂ سفر _____ ۳۴۸

فہرست ۳۵۲

مقدمہ

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی مدظلہ
مہتمم دار العلوم دیوبند

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

"خطباتِ حجاز" کے نام سے تذکیر وموعظت پر مشتمل معتبر مضامین کا مجموعہ سامنے آیا، جو اپنے نام کا صحیح مصداق ہے کہ وہ اُن خطبات کا خلاصہ ہے جو اس کے مؤلف محترم نے حجاز مقدس کے مشہور شہر "جدہ" کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز سے پہلے پیش کیے ہیں۔

اس کتاب کی فہرست سے اندازہ ہوا کہ اس میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ ضرورت کے بہت سے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے، یہ جلد جو مؤلف موصوف کے بیان کے مطابق اس کتاب کی پہلی جلد ہے، تقریباً تیس عنوانات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں خاص بات یہ ہے کہ متعلقہ موضوع پر آیات واحادیث اور معتبر واقعات ایک ایسے انداز میں جمع کیے گئے ہیں، جو قاری اور سامع پر اثر انداز ہوتا ہے، کتاب پر نظر ڈالنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سرسری تقاریر کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ محنت سے تیار کیے گئے

عربی خطبات کا وہ خلاصہ ہے جسے صاحبِ خطبات نے خود سلیقہ کے ساتھ اردو کا جامہ پہنایا ہے، کتاب کی زبان میں سلاست اور بیان میں تاثیر ہے۔

مؤلف کتاب جناب مولانا جنید احمد صاحب سیوانی زید مجدہ، جدہ میں امامت وخطابت سے پہلے، دارالعلوم دیوبند میں باقاعدہ شعبۂ عربی کے استاد کی حیثیت سے کئی سال تدریسی خدمت انجام دے چکے ہیں، پھر جدہ منتقل ہوگئے اور پچیس سال سے وہاں ایک مسجد کے امام وخطیب ہیں۔

میری دعاء ہے کہ اللہ رب العزت موصوف کی اس کتاب کو مقبولیت عطاء فرمائے اور اُن کو مزید علمی ودینی خدمات کی توفیق سے نوازے۔ آمین

والسلام

(مولانا ومفتی) ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۰/ذوالقعدۃ ۱۴۴۲ھ
۲۲/جون ۲۰۲۱ء بروز منگل

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين. أما بعد!

راقم الحروف ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۶ء سے سعودی عرب کے مشہور شہر جدہ کی ایک جامع مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہا ہے، سینکڑوں موضوعات پہ خطبے پیش کیے، عام طور پر بیس پچیس منٹ خطبے کا وقت ہوتا ہے، ہر سال کی مخصوص عبادتوں کی مناسبت سے کچھ خطبوں کے موضوعات تو مکرر ہوتے ہیں، ان کے علاوہ سارے خطبے متنوع اور جدید موضوعات پہ دیے جاتے ہیں، عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات اور معاشرت وغیرہ کے موضوعات ان میں شامل ہوتے ہیں، اس طرح اس عاجز کے پاس مختلف عناوین کے سینکڑوں خطبات جمع ہو گئے ہیں۔

متعدد مخلص دوستوں اور بزرگوں نے بار بار تقاضا کیا کہ ان خطبات کی عربی (جس زبان میں پیش کیے گئے) اور اردو، دونوں زبانوں میں طباعت ہونی چاہیے؛ تاکہ ان کا نفع مزید عام ہو جائے۔ اللہ کی توفیق سے عربی سے قبل ہی اردو زبان میں ترجمے اور طباعت کی ابتدا ہو رہی ہے۔

راقم نے خود ہی ان خطبات کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے، اس سلسلے کی یہ پہلی جلد ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، مختلف عناوین کے تیس خطبے اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں، ہر خطبے کے شروع میں مفصل حمد وصلاۃ اور تقویٰ کی تلقین کے ساتھ اس سے متعلق چند آیات کی تلاوت کی جاتی ہے، جن کو طوالت کے اندیشے سے حذف کر دیا گیا ہے۔ نیز ہر جمعے میں دو خطبے دیے جاتے ہیں جن کو ترجمے میں مضمون کا تسلسل برقرار رکھتے ہوے ایک کر دیا گیا ہے۔

ان خطبات کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہر موضوع سے متعلق قرآن کریم کی مقدس آیات تو ذکر کی ہی گئی ہیں، ساتھ ہی مستند اور قابل اعتماد روایات بھی ذکر کی گئی ہیں، غیر معتبر یا ناقابل اعتماد روایات سے حتی الامکان اجتناب کیا گیا ہے۔ اسی طرح جابہ جا ایمان افروز اور نصیحت آموز حکایات وواقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں؛ لیکن ان میں بھی یہ کوشش کی گئی ہے کہ وہ مستند ہوں اور نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہوں۔ وعظ ونصیحت اور تقریر وخطابت میں عام طور پر غیر معتبر روایات اور خود ساختہ حکایات کا سہارا لے کر سامعین کو ''انوکھے'' مضامین سنانے اور ان کی دلچسپی بڑھا کر داد تحسین حاصل کرنے کے فرسودہ طرز سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ کتاب عمومی طور پر ہر قاری کے لیے ان شاء اللہ مفید ہوگی؛ لیکن خصوصی طور پر مساجد کے ائمۂ کرام کے لیے زیادہ مفید ومعاون ثابت ہوگی جو اپنی اپنی مسجدوں میں جمعے کے روز دو اَذانوں کے درمیان اردو زبان میں خطاب فرماتے ہیں۔ ان کے لیے یہ بیش بہا اور قیمتی ذخیرہ ہے جس سے مواد حاصل کر کے اپنے خطاب کو

مزید متنوع اور نفع بخش بنا سکتے ہیں۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ مؤلف، اس کے والدین اور اس کے اساتذۂ کرام کو اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔

جنید احمد سیوانی قاسمی
امام وخطیب جامع الرضوان، جدہ، سعودی عرب
موبائل:00966551446792

بسم الله الرحمن الرحيم

۱۷/ صفر ۱۴۴۰ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

جمعہ کا دن ـــــ فضائل وآداب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ ٱلۡجُمُعَةِ فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلۡبَيۡعَۚ ذَٰلِكُمۡ خَيۡرٞ لَّكُمۡ إِن كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ٩ ﴾ [الجمعة: ٩]

”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو، اور خرید وفروخت چھوڑدو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھو“۔[سورۂ جمعہ: ۹]

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ». [صحيح مسلم]

”سب سے بہتر دن جس میں سورج نمودار ہوا، جمعہ کا دن ہے، اسی روز آدم

علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اسی روز انھیں جنت میں داخل کیا گیا، اسی روز جنت سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی قائم ہو گی"۔[مسلم شریف]

جمعہ اور اس کے فضائل کے حق دار صرف مسلمان

جمعہ کے دن کے بہت سارے فضائل و مناقب ہیں جو صرف اسی دن کے ساتھ خاص ہیں، کسی دوسرے دن میں نہیں پائے جاتے، اسی طرح اس مبارک دن کا تحفہ صرف امت مسلمہ کو ملا ہے، کسی دوسری قوم کو نہیں ملا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَضَلَّ اللهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا، فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَوْمُ السَّبْتِ، وَكَانَ لِلنَّصَارَى يَوْمُ الْأَحَدِ، فَجَاءَ اللهُ بِنَا، فَهَدَانَا اللهُ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ، فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ وَالسَّبْتَ وَالْأَحَدَ، وَكَذَلِكَ هُمْ تَبَعٌ لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ». [صحيح مسلم]

جو لوگ ہم سے پہلے تھے اللہ نے انھیں جمعہ سے غافل کر دیا، اس لیے یہود کے لیے ہفتے کا دن ہو گیا اور نصاریٰ کے لیے اتوار کا دن۔ پھر اللہ ہمیں اس دنیا میں لایا اور جمعہ کے دن کی طرف ہماری راہ نمائی فرمائی۔ اس نے جمعہ پھر ہفتہ پھر اتوار رکھا (جس طرح وہ عبادت کے دنوں میں ہم سے پیچھے ہیں اسی ترتیب پر) وہ قیامت کے دن بھی ہم سے پیچھے ہوں گے، اہل دنیا میں سے ہم سب کے بعد میں ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے، جن کا فیصلہ باقی مخلوقات سے پہلے کر دیا

جائے گا۔ [مسلم شریف]

حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"تمھارے دنوں میں سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن چیخ ہو گی، اس لیے تم لوگ اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، کیوں کہ تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اوس کہتے ہیں کہ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہو گا جب کہ آپ (مر کر) بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ حرام کر رکھا ہے کہ وہ پیغمبروں کے بدن کو کھائے"۔ [ابوداؤد شریف]

جمعے کے دن کی پانچ خصوصیات

مسند احمد میں حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابیؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: جمعے کے دن میں جو بھلائیاں ہیں وہ ہمیں آپ بتا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فِيهِ خَمْسُ خِلَالٍ: فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ هَبَطَ آدَمُ، وَفِيهِ تُوُفِّيَ آدَمُ، وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يَسْأَلُ اللهَ عَبْدٌ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا آتَاهُ اللهُ إِيَّاهُ، مَا لَمْ يَسْأَلْ مَأْثَمًا أَوْ قَطِيعَةَ رَحِمٍ، وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ».

"جمعے کے دن میں پانچ خصلتیں (خصوصیات) ہیں: اسی روز آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی روز زمین پر اتارے گئے، اور اسی روز ان کی وفات

ہوئی۔ جمعے کے دن ایک وقت ہے جس میں بندہ جو کچھ مانگتا ہے، اللہ اسے عطا کرتا ہے، بشرطے کہ گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔ اور جمعے کے روز ہی قیامت بھی برپا ہوگی"۔

جمعے کے دن کی وہ مخصوص ساعت جس میں دعا قبول ہوتی ہے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ خطبے کے لیے جب امام مسجد میں داخل ہوتا ہے اس وقت سے نماز کے اختتام تک۔ دوسرے یہ کہ وہ ساعت دن کے آخری حصے میں ہے، عصر کے بعد سے مغرب تک۔

گناہوں کا کفارہ

جمعے کے دن کے منجملہ فضائل میں یہ بھی ہے کہ جو شخص دو جمعے کی نمازیں ادا کرے گا تو اس کے وہ گناہِ صغیرہ جو ان دونوں کے درمیان میں ہوئے ہوں گے، وہ سب معاف ہو جائیں گے۔

قَالَ رَسُولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ».

[صحیح مسلم]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعے تک، ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کے لیے (باعثِ) کفارہ ہیں جب تک (یعنی شرط یہ ہے کہ) کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے"۔

[مسلم شریف]

جمعے کے دن کی ایک اور فضیلت یہ ہے کہ اس روز فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا، پورے ہفتے کی تمام نمازوں سے افضل ہے، نیز اس کی وجہ سے بھی اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

مسند بزار میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَوَاتِ صَلاةُ الصُّبْحِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْ جَمَاعَةٍ، وَمَا أَحْسَبُ شَهِدَهَا مِنْكُمْ إِلَّا مَغْفُوْرًا لَه». (الحديث صحيح إلا الجملة الأخيرة؛ وما أحسب ... فإنها ضعيفة)

"سب سے افضل نماز، جمعے کے روز فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا ہے، اور تم میں کا جو کوئی بھی اس جماعت میں حاضری دے گا تو اس کے گناہ معاف ہوں گے"۔

جمعے کے روز کی وفات

ایک اہم فضیلت یہ بھی ہے کہ جمعے کے دن یا اس کی رات میں اگر کسی کی موت ہو جائے تو اسے قبر کے فتنے اور اس کی آزمائش سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ». [سنن الترمذی]

"جو مسلمان جمعے کے دن یا اس کی رات میں وفات پا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے بچا دیتے ہیں"۔[ترمذی شریف]

جمعے کے دن کے سنن وآداب

جمعہ کے دن کی خصوصیات اور اس کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو دوسرے دنوں سے ممتاز رکھا ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر رسول کریم ﷺ نے اس سے متعلق آداب وسنن بیان فرمائے ہیں، جن پر عمل کرنے سے اجر وثواب میں زیادتی اور درجات میں بلندی نصیب ہوتی ہے، انھیں مبارک ومسنون اعمال میں سے ایک ہے جمعہ کے روز غسل کرنا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ».

[صحيح البخاري]

"جمعہ کے روز غسل کرنا ہر بالغ شخص کے لیے ضروری ہے"۔

[بخاری شریف]

ناخن تراشنا اور مرد کے لیے مونچھ کے بال کاٹنا بھی اس دن مسنون ہے۔

سنن بیہقی میں حضرت ابو جعفرؓ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يَّأْخُذَ مِنْ شَارِبِهِ وَأَظْفَارِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ».

"رسول کریم ﷺ جمعہ کے دن اپنی مونچھ کے بال اور ناخن لینا (کاٹنا) پسند فرماتے تھے"۔

سورۂ کہف کی تلاوت، خوشبو اور اچھے ستھرے کپڑے

جمعے کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرنا سنت ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ، أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّورِ، مَا بَيْنَ الْجُمْعَتَيْنِ». [سنن بيهقي ومستدرك حاكم]

"جو شخص جمعے کے روز سورۂ کہف کی تلاوت کرے تو دو جمعوں کے درمیان اس کے لیے نور روشن ہوتا ہے"۔ [سنن بیہقی ومستدرک حاکم]

جمعہ کے روز خوشبو استعمال کرنے کے سلسلے میں حضرت سلمان فارسیؓ سے امام بخاریؒ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ، أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ، فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى».

"جو شخص جمعہ کے روز غسل کرے، جہاں تک ممکن ہو خوب پاکی حاصل کرے، تیل لگائے، یا اپنے گھر کی خوشبو استعمال کرے، پھر (جمعہ کی نماز کے لیے) نکلے، پس دو شخصوں کے درمیان تفریق پیدا کر کے نہ گھُسے، پھر جتنی میسر ہو نماز پڑھے، پھر جب امام کلام کرے (خطبہ دے) تو غور سے سنے تو اس کے اور دوسرے جمعے کے درمیان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔

عام طور پر جمعے کے روز مساجد میں یہ نامناسب طرز عمل دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ دیر سے آتے ہیں اور آرام سے بیٹھے ہوئے دو شخصوں کے درمیان گھس کر ان کے لیے باعث اذیت بنتے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیثِ پاک میں گناہوں کی مغفرت اس پر موقوف رکھی گئی ہے کہ وہ نمازی یہ اذیت ناک حرکت نہ کرے۔ اس طرح کے لوگ ایک تو تاخیر سے مسجد آتے ہیں، دوسرے آگے بڑھ کر ان کو اذیت دیتے ہیں جو پہلے سے وقت فارغ کر کے اگلی صفوں میں جگہ لے چکے ہوتے ہیں۔

ایک مسنون و مستحب عمل یہ بھی ہے کہ جو کپڑے میسر ہوں ان میں سے بہترین اور صاف ستھرے لباس میں ملبوس ہو کر مسجد آئے۔ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَلْبَسُ مِنْ صَالِحِ ثِيَابِهِ، وَإِذَا كَانَ لَهُ طِيبٌ مَسَّ مِنْهُ». [أحمد]

”ہر بالغ کے لیے جمعہ کے روز غسل کرنا ضروری ہے، (اور یہ مستحب ہے کہ) اپنے کپڑوں میں سے بہترین کپڑے پہنے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو اسے استعمال کرے“۔ [احمد]

جلدی مسجد میں حاضری کی فضیلت
اور خطبے کے دوران دوسرے عمل کی ممانعت

وضو کر کے جمعے کی نماز کے لیے جلدی مسجد حاضری کے فضائل مُتعدِّد احادیث میں وارد ہوے ہیں، اسی طرح خطبے کے دوران بغور خطبہ سننے کا حکم دیا گیا

ہے، اس وقت کسی دوسرے عمل میں مشغول ہونے سے منع کیا گیا ہے؛ بلکہ اسے لغو اور بیکار کام بتایا گیا ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

«مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ، وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى، فَقَدْ لَغَا». [صحيح مسلم]

"جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر جمعے کے لیے آئے، پھر غور سے خاموشی کے ساتھ خطبہ سنے تو اس کے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، اور مزید تین روز کے گناہ بھی بخش دیے جاتے ہیں، اور جو شخص پتھروں کو چھوے اس نے لغو کام کیا"۔ [صحیح مسلم]

یہ تین روز مزید اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اصول مقرر فرمایا ہے: «الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا» یعنی ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔

ایک ضروری تنبیہ

مذکورہ بالا حدیث پاک میں حضور ﷺ نے فرمایا:

« وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى، فَقَدْ لَغَا». یعنی جو شخص پتھروں یا کنکریوں کو بطور عبث کے چھوے اس نے ایک لغو اور بیکار عمل کیا۔

عام طور پر خطبے کے دوران غالباً نادانی کی وجہ سے بعض لوگ دوسری حرکتوں میں مشغول ہوتے ہیں، بالخصوص اس زمانہ میں موبائل وغیرہ کے ذریعہ اپنا قیمتی وقت نہ صرف ضائع کرکے اجر سے محروم ہوتے ہیں؛ بل کہ لغو کام کی وجہ سے گناہ کے

مرتکب ہوتے ہیں، ایک روایت میں ہے:

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ». [صحيح البخاری]

''امام کے خطبے کے دوران جمعہ کے روز تم نے اپنے ساتھی سے اگر کہا: خاموش رہو، تو تم نے ایک لغو کام کیا''۔[صحیح البخاری]

غور فرمائیں! خطبہ کے دوران مُنکَر پر نکیر بھی ممنوع ہے؛ بل کہ اسے لغو کہا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خطبے کی اور اُسے بغور سننے کی کتنی اہمیت ہے؛ لہٰذا خطبے کے وقت کسی طرح کی گفتگو سے یہاں تک کہ سلام کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے؛ کیوں کہ سلام کرنا سنت ہے؛ لیکن خطبہ کا سننا واجب ہے۔

دوسری تنبیہ

جمعہ کے خطبے کے دوران لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوے آگے جانا حرام ہے، اس امر پر نمازیوں کی تنبیہ ضروری ہے؛ کیوں کہ حدیث پاک میں اس پر وعید وارد ہوئی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَدْ اتَّخَذَ جِسْرًا إِلَى جَهَنَّمَ».

''جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگی، اس نے جہنم تک جانے کے لیے پل بنالیا''۔

اسی طرح دوسری روایت حضرت عبد اللہ بن بُسرؓ سے مروی ہے کہ جمعہ کے

روز خطبے کے درمیان ایک شخص نبی کریم ﷺ کی طرف بڑھتا ہوا آرہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ وَآنَيْتَ». [مسند احمد]

"بیٹھ جاؤ؛ کیوں کہ تم نے (گردنیں پھلانگنے کی وجہ سے دوسروں کو) اذیت پہنچائی اور تاخیر سے آئے"۔[مسند احمد]

البتہ اگر آگے کی صفوں میں جگہ خالی ہو تو علمائے کرام نے اس کی اجازت دی ہے کہ انھیں پُر کرنے کے لیے آگے کی طرف نمازی جاسکتا ہے۔

اس طرح کی غلطیوں کی وجہ دراصل تاخیر سے مسجد پہنچنا ہے، اگر مسجد جانے میں جلدی کی جائے، جمعہ کی نماز کو خصوصیت کے ساتھ اہمیت دی جائے، شوق وذوق کے ساتھ غسل کرکے، اچھے کپڑے پہن کر خوشبو استعمال کرکے دربارِ عالی میں حاضری دی جائے تو اس طرح کے گناہ سے بھی بچ سکتے ہیں اور خیر کثیر اور اجر وثواب بھی اپنے نامۂ اعمال میں درج کرا سکتے ہیں۔

بخاری شریف کی روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ، ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ، حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ».

"جو شخص جمعہ کے دن غسلِ جنابت کر کے نماز پڑھنے جائے تو گویا اس نے ایک اونٹ کی قربانی دی، (اگر اول وقت میں مسجد پہنچا) اور اگر بعد میں گیا تو ایک گائے کی قربانی دی، اور جو تیسرے نمبر پر گیا تو گویا اس نے ایک سینگ والے مینڈھے کی قربانی دی، اور جو کوئی چوتھے نمبر پر گیا تو گویا اس نے ایک مرغی کی قربانی دی، اور جو کوئی پانچویں نمبر پر گیا تو گویا اس نے ایک انڈا اللہ کی راہ میں دیا؛ لیکن جب امام خطبے کے لیے باہر آجاتا ہے تو فرشتے خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں"۔

خلاصہ

لہٰذا جمعہ کے دن کی فضیلت کو سمجھیں، اس کی قدر کریں، فجر کی نماز ضرور باجماعت ادا کریں، غسل کریں، کپڑے جو میسر ہوں ان میں سے اچھے کپڑے زیب تن کریں، خوشبو لگائیں، سورۂ کہف کی تلاوت کریں، اول وقت میں مسجد پہنچ کر امام کے قریب جگہ لینے کی کوشش کریں، قبولت دعا کے اوقات میں دعائیں کریں، کثرت سے اس روز درود شریف پڑھیں۔

❊ ❊ ❊

۲۴/ محرم ۱۴۲۹ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

نماز ـــــ اہم ترین عبادت

جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو یہ فریاد بھی کی کہ ان کی اولاد نماز قائم کرنے والی ہو۔

﴿رَبِّ ٱجۡعَلۡنِي مُقِيمَ ٱلصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِيۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿٤٠﴾﴾ [سورة إبراهيم: ٤٠]

ترجمہ: ”اے میرے رب! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی، اے ہمارے رب! ہماری دعا قبول فرما“۔[سورۂ ابراہیم: ۴۰]

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اللہ نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَكَانَ يَأۡمُرُ أَهۡلَهُۥ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِۦ مَرۡضِيًّا ﴿٥٥﴾﴾[سورة مريم: ٥٥]

ترجمہ: ”وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکات کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول تھا“۔[سورۂ مریم:۵۵]

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ شانہ مخاطب ہوئے تو فرمایا:

﴿وَأَنَا ٱخۡتَرۡتُكَ فَٱسۡتَمِعۡ لِمَا يُوحَىٰٓ ﴿١٣﴾ إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ

أَنَا۠ فَٱعۡبُدۡنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكۡرِيٓ ﴿١٤﴾

[سورة طٰہٰ: ۱۳-۱۴]

ترجمہ: ”اور میں نے تجھے منتخب کرلیا ہے، اب جو وحی کی جائے اسے غور سے سن! بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں، پس تو میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر“۔ [سورۃ طٰہٰ:۱۳-۱۴]

اللہ تعالیٰ نے اپنے ”کلمے“ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ماں کی گود میں جب گویائی عطا فرمائی تو قضاوقدر کے فیصلے کو اس طرح بیان کیا:

﴿ قَالَ إِنِّي عَبۡدُ ٱللَّهِ ءَاتَىٰنِيَ ٱلۡكِتَٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيّٗا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيۡنَ مَا كُنتُ وَأَوۡصَٰنِي بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ مَا دُمۡتُ حَيّٗا ﴿٣١﴾ ﴾[سورة مريم: ۳۰-۳۱]

ترجمہ: ”بچہ بول پڑا: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے پیغمبر بنایا، اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے، جہاں بھی رہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکات کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں“۔[سورۃ مریم:۳۰-۳۱]

جب حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تو ان کی وصیتوں میں ایک اہم وصیت یہ تھی:

﴿ يَٰبُنَيَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَٱنۡهَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَٱصۡبِرۡ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ ٱلۡأُمُورِ ﴿١٧﴾ ﴾ [لقمان:۱۷]

ترجمہ: ”اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کا حکم کرتے رہنا اور برے کاموں سے منع کرتے رہنا، اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر

کرنا، یہ بیشک بڑے تاکیدی کاموں میں سے ہے"۔[سورۃ لقمان:۱۷]

نماز مؤمن کی معراج

عبادات میں سب سے پہلے نماز فرض کی گئی، اس کی فرضیت کا حکم مکہ مکرمہ میں ہی آگیا تھا، جس مخصوص انداز میں یہ فرض کی گئی اس طرح کوئی عبادت فرض نہیں کی گئی، شبِ اسراء و معراج میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد ﷺ کو آسمان پر براہِ راست یہ تحفہ عنایت فرمایا؛ لہٰذا نماز اس مبارک یادگار کی باقیات میں سے ہے۔ یہ دراصل ہر مؤمن کی معراج ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے رب تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

نماز کی اہمیت

ایک بار نبی کریم ﷺ نے نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا، وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ». [مسند أحمد]

ترجمہ: "جو شخص نمازوں کا اہتمام اور پابندی کرے گا وہ اس کے لیے قیامت کے روز نور، برہان اور نجات ہو گی، اور جو شخص ان کا اہتمام اور پابندی نہیں کرے گا، نہ اس کے لیے نور ہو گا نہ برہان اور نہ ہی نجات، قیامت کے روز اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خَلف کے ساتھ ہو گا"۔ [مسند احمد]

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"جس شخص کی نماز سے لاپرواہی کی وجہ حکومت ہو گی، اس کا حشر فرعون کے ساتھ ہو گا، جس شخص کی لاپرواہی کا سبب عہدہ و منصب ہو گا، اس کا حشر ہامان کے ساتھ ہو گا، جس شخص کی لاپرواہی و غفلت کی وجہ مال و دولت ہو تو اس کا حشر قارون کے ساتھ ہو گا، اور جس شخص کی تجارت نماز سے غافل کر دے اس کا حشر ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا"۔

جب تک انسان اپنے ہوش و حواس میں ہو تو نماز کسی حال میں چھوڑنے کی اجازت نہیں، خواہ سفر میں ہو یا حضر میں، بیمار ہو یا تندرست ہو، نماز قائم کرنی ہو گی، حدیث شریف میں ہے:

«صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ» [البخاری]

ترجمہ: "کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہونے کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو، اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھو"۔ [صحیح بخاری]

اگر کسی دشمن کا خوف دامن گیر ہو تو پیادہ چلتے ہوئے یا سوار، بہ ہر حال نماز ادا کرنی ہو گی۔ ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾.

ایک نماز ہے جس کا نام "صلاۃ الخوف" ہے، جو مجاہدینِ اسلام، میدانِ جنگ میں دشمن سے برسرِ پیکار ہوں، ان کو بھی حکم ہے کہ اگر نماز کا وقت آجائے تو دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں، ایک مقابلے میں ہو، دوسری نماز باجماعت ادا کرے، جس کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نسا کی آیت نمبر ۱۰۲ میں بیان فرمایا ہے۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہوکے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

نماز کے تئیں مسلمانوں کا معاملہ

درج بالا وضاحتوں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ کس قدر سنگین حالات میں بھی اسلام نے ہمیں نماز کی تاکید کی ہے؛ لیکن کتنی افسوس ناک صورتِ حال ہے مسلمانوں کی، مسلمانوں کے سے نام رکھتے ہیں؛ لیکن نماز نہیں پڑھتے، مساجد سے انھیں کوئی سروکار نہیں، کسی کی عمر تیس، کسی کی چالیس، کسی کی پچاس، کسی کی اس سے بھی زیادہ ہوچکی؛ لیکن اس کے باوجود انھیں رکوع وسجود کرکے اللہ رب العزت کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں ہوتی، سجدہ کرکے اپنی پیشانی زمین سے نہیں لگاتے، یہ کون سا اسلام ہے؟ اس وقت کیا حال ہوگا جب نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ''سَقَر'' یعنی دوزخ میں داخل کیے جائیں گے اور جنتی لوگ ان سے دوزخ میں جانے کی وجہ دریافت کریں گے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾﴾ [المدثر: ٣٨-٤٣]

ترجمہ: ''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے، مگر دائیں ہاتھ والے کہ وہ بہشتوں میں بیٹھے ہوئے گناہ گاروں سے سوال کرتے ہوں گے: تمھیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہیں

تھے...“۔[سورۂ مدثر:۳۸-۴۳]

سورۃ ”المؤمنون“ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے کامیاب اہل جنت ایمان والوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں، ان اوصاف کی ابتداء میں فرمایا کہ ان کی نمازوں میں خشوع ہوتا ہے اور اختتام پر فرمایا کہ وہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں جس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک ایمان والے کی زندگی میں نماز کا کیا درجہ ہونا چاہیے۔

اس لیے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس اہم فریضے کی ادائیگی کا خصوصی اہتمام کرے، اس کے اوقات، فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کی رعایت کرتے ہوے ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے۔ لاپرواہی اور سستی کی وجہ سے وقت گذر جانے کے بعد نماز ادا کرنے کی عادت نہ ڈالے؛ تاکہ اس وعید کا مستحق نہ بنے، جس کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ ”الماعون“ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ فَوَيۡلٞ لِّلۡمُصَلِّينَ ۝٤ ٱلَّذِينَ هُمۡ عَن صَلَاتِهِمۡ سَاهُونَ ۝٥ ﴾[الماعون: ٤ – ٥]

ترجمہ: ”افسوس اور تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں“۔[سورۃ الماعون: ٤ – ٥]

ذمّے دار کون؟

ہر شخص خود اپنا ذمہ دار ہے اور اپنے ماتحتوں کا بھی «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» ”تم میں کا ہر شخص نگہبان ہے اور ہر نگہبان اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار ہے“۔

﴿ وَأۡمُرۡ أَهۡلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَاۖ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقٗاۖ نَّحۡنُ

نَرۡزُقُكَۖ وَٱلۡعَٰقِبَةُ لِلتَّقۡوَىٰ ﴿١٣٢﴾ [سورة طه: ١٣٢]

"اپنے گھرانے کے لوگوں کو نماز کی تاکید کریں اور خود بھی اس پر جمے رہیں، ہم آپ سے روزی نہیں چاہتے؛ بل کہ خود ہم آپ کو روزی دیں گے"۔[سورۃ طٰہٰ: ۱۳۲]

اپنے بچے، بچیوں اور تمام اہل خانہ کو نماز کی تاکید کریں، اس کے فضائل سنائیں، نماز کا عادی بنائیں، اس کے اجر وثواب کی امید دلائیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ» [أحمد وأبوداؤد]

ترجمہ: "اپنی اولاد کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم کرو اور دس برس کی عمر میں (اگر نماز نہ پڑھیں) تو انھیں مارو"۔ [أحمد وأبوداؤد]

ہمارے اسلاف نماز کو "میزان" یعنی ترازو کہتے تھے جس سے لوگوں کا معنوی وزن معلوم ہوتا ہے، اس لیے کسی شخص کی دینداری یا اس کے اخلاق معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ معلوم کرتے تھے کہ نماز کے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہے؟ کیا اہل مسجد اسے جانتے اور پہچانتے ہیں؟ کیا صبح سویرے اپنی نیند قربان کرکے فجر کی نماز کے لیے مسجد حاضر ہوتا ہے؟

نماز، روح کی غذا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

نماز دراصل انسان کی روح کی غذا ہے، اس سے روح کو تقویت ملتی ہے؛ بل کہ

بدن کو بھی تقویت حاصل ہوتی ہے، ارادے میں پختگی نصیب ہوتی ہے، ہر چیز کو تقویت ملتی ہے: روح کو تقویت اور غذا یوں ملتی ہے کہ یہ نماز انسان کو اللہ تعالیٰ سے ملاتی ہے، اس کی بارگاہ میں بغیر کسی دروازے اور حجاب کے لاکر کھڑا کر دیتی ہے، اسے باری تعالیٰ سے بغیر کسی ترجمان کے ہم کلام بناتی ہے؛ چناں چہ وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے جو اس سے قریب ہوتا ہے، دور نہیں ہوتا، اس سے مدد طلب کرتا ہے جو قوی اور عزیز ہے، کمزور وذلیل نہیں، ایسے کریم سے سوال کرتا ہے جو بخیل نہیں، جب نمازی کی روح پاکیزہ اور صاف ستھری ہو جاتی ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہ حدیث قدسی سن رہا ہے جس میں حق تعالیٰ شانہ فرمارہے ہیں:

"نماز کو میں نے اپنے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور میرا بندہ جو مانگتا ہے وہ اسے ملتا ہے، جب بندہ "الْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب "الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" کہتا ہے تو فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔ جب "مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ" کہتا ہے تو فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری عظمت بیان کی۔ جب "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کہتا ہے تو فرماتے ہیں: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اس کو ملے گا۔ اور جب کہتا ہے: "اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ، صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ سب میرے بندے کے لیے ہے اور جو اس نے مانگا ہے وہ اسے عنایت ہوگا"۔ [رواہ مسلم]

یہ وہ مناجات ہے جو بندے اور اس کے خالق ومالک کے درمیان نماز کی حالت

میں ہوتی ہے جو اس کی روح کو بالیدگی، قوت اور تازگی فراہم کرتی ہے، اس لیے نماز درحقیقت زندگی کے مصائب وآلام کے معرکہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت اور حمایت حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے، یہی وجہ تھی کہ رسول کریم ﷺ کو جب کوئی مہم درپیش ہوتی تو لپک کر نماز کی طرف متوجہ ہوتے تھے؛ کیوں کہ نماز میں نصرت الٰہی کے ساتھ ساتھ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا سکون بھی مضمر ہے۔

حدیث میں ہے:

«جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلاةِ». [الترمذی]

ترجمہ: ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے“۔ [ترمذی]

بستر مرگ پہ جو آخری وصیت رسات مآب ﷺ نے فرمائی ہے وہ نماز اور ماتحتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی ہے۔

❊ ❊ ❊

۱۷/ ۴/ ۱۴۳۱ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

دعاء ـــــ فضائل وآداب

تمہید

انسان حقیقت میں دو چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک جسم دوسرے روح، جس طرح اسے جسم کی پرورش اور اس کے تحفظ کے لیے غذاؤں کی ضرورت ہے، اسی طرح روح اور قلب کی غذا کی بھی ضرورت ہے، جسم کی پرورش مادی غذاؤں سے ہوتی ہے، جب کہ روح و قلب کی پرورش روحانی غذاؤں سے۔ واقعہ یہ ہے کہ اصل انسان تو یہ ظاہری جسم نہیں ہے؛ بل کہ وہ دل کی دھڑکن اور روح کی بقاء ہے؛ اسی لیے اگر دل کی دھڑکن بند ہو جائے اور روح پرواز کر جائے تو اس جسم کا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا، اس کے ہوتے ہوے کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب اب نہیں رہے، حالاں کہ جسم موجود رہتا ہے؛ لہٰذا انسان کی اصل زندگی عبارت ہے اس کے دل اور روح کی حیات سے۔

اس قلب وروح کی غذا یہ ہے کہ اس میں اس کے خالق ومالک کی محبت ہو، اس کی یاد سے معمور ہو، ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال ہو، اس میں صرف اسی کو بسایا

جائے جو ابدی ہے اور باقی رہنے والا ہے، فانی اور زوال پذیر سے اسے پاک رکھا جائے۔

دل کی مطلوبہ کیفیت سب سے زیادہ اس وقت موجزن ہوتی ہے جب انسان اپنے خالق ومالک، غنی اور بے نیاز رب کے حضور میں سراپا محتاج بن کر عاجزی وانکساری کے ساتھ دعاو مناجات میں مشغول ہوتا ہے، ایک کمزور انسان، طاقتور شہنشاہ کے ساتھ مربوط ہوتا ہے، ایک محتاج شخص اَغْنَی الاَغْنیاء سے وابستہ ہوتا ہے، پھر وہ فقیری میں بھی خود کو غنی سمجھتا ہے، خدا کے سامنے ذلیل ہونے میں بھی اپنی عزت محسوس کرتا ہے — جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ». [البخاری]

"غِنی اور مالداری، بہت ساز وسامان کا نام نہیں ہے؛ بل کہ حقیقی غِنی دل کا غِنی ہے"۔[بخاری شریف]

﴿ مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعِزَّةَ فَلِلَّهِ ٱلْعِزَّةُ جَمِيعًا ﴾ [فاطر: ۱۰]

"جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے"۔

[سورۂ فاطر: ۱۰]

کیا کوئی انسان اپنے خالق ومالک سے بے نیاز ہو سکتا ہے؟ اللہ کے علاوہ کوئی ہے جو اس کی بلاؤں کو ٹال سکے اور اس کی مصیبتوں کو دور کر سکے؟

﴿ أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ ٱلْأَرْضِ ۗ أَءِلَٰهٌ مَّعَ ٱللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ ﴾ [النمل: ٦٢]

ترجمہ: ”بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی بے قرار اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے، اور تکلیف دور کرتا ہے، اور جو تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ نہیں؛ بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو“۔[سورۃ النمل:۶۲]

دعا ـــــ ایک اہم عبادت

دعاؤں کی توفیق ملنا حقیقت میں ایمان ویقین اور سعادت مندی کی علامت ہے، دعا کرنے والا نہ صرف اپنی محتاجگی کا اللہ کے سامنے اظہار کر رہا ہوتا ہے؛ بل کہ وہ حکم ربانی کی اطاعت اور قوتِ ایمانی کی شہادت بھی دے رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اس سے دعا کریں اور اپنی ضرورتیں اس کے حضور میں پیش کریں:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِى سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ ﴾

[مؤمن: ٦٠]

”اور تمھارے پروردگار نے کہا ہے کہ: مجھے پکارو، میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا، بیشک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منھ موڑتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“ (سورۂ مؤمن:۶۰)

ذیل کی حدیث قدسی کے ہر ہر جملے پر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعاؤں کے ذریعہ کس طرح اپنے قریب فرما رہے ہیں، ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ بندوں

کو ان کی حاجتیں یاد دلا کر انھیں عنایت فرمانے کے لیے اپنے قریب بلا رہے ہیں:

«يَا عِبَادِي! كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ، فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ، يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ، فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ، يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ، فَاسْتَكْسُونِي أَكْسُكُمْ، يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا، فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْ لَكُمْ». [مسلم شريف]

"اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوائے اس شخص کے جس کو میں ہدایت دوں؛ لہٰذا مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو، سوائے اس شخص کے جس کو میں کھانا کھلاؤں؛ لہٰذا مجھ سے ہی کھانا طلب کرو، میں تمھیں کھانا کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو، سوائے اس شخص کے جس کو میں کپڑے پہناؤں؛ لہٰذا مجھ سے کپڑے مانگو، میں تمھیں کپڑے دوں گا۔ اے میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں؛ لہٰذا مجھ سے ہی مغفرت طلب کرو، میں تمھیں معاف کروں گا"۔[مسلم شریف]

لہٰذا بندے کو چاہیے کہ قبولیتِ دعا کی شرطیں پوری کر کے اپنے مولا کے سامنے نہایت عاجزی کے ساتھ دست بہ دعا ہو؛ کیوں کہ دعا کا حکم اللہ تعالیٰ نے بھی دیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے بھی؛ بلکہ آپ ﷺ نے عملی طور پر امت کو سمجھایا بھی ہے۔

دعا ایک عظیم عبادت ہے، حدیث پاک میں ہے:

«إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ» "دعا ہی عبادت ہے"۔[احمد]

یعنی عبادات کا اہم حصہ ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے حضور ﷺ نے فرمایا:

«الْحَجُّ عَرَفَةٌ» ”یعنی حج عرفہ کا نام ہے“۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کا رکن اعظم وقوفِ عرفہ ہے، اسی طرح دعا بھی ہے، اسی لیے ایک دوسری روایت میں وارد ہے:

«الدعاء مخ العبادة» ”دعا، عبادت کا مغز ہے“۔[ترمذی بسند ضعیف]

دعا کی توفیق عنایتِ ربانی ہے

اگر کسی بندے کو دعا کی توفیق مل گئی تو اسے خیر کثیر مل گئی، قبولیتِ دعا کی فکر سے زیادہ دعا کرنے کی فکر ہونی چاہیے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں:

«إِنِّي لَا أَحْمِلُ هَمَّ الْإِجَابَةِ، وَإِنَّمَا أَحْمِلُ هَمَّ الدُّعَاءِ، فَإِذَا أُلْهِمْتُ الدُّعَاءَ، عَلِمْتُ أَنَّ الْإِجَابَةَ مَعَهُ».

”مجھے قبولیتِ دعا کی فکر نہیں رہتی؛ البتہ دعا کی توفیق ملنے کی فکر ضرور رہتی ہے، پس جب دعا کی توفیق مجھے مل جاتی ہے تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ قبولیت اس کا لازمی حصہ ہے“۔

اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی طبیعت کو دعا کے لیے آمادہ کرے، اللہ تعالیٰ سے اپنی تمام حاجتیں مانگے۔ بعض تابعین سے مروی ہے کہ وہ اللہ سے اپنی ہر چیز طلب کرتے تھے یہاں تک کہ نمک بھی اللہ سے مانگتے تھے —— پھر انسان اگر ایسے کریم رب کے سامنے اپنے ہاتھ نہ پھیلائے تو کس کے سامنے پھیلائے، جو اپنے بندوں کی گریہ وزاری اور دستِ سوال پھیلانے کو پسند کرتا ہے۔ فرماتا ہے:

﴿ ٱدۡعُواْ رَبَّكُمۡ تَضَرُّعٗا وَخُفۡيَةً ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُعۡتَدِينَ ﴿٥٥﴾ ﴾ [الأعراف: ٥٥]

"تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔[سورۃ الاعراف:۵۵]

لہٰذا دعا میں جس قدر تضرع اور انکساری ہو گی اور اخفاء واخلاص ہو گا، اسی قدر وہ دعا قبولیت کے قریب ہو گی، اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی یہ ہے کہ وہ مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے، انھیں پسند کرتا ہے اور نہ مانگنے والوں سے ناراض ہوتا ہے۔

دعا کے تعلق سے ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا ہے اور اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا تو پھر دعا کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے فیصلے کو کوئی دوسرا نہیں ٹال سکتا؛ لیکن وہ خود تو اس پر قادر ہے کہ اپنے فیصلے کو جب چاہے ٹال دے ـــــ دوسرا جواب یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا کا حکم دیا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا مُتَعدِد آیات سے معلوم ہوا، اسی طرح رسول کریم ﷺ نے بھی حکم دیا اور خود عمل کر کے بتلایا ـــــ تیسرا جواب یہ ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا وقدر کے فیصلے کو دعا سے اللہ ٹال دیتا ہے، نیز یہ کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ فلاں مصیبت آئے گی اور وہ بندہ کی دعا سے دور ہو گی، یا فلاں کام بندے کی دعا کی وجہ سے انجام پائے گا؛ اس لیے عین ممکن ہے کہ اس فیصلے کی تبدیلی دعا پر موقوف ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اسباب اور مسببات

دونوں کے خالق ہیں۔

حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے:

«الدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ، وَعِمَادُ الدِّينِ، وَنُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ»

"دعا مومن کا ہتھیار ہے، دین کا ستون اور آسمان وزمین کا نور ہے"۔

آدابِ دعاء

دعا کے چند آداب ہیں جن کی رعایت کرنا داعی کے لیے ضروری ہے؛ تاکہ دعاء میں تاثیر پیدا ہو سکے:

(۱) جس چیز کا اللہ سے سوال کرے، پورے عزم وجزم اور وثوق کے ساتھ سوال کرے، کسی طرح کا تذبذب نہ ہو، ایسا نہ کہے کہ اے اللہ اگر آپ چاہیں تو میری مغفرت فرمادیں؛ بلکہ بھرپور یقین اور وثوق کے ساتھ دعا کرے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، ارْزُقْنِي إِنْ شِئْتَ، وَلْيَعْزِمْ مَسْأَلَتَهُ، إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ لَا مُكْرِهَ لَهُ». [صحيح البخاری]

"جب تم میں کا کوئی دعا کرے تو نہ کہے: اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو میری مغفرت فرمادیں، اگر آپ چاہیں تو میرے اوپر رحم کردیں، اگر آپ چاہیں تو مجھے روزی عنایت فرمادیں۔ اور اپنے سوال وطلب کو قوت وعزیمت دے (یعنی

مشیت پر موقوف کر کے سوال نہ کرے) بیشک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اس پر کسی کا زور نہیں چلتا (یعنی اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا)۔ [صحیح بخاری]

(۲) آدابِ دعا میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ داعی پورے حضورِ قلب کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرے، غفلت اور انتشارِ قلبی کے ساتھ نہ کرے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

«ادْعُوا اللهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ». [سنن الترمذي]

"تم اللہ کو اس حال میں پکارو کہ تمھیں قبولیت کا پورا یقین ہو، اور یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور لاپرواہ دل کی دعا قبول نہیں فرماتے"۔ [ترمذی]

(۳) دعا کرنے والے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں وابستہ رہے، ایسا نہ ہو کہ تنگی کے دنوں میں تو اللہ کو پکارے اور خوش حالی میں بھول جائے، مشکل حالات میں اللہ کی طرف متوجہ ہو اور بہتر حالات میں نظریں پھیر لے؛ بلکہ غمی اور خوشی، تنگی اور فراخی، فقیری اور مال داری اور مصیبت وراحت؛ ہر حال میں دعا کرتا رہے۔ حدیث پاک میں ہے:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْكَرْبِ، فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ». [صحيح مسلم]

"جو شخص یہ چاہتا ہو کہ مصائب وآلام کے وقت اللہ اس کی دعائیں قبول کرے تو اسے چاہیے کہ خوش حالی کے وقت بھی کثرت سے دعا کیا کرے"۔

[مسلم شریف]

(۴) دعاء کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ آواز دھیمی ہو، عاجزی وانکساری ظاہر ہو، اور اللہ کی حمد وثنا اور رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام سے شروع کرے اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ اور اس کی اعلیٰ صفات کے وسیلے سے دعا مانگے۔

قبولیتِ دعا کے مخصوص اوقات

ویسے تو دعا کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہے، جس وقت بندے کا دل چاہے، اللہ سے دعا کرے؛ لیکن کچھ اوقات اور حالات ایسے ہیں جن میں دعا کرنا مستحب ہے، کیونکہ احادیثِ شریفہ میں خصوصیت کے ساتھ ان میں قبولیتِ دعا کا ذکر ہے۔ مثال کے طور پر آدھی رات، یا رات کے آخری پہر میں دعا کرنا، فرض نمازوں کے بعد، اذان اور اقامت کے درمیان، سجدے کی حالت میں، کیوں کہ انسان سجدے کی حالت میں اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے، جمعہ کے دن اس ساعت میں دعا کرے، جس کا احادیث میں ذکر ہے کہ مسلمان بندہ جب اس وقت دعا کرتا ہے تو ضرور قبول ہوتی ہے، اس ساعتِ قبولیت کے سلسلے میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ امام جب خطبہ کے لیے منبر پر آجائے اس وقت سے نماز کے آخر تک —— دوسرا قول یہ ہے کہ دن کے آخری حصہ میں مغرب سے پہلے تک۔

وہ حالات جن میں دعا کی قبولیت زیادہ متوقع ہوتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ روزے کی حالت میں ہو، دوسرے یہ کہ سفر کی حالت میں ہو، تیسرے والدین کی دعا اپنی اولاد کے لیے، چوتھے مسلمان بھائی کی دعا اپنے بھائی کے لیے غائبانہ طور پر، وغیرہ۔

کیا ہر دعا قبول ہوتی ہے؟

دعاء سے متعلق ایک امر کی وضاحت نہایت ضروری ہے، وہ یہ کہ جب کوئی مسلمان قبولیتِ دعا کی تمام شرائط کے ساتھ دعا کرتا ہے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے؛ البتہ قبولیت کے انداز مختلف ہوتے ہیں، یا تو عین وہی چیز مل جاتی ہے جو مطلوب ہوتی ہے، یا اس کے عوض میں دوسری چیز مل جاتی ہے، یا آخرت میں اس کا اجر ملتا ہے، یا کوئی مصیبت دور کی جاتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَا عَلَى الْأَرْضِ مُسْلِمٌ يَدْعُو اللهَ بِدَعْوَةٍ، إِلَّا آتَاهُ اللهُ إِيَّاهَا، أَوْ صَرَفَ عَنْهُ مِنْ السُّوءِ مِثْلَهَا». [سنن الترمذی]

”روئے زمین کے اوپر جو مسلمان بھی کوئی دعا کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے (اس کی مطلوبہ چیز) ضرور عنایت کرتا ہے، یا اسی طرح کا کوئی شر اس سے دور کر دیتا ہے“۔ [ترمذی شریف]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

«مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ، إِلَّا أَعْطَاهُ اللهُ بِهَا إِحْدَى ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ، وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ، وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنْ السُّوءِ مِثْلَهَا». [رواه أحمد وصححه الحاكم]

”کوئی بھی مسلمان ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ کوئی گناہ ہو اور نہ قطعِ رحمی

ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے تین چیزوں میں سے کوئی ایک ضرور دے دیتا ہے: یا تو جس چیز کی دعا کی ہے وہی فوراً دے دیتا ہے، یا اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ بنا دیتا ہے، یا پھر اسی کے مثل شر سے اسے محفوظ کر دیتا ہے"۔[احمد]

دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

احادیث میں واضح طور پر ایسی چیزوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو دعا کی قبولیت میں مانع ہوتی ہیں، ہر چند کہ بندہ گریہ وزاری کے ساتھ کثرت سے دعا میں مشغول رہتا ہو؛ لیکن ان موانع سے اگر پرہیز نہ کرے تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ دعا کرنے والا جلد بازی سے کام لے، یعنی دعا کرتے ہی فوراً مطلوبہ چیز کے حاصل ہونے پر اصرار کرے اور نہ ملے تو مایوس ہو کر دعا چھوڑ دے ـــــ دوسرے یہ کہ دعا میں ایسی چیز طلب کرے جس میں کوئی گناہ یا معصیت کی شمولیت ہو ـــــ تیسرے یہ کہ قطع رحمی کی دعا کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لَا يَزَالُ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الِاسْتِعْجَالُ؟ قَالَ: يَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ أَرَ يَسْتَجِيبُ لِي، فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَلِكَ، وَيَدَعُ الدُّعَاءَ». [صحيح مسلم]

"بندہ اگر گناہ یا قطعِ رحمی کی دعا نہ کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی رہتی ہے بشرطے کہ "استعجال" نہ کرے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! استعجال کیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہے کہ میں نے تو بار بار دعا کی؛ لیکن دعا کی قبولیت نہیں دیکھی، پھر وہ مایوس ہو کر دعا کرنا ہی چھوڑ دیتا ہے"۔[مسلم شریف]

دعا کی قبولیت میں ایک بڑا مانع لقمۂ حرام ہے، مالِ حرام کی مختلف قسمیں ہیں، جن سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے انسان دعا کی قبولیت سے محروم رہتا ہے، خواہ وہ سود ہو، رشوت ہو، چوری ہو، مالِ یتیم ہو، دوسروں کے حقوق مار کر ہو، لوگوں کے مال پر ناجائز قبضہ ہو، دوسروں کی جائیداد غصب کی گئی ہو، یا امانت میں خیانت کی گئی ہو۔ یہ اور اس طرح کے مال حرام کی جتنی صورتیں بنتی ہیں، ان سب سے بچنا واجب ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے:

«... ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَا رَبِّ يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ». [صحيح مسلم]

"... پھر رسول کریم ﷺ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو لمبے سفر پر ہے، بکھرے بال، پراگندہ حال، اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے: یارب، یارب! حالاں کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور اسے غذا پہنچائی گئی حرام سے، تو پھر اس کی دعا کیسے قبول ہو گی؟"۔[مسلم شریف]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنے سے بھی دعا قبول نہیں ہوتی، حالاں کہ بہت سارے دعائیں کرنے والے اس کی طرف توجہ نہیں دیتے، اس اہم ذمہ داری سے غافل ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنْ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ». [سنن الترمذی]

''اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، تمھیں بھلائیوں کا حکم کرنا ہو گا، اور برائیوں سے روکنا ہو گا، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمھارے اوپر اپنی طرف سے عذاب نازل فرمائیں گے، پھر تم اس سے دعائیں کروگے تو تمھاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی''۔[ترمذی شریف]

بہ ہر حال، دعا ایک اہم عبادت ہے، اس کی شرائط پوری کرکے اللہ کی بارگاہ میں بندہ عاجزی کے ساتھ جب دست بدعا ہوتا ہے تو اللہ نوازتا ہے، اس کی وجہ سے شرح صدر، سکینتِ نفس اور اطمینانِ قلب اور صبر ورضا کی عظیم نعمت سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے۔

❊ ❊ ❊

۱۴۴۱/۵/۱۲ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

قرآنِ کریم کا حیرت انگیز اثر
اور چند صحابۂ کرام کے قصے

قرآنِ کریم کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ بیشتر لوگوں کے مشرف باسلام ہونے کا سبب یہی قرآن بنا، کیونکہ کلامِ الٰہی کی ہیبت و وقار، اندازِ بیان کی حلاوت، توحید و رسالت اور احکام و قصص کی واضح آیات اور فن معانی، بیان اور بلاغت کے حسن و جمال کا سامعین و قارئین کے دلوں پر اثر انداز ہونا ایک قدرتی بات ہے۔

اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے جب پہلا دعوتی وفد مدینہ منورہ روانہ فرمایا جس میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بحیثیت داعی اور مبلغ کے بھیجا تھا، جو لوگوں کو اپنی نرم و حسین آواز اور دلوں کو موہ لینے والے پیارے انداز میں قرآنِ عظیم کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور اس کے ذریعہ سخت دلوں کو نرم کرتے، بند دلوں کے تالے کھولتے اور خوابیدہ جذبات واحساسات کو بیدار کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جب بھی کسی مجلس میں قرآنی آیات کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت فرماتے، اس کے اختتام پر خاصے لوگ اسلام قبول کرتے اور اہل ایمان کے مبارک گروہ سے وابستہ ہو جاتے۔

حضرت اُسَید بن الحُضَیرؓ کا دلچسپ واقعہ

حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ منورہ کے قبیلۂ خزرج کے ایک سردار ''اَسعد بن زُرارہ'' کی ضیافت میں تھے، ایک روز حضرت مصعب نے بنوعبد الاَشْہل کے ایک باغ میں چند لوگوں کو جمع کیا تھا، انھیں دعوت دے رہے تھے، جسے پورے دھیان سے وہ سن رہے تھے اور ان کے خوب صورت اسلوبِ بیان سے متأثر ہو رہے تھے، اسی اَثنا میں کسی نے قبیلہ اَوس کے دو سرداروں: اُسَید بن الحُضَیر اور سَعد بن مُعاذ کو خبر کر دی کہ وہ ''مکی مبلغ'' ان کے قریب پہنچ چکا ہے اور اسے یہ جرأت اس لیے ہوئی ہے کہ اسعد بن زُرارہ نے اسے اپنی ضیافت وپناہ میں لے لیا ہے۔

چناں چہ سعد بن معاذ نے اُسید بن الحُضیر سے کہا: تیرا بھلا ہو، یہ مکی جوان جو بیچارے کمزوروں کو ورغلانے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے کے لیے ہم تک پہنچ چکا ہے اس کے پاس جاؤ اور اسے بتادو کہ آج کے بعد ہمارے علاقے میں قدم نہ رکھے۔ پھر کہا: اگر وہ میرے خالہ زاد بھائی اسعد بن زُرارہ کی میزبانی اور حمایت میں نہ ہوتا تو تمھیں اس کی زحمت نہ دیتا؛ بل کہ میں خود ہی اس سے نمٹ لیتا۔

اُسَید نے اپنا نیزہ لیا اور باغ کی طرف چل پڑے، جب دور سے حضرت اسعد بن زُرارہ نے انھیں دیکھا تو حضرت مصعب سے کہا، دیکھو یہ اپنی قوم کا سردار، بڑا عقلمند اور باکمال آدمی اُسید بن الحُضیر آرہا ہے۔ اگر یہ مسلمان ہو گیا تو اس کے پیچھے بڑی تعداد میں لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے؛ لہٰذا صدق واخلاص کے ساتھ اس پر خصوصی توجہ دینا۔

اُسَید مجمع کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور حضرت مصعب اور ان کے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"تم ہمارے علاقے میں آکر ہمارے کم زوروں کو کیوں ورغلا رہے ہو؟ فوراً یہ محلہ چھوڑ کر ہم سے دور چلے جاؤ"۔

حضرت مصعب اپنے نورانی روشن چہرے کے ساتھ اسید کی طرف متوجہ ہوے اور اپنے سچے دل رُبا لہجے میں ان سے یوں مخاطب ہوے:

"اے قوم کے سردار! کیا اس سے اچھی بات عرض کروں؟ کہا: وہ کیا ہے؟ تو حضرت مصعب نے فرمایا: آپ ہمارے پاس تشریف رکھیں اور ہماری باتیں سن لیں، اگر ہماری باتیں پسند آئیں تو قبول کر لیں اور اگر پسند نہ آئیں تو ہمارا وعدہ ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور دوبارہ واپس نہیں آئیں گے"۔

یہ سن کر اسید نے کہا:

"تم نے انصاف کی بات کہی"۔ پھر نیزہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گئے۔

حضرت مصعب نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآنِ کریم کی چند آیات کی تلاوت کی۔ یہ سب سنتے ہی اُسید کے چہرے کی لکیروں میں انبساط آگیا اور چہرہ کھل گیا، پھر کہا:

"کس قدر حُسن ہے تمھاری باتوں میں اور کتنی عظمت و حلاوت ہے تمھاری تلاوت میں، یہ بتاؤ کہ اگر کوئی اسلام میں داخل ہونا چاہے تو اسے کیا کرنا ہو گا؟"۔

حضرت مصعب نے فرمایا:

"غسل کر لو، اپنے کپڑے پاک کر لو اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی

دو اور دو رکعت نماز پڑھ لو"۔

چناں چہ وہ کنویں کے پاس گئے، اس کے پانی سے پاکی حاصل کر کے آئے اور کہا: "أشہد أن لا إلہ إلا اللہ وأشہد أن محمد ارسول اللہ"، پھر دو رکعت نماز پڑھ کر اسی دن سے اس مبارک جماعت سے وابستہ ہو گئے۔

حضرت اُسید بن الحُضیرؓ عرب کے باوقار شہسواروں میں تھے اور قبیلۂ اَوْس کے چند سرداروں میں سے ایک تھے؛ انہی کے ذریعہ حضرت سعد بن معاذ بھی اسلام میں داخل ہو گئے اور ان دونوں حضرات کے ذریعہ اللہ نے قبیلۂ اَوس کے جمّ غفیر کو اسلام کی دولت سے نوازا، پھر یہ کارواں بڑھتا گیا اور وہ وقت آیا کہ اللہ نے مدینے کو اپنے رسولؐ کی ہجرت گاہ بنایا؛ بل کہ اسلام کی عظیم سلطنت کے قیام کی آماجگاہ بنایا۔

حضرت اُسَید بن الحُضیرؓ کا قرآنِ کریم سے والہانہ شغف

حضرت اُسیدؓ جس روز مسلمان ہوے اس روز سے ہی کتاب اللہ سے انہیں والہانہ اور عاشقانہ تعلق ہو گیا، پھر کیا تھا؟ اکثر انہیں دو میں سے ایک حالت میں لوگ دیکھتے تھے: یا تو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوے یا کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوے۔

جمالِ صورت اور حسنِ اَدا دونوں صفتوں سے اللہ نے انہیں نوازا تھا، رات کے سناٹے میں جب لوگ سو رہے ہوتے، اس وقت تلاوت کرنے میں انہیں زیادہ لطف آتا تھا۔

حضراتِ صحابۂ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ وہ ان کی تلاوت کے اوقات کی تاک میں لگے

رہتے تھے، ان کی تلاوت سننے کے لیے ہر ایک دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا۔

ایک رات کا واقعہ

ایک شب حضرت اُسَیدؓ اپنے اصطبل میں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے صاحبزادے یحییٰ ان کے قریب ہی سو رہے تھے، ان کا وہ گھوڑا بھی قریب میں ہی بندھا ہوا تھا جسے انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار کر رکھا تھا، رات کا سناٹا، اس کا سکون، اس کی تاریکی نے ان کے اندر کے جذبات کو برانگیختہ کیا کہ اس ساحرانہ فضا کو قرآنِ کریم کی خوشبو سے معطر کریں، چناں چہ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور اپنی پیاری، حزین و حسین آواز میں قرآن کی تلاوت شروع کردی ـــــ سورۂ بقرہ کی تلاوت کرتے ہوئے ''الم، ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ سے وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ'' تک پہنچے تھے کہ اپنے گھوڑے کے بدکنے اور پھر چوکڑیاں بھرنے کی آواز سنی، ایسا لگا کہ اس کی رسی ٹوٹ جائے گی، چناں چہ وہ خاموش ہوگئے، جب خاموش ہوئے تو گھوڑا بھی تھم گیا ـــــ پھر پڑھنا شروع کیا: ''أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ ...'' تو دوبارہ مزید شدت کے ساتھ گھوڑا بدکنے لگا، پھر جب خاموش ہوئے تو وہ بھی رک گیا، بار بار ایسا ہی ہوا، اب انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے بیٹے یحییٰ کو وہ گھوڑا رَوند ڈالے، اس لیے اسے بیدار کرنے کے لیے گئے، پھر آسمان کی طرف نگاہ ڈالی تو خوب صورت سا بادل سایہ فگن دیکھا، اس جیسا حسین بادل کبھی نہیں دیکھا تھا، ایسا محسوس ہوا جیسے اس میں قمقمے لٹکائے گئے ہیں، جو پورے آسمان کو پُرنور کر رہے ہیں اور یہ اوپر کی طرف چڑھتے گئے یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر رات کا قصہ بیان کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اُسَید! یہ فرشتے تھے جو تمہاری قراءت سننے کے لیے اترے تھے، اگر تم پڑھتے رہ جاتے تو دوسرے لوگ بھی واضح طور پر انھیں دیکھ لیتے''۔

[بخاری شریف]

چوں کہ قرآن کریم ہی حضرت اُسید کی ہدایت کا سبب بنا تھا، ان کے دل کی گہرائیوں تک آیاتِ قرآنیہ کی تاثیر پہنچی تھی، اسی کی وجہ سے اسلام کی عظیم دولت سے مالامال ہوے تھے؛ اس لیے پہلے دن سے ہی قرآن کی تلاوت اور فہم وتدبر سے دل بستگی پیدا ہو گئی۔

عام طور پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا قرآنِ کریم کے ساتھ یہی معاملہ تھا؛ اس کے الفاظ کی تلاوت کرتے، اس کے معانی ومفاہیم میں تدبر کرتے، اس پر عمل کرتے اور اس کی طرف دوسروں کو دعوت دیتے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا قصہ

ان ہی مبارک ہستیوں میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بھی ہیں، جن کی تربیت رسول کریم ﷺ کے گھر میں ہوئی، اس لیے حضور ﷺ کے اخلاق وعادات کو اپنے اندر خوب سمویا، تمام عادات واطوار میں آپ ﷺ کی پیروی اور اتباع کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا، یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ: وہ اخلاق وعادات اور ہیئت ووقار میں رسول کریم ﷺ کے قریب ترین صحابی ہیں۔

چوں کہ ان کی تعلیم وتربیت مدرسۂ رسول اللہ ﷺ میں ہوئی اس لیے ان کا کبارِ قراء، فقہاء اور علما میں سے ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ علم قراءت اور علم فقہ میں جو ان کا مقام ومرتبہ تھا اس کو سمجھنے کے لیے ذیل کے واقعے سے بڑا کیا ثبوت ہو گا؟

عرفات کے میدان میں حضرت عمر بن الخطابؓ کھڑے تھے، ایک شخص ان کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: امیر المؤمنین! میں کوفے سے حاضر ہوا ہوں، وہاں ایک ایسا شخص میں نے دیکھا ہے جو اپنے حافظے پر اعتماد کر کے قرآنِ کریم کا املاء کراتا ہے—— یہ سنتے ہی حضرت عمر اتنے غضب ناک ہوے کہ بہت کم ایسی ناراضگی دیکھی گئی، غصّہ میں بالکل پھول گئے اور کہا: اللہ تیرا بھلا کرے، وہ کون ہے؟ اس نے کہا: عبد اللہ بن مسعود۔ یہ سننا تھا کہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہونے لگا یہاں تک کہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ گئے، پھر فرمایا: اللہ کی قسم، میرے علم میں اب کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جو اس امر کا عبد اللہ بن مسعود سے زیادہ حق رکھتا ہو، اور وہ کیسے ہے؟ یہ سنو!

ایک رات، رسول کریم ﷺ ابو بکرؓ کے وہاں تشریف رکھتے تھے، دونوں حضرات مسلمانوں کے معاملات میں گفتگو فرما رہے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا، پھر حضور ﷺ باہر نکلے تو ہم بھی ساتھ ہو لیے، کیا دیکھتے ہیں کہ مسجد میں ایک شخص کھڑا نماز پڑھ رہا ہے جسے ہم پہچان نہیں سکے، حضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور اس کی قراءت سننے لگے، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَطْبًا كَمَا أُنْزِلَ، فَلْيَقْرَأْهُ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ». [مسند أحمد]

ترجمہ: ”جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قرآن کریم ویسے ہی تر وتازہ پڑھے جیسے

نازل ہوا تو اُمّ عبد کے بیٹے (عبد اللہ بن مسعود) کی قراءت کی طرح قراءت کرے"۔ [مسند احمد]

پھر عبد اللہ بن مسعود بیٹھ کر دعا کرنے لگے، تو رسول کریم ﷺ فرمانے لگے:

«سَلْ تُعْطَهْ، سَلْ تُعْطَهْ...» "مانگو، ملے گا، مانگو ملے گا"۔

حضرت عمر کہتے ہیں:

"میں نے اپنے دل ہی دل میں کہا کہ بخدا علی الصباح عبد اللہ بن مسعود کے پاس جاکر اسے رسول اکرم ﷺ کی دعا اور آمین کی بشارت سناؤں گا، چناں چہ سویرے جاکر اسے بشارت دی تو پتہ چلا کہ مجھ سے پہلے ابو بکرؓ بشارت دے چکے ہیں۔ بخدا جب بھی کسی خیر کے کام میں ابو بکر سے آگے بڑھنے کی میں نے کوشش کی تو انہی کو آگے پایا"۔[مسند احمد]

رضی اللہ عنہم وأرضاہم أجمعین۔

❊ ❊ ❊

۴/ محرم ۱۴۲۷ھ
۳/ فروری ۲۰۰۷ء

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ اور ڈینمارک میں گستاخانہ کارٹون نشر کرنے کی مذمت

صحابۂ کرامؓ کی محبت سید الانامؐ سے

حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے دریافت کیا گیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو کس درجہ محبت تھی؟ فرمایا:

"اللہ کی قسم وہ ہمارے نزدیک ہمارے مال، اولاد، ماں باپ اور پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے"۔ [الشفاء للقاضی عیاض]

ابوسفیان بن حرب نے (اپنے شرک کی حالت میں) حضرت زید بن الدَّثِنَۃ سے سوال کیا (جس وقت اہل مکہ کے پاس وہ قیدی تھے اور انھوں نے حدودِ حرم سے باہر نکالا تاکہ انھیں قتل کر دیں): زید! میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ اس وقت تمھاری جگہ محمد ہوں اور ہم ان کی گردن اتار دیں اور تم بعافیت اپنے گھر والوں کے درمیان ہو؟ حضرت زیدؓ نے جواب دیا:

"بخدا مجھے تو یہ بھی گوارہ نہیں کہ حضرت محمد ﷺ جس جگہ ہیں انھیں ایک کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر والوں کے پاس بیٹھا رہوں"۔

تب ابوسفیان نے کہا تھا:

"میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے ہوے نہیں دیکھا جتنی محمد کے ساتھی ان سے محبت کرتے ہیں"۔ [البدایہ والنہایہ]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

"جنگ اُحد کے دن مدینہ والوں کے پاؤں اکھڑ گئے، کہنے لگے: محمدؐ قتل کر دیے گئے، یہاں تک کہ مدینہ کے اطراف میں کہرام مچ گیا، پھر انصار کی ایک خاتون کمربستہ ہو کر نکلیں، انھیں ان کے باپ، بیٹے، شوہر اور بھائی کی شہادت کی خبر دی گئی، جب وہ مقتولین کے پاس سے گزریں تو پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ تمھارے والد ہیں، یہ بھائی ہیں، یہ شوہر ہیں اور یہ رہے تمہارے بیٹے، ان پر نظر ڈالنے کے بعد اس کی زبان سے جو پہلا جملہ نکلا وہ یہ تھا: "مَافَعَلَ رَسُوْلُ اللہِ؟" یعنی رسول اللہ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ رہے تمھارے سامنے رسول اللہ، وہ لپک کے آپ کی طرف گئیں، آپ کے کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ کر کہا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جب آپ ہلاکت سے بچ گئے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں"۔

ایک دوسری روایت میں ہے، انھوں نے کہا:

"یارسول اللہ! آپ کو دیکھ لینے کے بعد ہر مصیبت آسان ہے"۔

[رواہ الطبرانی فی الأوسط، وھو فی مجمع الزوائد للھیثمی- البدایۃ والنھایۃ]

یہ ہے وہ رتبہ رحمت دوعالم نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کا، ان کے پیروکاروں کے دل میں اور اس طرح سے مسلمان ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

محسنِ انسانیت، برگزیدہ نبی ﷺ

خدائے پاک نے اپنے پیارے نبی خاتم النّبیینؐ کے لیے ''محمد'' کا نام منتخب فرمایا جو مدح وثنا، پر مشتمل ہے، کیوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، فرشتوں اور تمام انبیائے کرام کے نزدیک ''محمود'' اور قابل مدح وستایش ہیں، اور کیوں نہ ہوں، آپ کی جتنی صفات ہیں وہ تمام کی تمام قابل ستایش ہیں، جن کا ہر ذی شعور معترف ہے: اولادِ آدمؑ کے سردار آپ ہیں، سب سے پہلے جس کی قبر مبارک کھولی جائے گی وہ ہستی آپ کی ہے، سب سے پہلے اللہ کے یہاں شافع آپ ہیں اور جس کی سفارش وشفاعت قبول کی جائے گی وہ بھی آپ ہی ہیں۔

شرک وجہالت اور خرافات کی تاریکیوں میں بھٹکتی انسانیت کی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ دادرسی فرمائی، چناں چہ آپ کے ذریعہ تاریکی چھٹ گئی، مصیبت وبلائیں دور ہوئیں، امت کی اصلاح ہوئی، پھر بنی آدم کے اولین و آخرین کی امامت وسعادت کا سہرا آپ ہی کے سر بندھا، آپ ﷺ نے بھٹکتی انسانیت کو راستہ دکھایا، جاہلوں کو علم سے روشناس کیا، رشد وہدایت کے نابیناؤں کی آنکھیں کھولیں، بہروں کے کان اور بند دلوں کے تالے کھولے، عرب کے صحرانشینوں کو ذلت کی پستی سے نکال کر عزت کی چوٹی پر پہنچایا، اور تنگ دستی سے نکال کر انھیں تونگری کا راز سکھایا۔

لوگوں کو ان کے پروردگار اور معبود سے بھرپور متعارف کرایا، اس تک پہنچنے، اس کی خوش نودی حاصل کرنے اور اس کی بنائی ہوئی جنت کا مستحق بننے کے اصول بتائے، کوئی بھلائی ایسی نہیں جس کا حکم نہ دیا ہو، اور کوئی برائی ایسی نہیں جس سے منع نہ کیا ہو۔ فجزاہ اللہ عنا خیر ما جزی نبیا عن امتہ۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا، فروغِ وادیٔ سینا

اے رسولِ امیں، تجھ سا کوئی نہیں

آپ ﷺ تعریف وتوصیف کے مستحق اس وجہ سے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن اخلاقِ کریمانہ اورادائے دلبرانہ سے نوازا تھا اس کی کوئی نظیر نہیں، جو شخص بھی آپ ﷺ کے اخلاق وکردار سے باخبر ہوگا وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ کائنات میں اس سے بہتر اخلاق اوراس سے اعلیٰ اطوار وعادات کا حامل اللہ کی مخلوقات میں کوئی نہیں: سب سے زیادہ امانت دار، وفاشعار، راست گو، متحمل مزاج، سخی اور درگزر کرنے والے تھے، گستاخوں کی گستاخی اور نادانوں کی حماقت آپ کے حلم وبردباری میں مزید اضافہ ہی کرتی تھی۔

آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ رحم دل، نرم خو، مہربان اور ان کے دین ودنیا کے سلسلے میں نفع رساں تھے، صبر کے مقامات میں سب سے زیادہ صابر، دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم، عہد وپیمان کے پورا کرنے والے، انتہائی متواضع اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دینے والے تھے ـــــ زبان کی فصاحت ایسی تھی کہ کبارِ

شعراء وادباء آپ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوے، ڈھیر سارے معانی ومفاہیم کو مختصر الفاظ میں اس طرح بیان فرماتے کہ معانی اور مراد کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

ساری انسانیت کے معلّم –فداہ أبي وأمي وصلوات اللہ وسلامہ علیہ– اللہ نے آپؐ کے تذکرے اور شان کو بلند کیا، دنیا کے مشرق ومغرب، شمال وجنوب میں ہر وقت مؤذنین اپنی زبانوں سے آپؐ کا اسمِ گرامی بلند کر رہے ہوتے ہیں "أشهد أن محمدا رسول الله" کی صدائے دل بہار لگا رہے ہوتے ہیں۔ اللہ نے آپ کی شانِ مبارک اور ذکرِ خیر کو عام وتام اور بلند وبالا کر کے فرمایا: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤﴾

[الشرح: ٤]

لہٰذا جس عظیم ہستی کی شانِ کریمی کو ساتوں آسمانوں کے اوپر سے رب العالمین بیان کر رہے ہوں، کس کی مجال ہے کہ ان کی قدر ومنزلت اور ان کی عظمتِ شان کو کوئی نقصان پہنچا سکے، اور جو شخص اس طرح کی ناپاک اور مذموم کوشش کرے گا وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی عربی شاعر نے کہا ہے:

كناطِحِ صَخْرَةٍ يوماً لِيُوهِنَهَا
فلَمْ يَضُرْها، وأَوْهَى قَرْنَهُ الوَعْلُ

جیسے کسی پتھر کی چٹان کو توڑنے کے لیے اس پر سر مارنے والا بکرا (ظاہر ہے کہ) وہ چٹان کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، البتہ اپنا ہی سینگ توڑ بیٹھے گا۔

گستاخانِ مصطفیٰ ﷺ سے خطاب

ہم ان احمقوں اور حاسدوں سے مطالبہ کرتے ہیں جنھوں نے اپنے ناپاک دست و قلم کے ذریعہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی عزت وآبرو پر حملہ کیا ہے: وہ اپنی گھٹیا حرکتوں سے باز آجائیں، توبہ کرلیں اور رشد وہدایت کی طرف لوٹ آئیں، ورنہ آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے دنیا کے چھوٹے عذاب وسزا کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہیں۔

یہ ندا ہے ساری دنیا کے انسانوں کے لیے کہ وہ اس معصوم، رحیم وکریم اور ستودہ صفات نبی اعظم کی سیرت وتاریخ کا مطالعہ کریں، جس نے اپنی ذات کے لیے کسی بشر سے کوئی انتقام نہیں لیا۔

ذرا غور کریں! ایک شخص اپنے ہم وطنوں کو سچائی، امانت داری، عفت وپاک دامنی اور آپس میں پیار ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے، جس کے نتیجے میں لوگ اسے اذیتیں پہنچاتے ہیں، سبّ وشتم کرتے ہیں، اس کو قتل کی دھمکی دیتے ہیں اور اسے بدترین اوصاف سے موصوف کرتے ہیں، یہاں تک کہ اسے اپنے وطنِ عزیز سے نکلنے پر مجبور کردیتے ہیں، چناں چہ وہ دوسرے شہر (مدینہ منورہ) میں جاکر پناہ لیتا ہے؛ لیکن وہ وہاں بھی اسے چین کی سانس نہیں لینے دیتے، وہاں پہنچ کر اس سے اور اس کے ساتھیوں (صحابۂ کرامؓ) سے جنگ وجدال کرتے ہیں، ان کا جینا مشکل کرتے ہیں، دوسرے قبائل کو بھی اس کے خلاف ابھارتے اور بھڑکاتے اور اس کے خلاف برسرِپیکار کرتے ہیں۔ اس طرح دن گذرتے جاتے ہیں، پھر وہ وقت آتا ہے

جب وہ پرانے وطن عزیز (مکہ مکرمہ) میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فاتحانہ داخل ہوتا ہے اور اس کے تمام دشمن اس کے سامنے خوف زدہ، دہشت خوردہ، تھر تھراتے ہوئے اور کپکپاتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، آپ خود ہی بتائیں، ایسے وقت میں آپ کے خیال میں وہ اپنے ان خوں خوار، جان کے دشمن لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا، کیا اسے یہ حق نہیں ہے کہ ان سب کو ایک صف میں کھڑا کر کے سب کی گردنیں اتروادے، جب کہ انھوں نے اس کے عزیز ترین رشتہ داروں کو شہید کر کے سینے سے کلیجہ نکال کر چبایا تھا، اور ظلم و ستم کی بدترین داستان رقم کی تھی؛ لیکن نہیں، وہ نبئ رحمت تھے، ''وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا'' نبی، جس کے بارے میں خود رب کائنات نے فرمایا کہ: ''آپ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر ہم نے بھیجا ہے''۔

فاتحانہ داخل ہو رہے، لیکن متواضعانہ، اپنے رب کے لیے تواضع کی حد یہ تھی کہ داڑھی مبارک سواری کے کجاوے کی لکڑی سے لگنے کے قریب تھی یعنی اکڑتے ہوئے، اتراتے ہوئے اور کبر و غرور کے ساتھ داخل نہیں ہوئے۔ پھر کیا تھا؟ قریش کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے قریش کی جماعت! تمہارا میرے بارے میں کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیسا معاملہ کروں گا''؟

جواب دیا:

''اچھا ہی خیال ہے، مہربان و کرم نواز بھائی ہیں آپ اور کرم نواز کے فرزند بھی ہیں''۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاء» "جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو"۔

اللہ اکبر، پوری طرح ان سے انتقام لینے پر قادر ہونے کے بعد سب کو معاف کر کے ساری دنیا کے لیے اور ہمیشہ کے لیے عفو و درگزر کی مثال قائم کر دی۔

آپ ﷺ کے رحم و کرم کا معاملہ حیوانات کے ساتھ

نبی رحمتؐ کی شانِ رحیمی کا تعلق صرف انسانوں سے ہی نہیں تھا؛ بل کہ انسانوں سے تجاوز کر کے خاموش اور گونگے حیوانات پر بھی اس رحمت کی بارش ہوئی، چناں چہ ایک مرتبہ آپ ﷺ ایک انصاری صحابی کے باغ میں داخل ہوے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اونٹ ہے جو آپ کو دیکھ کر رونے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آپ ﷺ اس کے قریب گئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کس کا اونٹ ہے؟ چناں چہ ایک جوان انصاری صحابی آئے اور کہا: یارسول اللہ! میرا اونٹ ہے، آپ نے ان سے فرمایا:

> "کیا تم اس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس کا مالک تمھیں بنایا ہے؟ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور کام زیادہ لیتے ہو"۔[ابو داؤد]

یہ ہیں ہمارے نبی رحمت، نبی ہدایت، نبی انسانیت جن کی محبت پر ہمیں بہ جا طور پر فخر ہے؛ کیوں کہ ان کی ذات سے ہماری عزت و آبرو، ناموس و وقار اور دارین کی سعادت و سُرخ روئی وابستہ ہے۔ آپ ﷺ کی عزت و ناموس کے ساتھ کسی طرح کا کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا؛ لہٰذا ہر مسلمان سے بلا استثناء یہ مطالبہ ہے، جس کے دل

میں نبی پاکؐ کی عظمت و محبت ہے وہ اس قضیہ کے لیے (ڈینمارک کے ایک اخبار کے خلاف جس نے حضورؐ کی شان میں گستاخانہ کارٹون نشر کیے ہیں) جو ہو سکے وہ کرے۔

اس حادثہ کا خوش آیند پہلو

اس منحوس قضیہ کا ایک مثبت پہلو بھی ہے جو ابھر کر سامنے آیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَعَسَىٰٓ أَن تَكۡرَهُواْ شَيۡـٔٗا وَيَجۡعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيۡرٗا كَثِيرٗا ١٩ ﴾ [النساء: ١٩]

ترجمہ: ”تو بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بُرا جانو، اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ساری بھلائی پیدا کر دے“۔ [النساء:١٩]

اس قضیے کے منظر عام پر آنے کے بعد بڑی تعداد میں لوگوں نے سیرتِ پاک کا مطالعہ شروع کر دیا، رسول کریم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ پر مطلع ہوے، وہ اخلاق وعادات جو تر و تازہ ہونے کے ساتھ اس طرح عطر بیز ہیں جیسے مشک و گلاب میں دھلے ہوے ہوں۔

باخبر ذرائع سے مجھ تک یہ بات پہنچی ہے جس کی بشارت دیتے ہوے مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ گستاخانہ کارٹون نشر کرنے والے ملک کے ہی متعدد لوگ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کر کے مشرف باسلام ہوے ہیں۔

وإذا أراد اللهُ نَشْرَ فَضيلةٍ
طُوِيَتْ أتاحَ لها لِسانَ حَسُودِ

ترجمہ: ”جب کسی پوشیدہ فضیلت و بھلائی کو اللہ تعالیٰ منظر عام پر لانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے حاسدوں کی زبان کو مسخر کر کے انھیں موقع فراہم کر دیتے ہیں“۔

چناں چہ لوگوں کو اس عظیم دین اسلام کی معرفت حاصل ہوئی جو تمام نبیوں اور رسولوں کی نہ صرف عزت و تکریم کا حکم دیتا ہے؛ بل کہ ان پر ایمان لانے کو واجب وضروری قرار دیتا ہے، اس وجہ سے مختلف ممالک میں یہود ونصاریٰ نے مسلمانوں کے خون سے ہولیاں کھیلی ہیں؛ لیکن کسی مسلمان نے نہ موسیٰ کی شان میں گستاخی کی نہ عیسیٰ کی شان میں علیہما السلام۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس دین کی حفاظت فرمائے، اپنا کلمہ بلند فرمائے اور منکرین و دشمنانِ اسلام کے علی الرغم اس دین کو تمام ادیان پر غالب فرمائے۔

❊ ❊ ❊

۲/ ۶/ ۱۴۳۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سیدنا ابو بکر الصدیق رضیَ اللہ عنہُ

تمہید

اسلام اپنی صحیح شکل میں جو ہم تک پہنچا ہے، وہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاکباز اور مبارک صحابۂ کرامؓ کے واسطے سے پہنچا ہے، قرآنِ کریم بغیر کسی تحریف و تبدیل اور سنت مطہرہ بغیر کم وکاست کے اگر ہم اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں تو ان ہی نیکوکار، متقی و پرہیز گار اور منتخباتِ روز گار ہستیوں کی صداقت وامانت داری کا نتیجہ ہے، جن کے دلوں کو اللہ نے پاکیزہ وروشن کیا تھا، ان پر سکینت نازل فرمائی تھی، کلمۂ حق کو ان کا ہم دم وہم سفر بنادیا تھا، جس کے وہ بجاطور پر مستحق تھے، جنھوں نے آخرت کو دنیا پر، دیر سے ملنے والی راحت کو جلدی ملنے والی راحت پر، غیب کو شہود پر اور رشد وہدایت کو مال ودولت پر ترجیح دیا تھا، جن کی مقدس جماعت کو اللہ تعالیٰ نے اشرف الخلق سید الاولین والآخرین کی صحبت ورفاقت کے لیے چُن لیا تھا، جن کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضاجوئی اور لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر بندوں کے پروردگار کی عبادت کا خوگر بنانا، مذاہب کے ظلم وستم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف سے

روشناس کرانا، دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعتیں عطا کرنا اور اس فانی زندگی کے عارضی زیب وزینت سے توجہ ہٹا کر اللہ رب العزت کی ملاقات اور جنت کا شوق پیدا کرنا تھا۔ صداقت وامانت، اخلاص وللّٰہیت، محبت ووفاداری، پاکبازی وتقویٰ شعاری اور جہاد وقربانی وجاں نثاری کے باب میں تمام انبیائے کرامؑ کی امتوں پر فائق، یہ ایسا جاں باز گروہ ہے جس کی نظیر تاریخ انسانی پیش کرنے سے عاجز ہے۔

لہٰذا ان حضرات کے سلسلے میں کسی طرح کا شک وشبہہ پیدا کرنا گویا کہ پوری امتِ مسلمہ کے ثابت شدہ عقائد میں شک وشبہہ پیدا کرنا ہے؛ بل کہ اسلام کے قلعے کو منہدم کرنا اور اس کے دینی اور تمدنی میراث پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔

لہٰذا جو شخص صحابۂ کرام پر طعن وتشنیع کرے، ان کی عزت وآبرو پر حملہ کرے، یا انہیں سبّ وشتم کرے یا ان کی تکفیر کرے، اسے ہم اللہ اور اس کے رسول کا اور ساری امتِ مسلمہ کا دشمن سمجھتے ہیں؛ کیوں کہ وہ اس ناپاک حرکت کی وجہ سے اسلام کی بنیاد کو ہی منہدم کر رہا ہے، اور اس کے آفاقی پیغام کے مصادر اور سرچشموں پر ہی شب خوں مار رہا ہے۔

اس لیے ان مقدس ہستیوں کے فضائل ومناقب بیان کرنا اور ان کے روشن کارناموں کا تذکرہ کرنا شرعی فریضہ ہے ـــــ بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ مختلف ذرائع ابلاغ کو استعمال کر کے گم کردۂ راہ، دشمنانِ صحابہ، ان کی تکفیر میں مصروف ہیں ـــ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ سید الاولین والآخرینؐ کے تربیت یافتہ جیالے اور جنت کے مشتاق اور متوالے مرتد نہیں ہوے؛ بل کہ اپنا ایمانی مشن، جد وجہد اور جہاد پورے اخلاص ویقین اور ثبات قدمی کے ساتھ جاری رکھا، یہاں تک کہ اسلام،

کائنات کے چپے چپے میں پھیل گیا۔

خلیفۂ اول

یہاں ان برگزیدہ اور منتخباتِ روزگار ہستیوں کے سرخیل اور افضل ترین ہستی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے، جو مردانِ خدا میں سب سے پہلے ایمان لانے والے، جو سب سے پہلے قرآنِ کریم کو یکجا کرکے اس کا نام "مُصحَف" رکھنے والے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے سب سے پہلے خلیفہ ہیں۔

حضرت سعید بن المسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"صدیق اکبرؓ حضور اکرم ﷺ کے بعد ایمان لانے والے مردوں میں دوسرے فرد، غارِ ثور میں آپؐ کی رفاقت میں رہنے والے، جنگِ بدر کے روز عریش میں آپ ﷺ کے ساتھ دوسرے شخص ابو بکر، مسلمانوں کی امامتِ صغریٰ (نماز کی امامت) کے دوسرے اہل، امامتِ کبریٰ یعنی خلافت کے بھی آپ ﷺ کے بعد دوسرے مستحق؛ بل کہ قبر مبارک میں بھی آپ ﷺ کے ساتھی ابو بکرؓ ہی ہیں؛ مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ سے آگے کسی کو رکھا، نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اس امت کے کسی فرد کو ان سے آگے کیا"۔

حدیث شریف میں ہے:

"جب بھی میں نے کسی کو اسلام کی طرف بلایا اور دعوت دی تو اسے کچھ نہ کچھ توقُّف، یا تردُّد ضرور ہوا، سوائے ابو بکر کے، کہ جب میں نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو نہ انھیں کوئی توقُّف ہوا نہ تردُّد (فوراً قبول کرلیا)۔[البدایہ والنہایہ]

اسراء اور معراج کے موقع پہ جب رسولِ کریم ﷺ نے قریش کو اس معجزاتی سفر کا واقعہ سنایا تو قریش نے تکذیب کی اور ان میں سے ایک شخص حضرت ابو بکرؓ کے پاس گیا، اسے یہ گمان ہوا کہ شاید وہ بھی اس کی تکذیب میں ہم نوا ہو جائیں گے؛ لیکن جب حضرت ابو بکرؓ نے سنا تو کہا:

''کیا رسول اللہ نے یہ بات کہی ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہاں؛ تو فرمایا کہ اگر انہوں نے یہ بات فرمائی ہے تو بالکل سچ ہے، میں تو ان کی آسمانی خبروں کی تصدیق کرتا ہوں۔

یعنی جبریل علیہ السلام جو خبریں ساتوں آسمان کے اوپر سے لے کر ان کے پاس آتے ہیں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ تو کیا اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتا کہ وہ ایک رات میں بیت المقدس تشریف لے گئے اور پھر آسمان پر تشریف لے گئے، پھر واپس بھی ہو گئے؟''۔

کسی مسئلے میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی آپس میں رنجش ہو گئی، پھر دونوں حضرات رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر تمھارے پاس بھیجا تو تم نے کہا: آپ جھوٹے ہیں اور ابو بکر نے کہا: آپ سچے ہیں، اس نے میری غم خواری اور ہم دردی میں اپنی جان اور اپنا مال نچھاور کر دیا، تو کیا تم لوگ میرے دوست کو میرے لیے چھوڑ سکتے ہو؟''۔ [بخاری]

سیدنا ابو بکرؓ اعلیٰ اخلاق و مروءت کے حامل انسان تھے، اسلام لانے سے پہلے بھی اپنے اخلاق و کردار کی حفاظت کرتے اور مشکوک مقامات اور حیاسوز تصرفات سے

بچتے تھے، اسی لیے زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی انہوں نے شراب نہیں پی، کیوں کہ وہ ان جیسے شریف انسان کے وقار کے خلاف تھی، ایک روز ان سے نہ پینے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا:

"میں اپنی حیا، عزت وآبرو اور مروت کی حفاظت کرتا تھا"۔

اس روئے زمین پر اس سے بڑا ظلم کیا ہو گا کہ اس امت کا افضل ترین، رسول کریم ﷺ کا قریب ترین شخص، آپؐ پر سب سے زیادہ جان ومال کی قربانی دینے والا اور آپؐ کا ہم دم وہم سفر شخص مرتد، کافر، غدار اور خیانت کار کہا جائے جیسا کہ عبد اللہ بن سباء کے پیروکار کہتے ہیں۔ -العیاذ باللہ-

حضرت ابو بکرؓ — مرتبہ ومقام

حضور اکرم ﷺ نے منبر پہ خطبہ دیتے ہوے یہ اعلان فرمایا:

"میرے اوپر اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعہ سب سے زیادہ جس نے احسان کیا ہے وہ ابو بکر ہیں، اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو "خلیل" بناتا تو وہ ابو بکر ہی تھے جنھیں بناتا؛ لیکن اسلامی اخوت ومحبت ضرور باقی رہے گی، مسجد میں ابو بکر کے دروازے کے علاوہ کوئی دروازہ باقی نہیں رہے گا"۔ [متفق علیہ]

یہ مرتبہ تھا صدیق اکبرؓ کا رسولِ پاک ﷺ کے نزدیک، چناں چہ آپ ﷺ جب بیمار ہوئے تو انہی کو نماز کی امامت کے لیے آگے کیا، صحابۂ کرامؓ نے اس تقدیم کی وجہ سے ان کے مرتبے کو سمجھ لیا تھا، اسی لیے جب ان کی خلافت کا مسئلہ سامنے آیا تو انھوں نے وہ مشہور جملہ کہا تھا:

«رَضِيَهُ رَسُوْلُ اللهِ لِدِيْنِنَا، أَفَلاَ نَرْضَاهُ لِدُنْيَانَا»

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دینی امور کے لیے ابو بکر پہ رضامند ہوگئے، تو کیا ہم اپنے دنیاوی امور کے لیے ان پہ رضامند نہ ہوں؟“۔

احادیث کی کتابوں میں حضور ﷺ کے متعدد ارشادات ہیں جن سے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کی طرف اشارہ ملتا ہے:

ایک بار ایک صحابیہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کچھ سوال کیا، تو آپ ﷺ نے ابو بکرؓ سے معلوم کرنے کا حکم فرمایا، پھر انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر کبھی میں آؤں اور آپ کو نہ پاسکوں تو کیا کروں (یعنی اگر آپ دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس جانا“۔[مسلم شریف]

صحیح مسلم میں یہ روایت بھی ہے:

”اللہ تعالیٰ اور ایمان والے ابو بکر کے علاوہ ہر ایک کے لیے انکاری ہیں“۔

اسی لیے ان روایات کو سامنے رکھتے ہوے علمائے کرام نے کہا ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت منصوص ہے یعنی نص سے ثابت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس امت میں سب سے برتر اور سب پہ مقدم ہونے کا مستحق حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سوا کوئی ہے بھی نہیں؛ شروع میں حضرت سعید بن المسیب کا قول گزرا کہ کس طرح وہ حضور ﷺ کے بعد بالترتیب جگہ جگہ نظر آتے تھے، حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد پوری زندگی آپ ﷺ کے ساتھ انھوں نے گذاری، تمام غزوات و معاملات میں شریک رہے، سفر و حضر میں کبھی بھی

آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

حضرت ابو بکرؓ کا ایک دن اور ایک رات عمر اور آل عمر سے بہتر

[حضرت عمرؓ]

حضرت عمرؓ کو اپنے عہد خلافت میں جب یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ انھیں حضرت ابو بکرؓ پر فوقیت دے رہے ہیں تو منبر پر تشریف لائے اور لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا:

"میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں، حالاں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ابو بکر کا صرف ایک دن اور ان کی ایک رات، عمر اور آلِ عمر سے بہتر ہے"۔

پھر انھوں نے اس ایک دن اور ایک رات کی وضاحت فرمائی:

"وہ ایک رات، ہجرت کی رات تھی، غار والی رات جب ابو بکرؓ، حضور ﷺ کے ساتھ غار کی طرف روانہ ہوے تو کبھی آپ ﷺ کے آگے چلتے، کبھی پیچھے، کبھی دائیں ہو جاتے کبھی بائیں، جب حضور ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی تو عرض کیا: "جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ آگے کوئی دشمن ہماری تاک میں اور گھات میں لگا ہو گا تو میں آگے ہو جاتا ہوں؛ تاکہ خدانخواستہ اگر کوئی بات پیش آئے تو وہ میرے ساتھ ہو نہ کہ آپ کے ساتھ، پھر جب یہ خیال آتا ہے کہ شاید کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہو، ہمارے تعاقب میں ہو تو میں پیچھے ہو جاتا ہوں، اسی طرح دائیں اور بائیں بھی اسی وجہ سے ہو جاتا ہوں"۔ [رواہ احمد فی فضائل الصحابہ]

اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ وہ اپنی جان حضور ﷺ پر فدا کر رہے تھے، اسی لیے غار میں بھی پہلے خود ہی داخل ہوے، اس وقت تک حضور ﷺ کو داخل نہیں ہونے دیا جب تک انھیں یہ اطمینان نہیں ہو گیا کہ اس میں کوئی اذیّت رساں چیز نہیں ہے۔

یہ وہ رات تھی جس کا ذکر حضرت عمرؓ نے کیا۔ وہ دن جس کا ذکر کیا، یہ وہ دن تھا جس دن رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تھی، وفات کی خبر سن کر لوگ حواس باختہ ہو گئے تھے، کچھ لوگوں کی عقلیں ماؤف ہو گئیں، مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا، کچھ لوگ تو یہ بھی کہنے لگے کہ حضور ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے؛ بل کہ حضرت عمر بھی یہی کہہ رہے تھے کہ تم یہ بات ہر گز نہ کہو، اگر کسی نے یہ کہا کہ حضور کی وفات ہو گئی تو اس کی گردن اڑادوں گا۔ ان حالات میں وہ رقیق القلب، خشیتِ الٰہی سے بکثرت رونے والا، نرم روی و نرم خوئی کے لیے مشہور و معروف صدیق، پہاڑ کی مضبوط چٹان کی طرح آکر کھڑا ہوا اور وہ تاریخی، ایمان افروز خطبہ دیا جس میں یہ فرمایا:

”لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی وفات ہو گئی، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسے یہ جان لینا چاہیے کہ وہ ذات زندہ ہے، کبھی اُسے موت نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ ۚ أَفَإِيْن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ ٱنقَلَبْتُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَـٰبِكُمْ ۚ ... ﴾ [آل عمران: ١٤٤]

”محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے

ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو تم (اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل واپس ہو جاؤ گے؟"۔ [آل عمران:۱۴۴]

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس فاضلانہ، جرأت مندانہ اور بصیرت افروز خطاب کے بعد صحابۂ کرامؓ کی آنکھیں کھل گئیں، وہ کہنے لگے کہ یہ آیتیں جنھیں ہم نے بار بار پڑھا تھا، ایسا محسوس ہوا کہ آج پہلی بار ہمارے کانوں سے ٹکرا رہی ہیں۔ پھر سیدنا ابو بکرؓ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوے، آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹا کر بوسہ دیا اور کہا:

"یارسول اللہ! آپ کا جینا بھی مبارک اور مرنا بھی مبارک"۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور بھیانک چیلنجوں کا ڈٹ کر مقابلہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، ہرچند کہ ان کی مدّتِ خلافت نہایت مختصر: دو سال چند ماہ رہی؛ لیکن مسلمانوں کے لیے بڑی خیر وبرکت اور فتح ونصرت کا باعث بنی، جب خلافت کی بیعت ہو گئی تو حضرت ابو بکرؓ لوگوں کے سامنے خطبے کے لیے کھڑے ہوے اور فرمایا:

"لوگو! مجھے تمھارا سربراہ بنایا گیا ہے، حالاں کہ میں تم سے افضل اور بہتر نہیں ہوں؛ لہٰذا اگر میں اچھی طرح ذمہ داری نبھاؤں تو تم میری مدد کرنا، اور اگر مجھ سے کوئی چوک ہو تو میری اصلاح کرنا، سچائی امانت ہے، جھوٹ خیانت ہے، تم میں کا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے، تاکہ میں اس کا حق دلا سکوں، تم میں کا قوی شخص میرے نزدیک کمزور ہے تاکہ اس سے کمزور کا حق لے سکوں، ان شاء اللہ۔

تم میں سے کوئی شخص جہاد نہ چھوڑے، کیوں کہ جو قوم جہاد چھوڑ دے گی، اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیں گے، جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو تم بھی میری اطاعت کرنا، اگر میں (خدانخواستہ) اللہ ورسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تمہارے ذمے نہیں رہے گی...“۔

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے مبارک کارناموں کا آغاز ہوتا ہے، ان کی طاقتور شخصیت کا ظہور اور ان کی حکمتِ عملی اور دور اندیشی آشکارا ہوتی ہے۔

عرب قبائل کا ارتداد اور صدیقِ اکبرؓ کی شجاعت

عرب قبائل نے جب یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو ایک بڑی تعداد ان میں سے مرتد ہوگئی، کچھ لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا اور کچھ دوسرے لوگ نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کے پیچھے چل پڑے، چناں چہ مختلف علاقوں میں مُتَعَدِّد مدعیانِ نبوت نے اپنی جھوٹی نبوت کا اعلان کر دیا: مسیلمہ کذاب، بنو حنیفہ میں۔ سجاح بنت الحارث، بنو تمیم میں۔ اسود عنسی، یمن میں اور طُلَیحہ الاسدی، بنو اسد وغطفان میں۔

ان کے پیروکاروں کو یقین تھا کہ یہ کذّاب ہیں؛ لیکن جاہلانہ عصبیت نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا تھا، وہ یہ کہتے تھے کہ بنو ربیعہ کا جھوٹا نبی، بنو مضر کے سچے نبی سے ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور لائق اتباع ہے۔ قومی نبی کی تلاش میں تھے، قبائلی نبی چاہتے تھے، خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس طرح کے سنگین حالات اور شر انگیز فتنے

سر اٹھانے لگے، تو حضرت ابو بکرؓ نے اس موقع پہ کیا کہا؟

صدیق اکبرؓ نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ ہم پورا پورا اسلام چاہتے ہیں، ناقص اسلام ہمیں منظور نہیں، ہمارے جیتے جی دین میں کوئی کتر وبیونت ہو جائے، یہ قابل قبول نہیں، کسی طرح بھی ذرہ برابر کسی چیز سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوے اور پورے عزم وحوصلے اور قوت وحکمت کے ساتھ ان تمام محاذوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے، حتی کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جو اپنی قوت وطاقت اور سخت گیری میں مشہور تھے وہ آئے اور عرض کرنے لگے:

"اے رسول اللہ کے خلیفہ! اس قوم کے ساتھ نرم روی اور دل داری اور رواداری سے پیش آیئے، کیوں کہ یہ وحشی لوگ ہیں، پتہ نہیں کیا ہو جائے۔ یہ سن کر صدیق اکبرؓ ان سے مخاطب ہوے اور فرمایا:

"کیا کہہ رہے ہو خطاب کے بیٹے، تم تو جاہلیت کے زمانہ میں بڑے بہادر اور جاں باز تھے، کیا اسلام میں آکر پست ہمت اور بزدل ہوگئے؟ میں تو چاہتا تھا کہ تم میری مدد کرتے بہ جائے اس کے کہ دست کش ہو جاؤ، آخر کیا چاہتے ہو؟ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کروں؟ کیا ان کی شان میں قصیدہ خوانی کروں، یا کوئی جادوئی کرتب دکھاؤں؟ خدا کی قسم جب تک میرے ہاتھ میں تلوار رہے گی تب تک ان سے جہاد کرتا رہوں گا، بخدا اُس شخص سے بھی لڑوں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کرے گا"۔

جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے عزم وارادے کی پختگی اور اپنے موقف پہ قوت کے ساتھ جماؤ کو دیکھا تو انھیں بھی شرح صدر ہو گیا، کہتے ہیں:

"جب میں نے دیکھا کہ ابو بکر کو ان سے جہاد و قتال پر پوری طرح شرح صدر ہو گیا ہے تو میں سمجھ گیا کہ وہ برحق ہیں۔ پھر تمام صحابہ کرامؓ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ چناں چہ انھوں نے لشکر تیار کیے، پھر جو مرتد ہو گئے تھے ان کی طرف، جو جھوٹی نبوت کے دعویدار تھے ان کی طرف اور جنھوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا تھا ان سب کی طرف بھیجا اور آخر کار اللہ کی توفیق سے ان سب کو نئے سرے سے دائرۂ اسلام میں واپس لا کھڑا کیا۔ اس طرح حضرت ابو بکرؓ تاریخ کے پہلے حاکم ہیں جنھوں نے زکاۃ کا انکار کرنے والوں کے خلاف لشکر کشی کی اور فقراء کے حقوق کی بازیابی کے لیے جنگ کا اعلان کیا؛ بل کہ ان سے جنگ کی"۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے سیدنا ابو بکرؓ جیسا پختہ عزم، دور اندیش، بہادر اور دلیر خلیفہ کا انتخاب فرمایا، جس نے تیز و تند ہواؤں کے رخ کو موڑ دیا، ارتداد کا اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے طوفان کا جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔

سیدنا ابو بکرؓ کے چند مناقب و فضائل

اسلام لاتے ہی حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ پر اپنا سب کچھ قربان کرنا شروع کر دیا، ابتدائے اسلام میں ان پر جو مصائب کے پہاڑ توڑے گئے اور انھیں جو اذیتیں دی گئیں انھیں خندہ پیشانی کے ساتھ اللہ کے لیے برداشت کیا، حضور ﷺ پر انھوں نے اپنا تن، من، دھن اس طرح قربان کیا کہ ایک روز آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

''مجھے کسی کے مال سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا ابو بکر کے مال سے پہنچا''، تو حضرت ابو بکرؓ رونے لگے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میری جان اور میرا مال آپ کے سوا ہے کس کے لیے؟''۔[بخاری]

وہ مسلمان غلام جن کے مالکان انھیں اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں اور اذیتیں دیتے تھے، حضرت ابو بکرؓ انھیں خرید کر آزاد کر دیتے تھے، انہی میں سے مؤذنِ رسولؐ حضرت بلال بن رباحؓ بھی تھے جنھیں خرید کر آزاد فرمایا، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کہتے تھے:

«أَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا وَأَعْتَقَ سَيِّدَنَا»، ''ابو بکر ہمارے سید (سردار) ہیں اور انھوں نے ہمارے سید (بلال) کو آزاد کیا۔

تقریبا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ سورۃ اللیل کی یہ آیتیں حضرت ابو بکرؓ کی شان میں نازل ہوئیں:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا ٱلْأَتْقَى ﴿١٧﴾ ٱلَّذِى يُؤْتِى مَالَهُۥ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ ﴾

[اللیل: ۱۷ – ۱۸]

ترجمہ: ''اور اس (جہنم) سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا، جو بڑا پرہیز گار ہو گا، جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے''۔ [اللیل:۱۷ – ۱۸]

ہر خیر کے کام میں سبقت کرنے والے، ہر ایک سے آگے بڑھنے والے، دین پر، اللہ و رسول پر مرنے مٹنے والے اور زاہدانہ اور مجاہدانہ زندگی بسر کرنے والے تھے۔

حالتِ سکرات میں بھی قرآنی آیات کا استحضار

مرضِ موت میں ان کی صاحبزادی، امّ المؤمنین، حضرت عائشہ صدیقہؓ جن کی براءت کا اعلان ساتوں آسمانوں کے اوپر سے ہوا تھا آئیں اور اپنے والد گرامی کی حالت دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

لَعمرُك ما يغني الثَّراء عن الفتى
إذا حشرجت يوماً وضاق بها الصدرُ [حاتم الطائی]

ترجمہ: ”بخدا! انسان کی دولت وثروت اس کے کام نہیں آتی جب غرغرہ (یعنی سکرات) کا وقت آجائے اور سانس اکھڑ جائے“۔

حضرت ابو بکرؓ حالتِ نزع اور حالتِ سکرات میں تھے؛ لیکن یہ سنتے ہی انھوں نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا:

”بیٹی! یہ نہ کہو؛ بل کہ یہ کہو: ﴿وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ ٱلۡمَوۡتِ بِٱلۡحَقِّۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنۡهُ تَحِيدُ ١٩﴾ [ق: ۱۹]

ترجمہ: ”اور موت کی بیہوشی حق لے کر آپہنچی، یہی ہے جس سے تو بِدکتا پھرتا تھا“۔ [ق: ۱۹]

اللہ اکبر! یہ ہیں سیدنا ابو بکرؓ، قرآن کریم کا استحضار، حالت احتضار اور حالت نزع میں بھی برقرار ہے اور اس حال میں بھی اصلاح کی فکر دامن گیر ہے۔

رضي الله عنه وعن الصحابة أجمعين، وجزاه عن الإسلام والمسلمين خيراً.

❊ ❊ ❊

۱۴۳۴/۶/۹ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سیدنا عمر بن الخطاب رضیَ اللہ عنہُ

تمہید

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

''سلف صالحین اپنے بچوں کو حضرات شیخین: حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرنے کی تعلیم اسی طرح دیتے تھے جیسے انھیں قرآنِ کریم کی سورتوں کی تعلیم دیا کرتے تھے''۔

امام حسن بصریؒ سے عرض کیا گیا کہ کیا حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے محبت کرنا سنت ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ''نہیں؛ بل کہ فرض ہے''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''جہاں تک خلفائے راشدین اور صحابۂ کرامؓ کی بات ہے تو یہ سمجھ لو کہ ہر خیر اور بھلائی جو مسلمانوں کو حاصل ہے اور قیامت تک حاصل ہوتی رہے گی- خواہ وہ ایمان و اسلام کی نعمت ہو، قرآنِ کریم، علم و معرفت اور عبادات سے اس کا تعلق ہو، یا جنت کا حصول اور جہنم سے نجات ہو، اہل کفر و شرک پر ان کا غلبہ ہو

یا اعلائے کلمۃ اللہ ہو- یہ سب انھیں کی تبلیغِ دین اور جہاد فی سبیل اللہ کا ثمرہ اور برکات ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے یا قیامت تک جو لوگ ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے رہیں گے، وہ صحابۂ کرامؓ کے احسان مند ضرور رہیں گے۔ اللہ کی قسم، وہ اس امت کے سب سے افضل لوگ تھے، امت میں سب سے زیادہ پاکیزہ دل، گہرے علم اور کم تکلفات والے لوگ تھے، اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کی صحبتِ بابرکت اور اقامتِ دین کے لیے منتخب فرمالیا تھا؛ لہٰذا تم ان کی قدر و منزلت کو سمجھو، ان کے نقشِ قدم پہ چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کے دین واخلاق کو اپنی زندگیوں میں لانے کی کوشش کرو؛ کیوں کہ وہ راہِ راست پر گامزن تھے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ خیر و بھلائی والی صدی وہ ہے جس میں مَیں آیا، پھر وہ جو اس کے بعد ہے پھر وہ صدی جو اس کے بعد ہے''۔ [فتاویٰ ابن تیمیہ]

صحابۂ کرامؓ میں بھی افضل ترین صحابہ جن سے امت کو سب سے زیادہ فائدہ ہوا، وہ خلفائے راشدین ہیں۔ ان میں دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن الخطابؓ ہیں جن کی مبارک سیرت کا اختصار کے ساتھ یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

حضرت عمرؓ عربی تو تھے ہی، وہ نہایت فصیح و بلیغ بھی تھے، عربی زبان کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف تھے، انھوں نے جب قرآن کریم کی سورت ''طٰہٰ'' کی شروع کی آیات سنیں تو ان آیات کی فصاحت وبلاغت، معانی ومفاہیم اور

اسلوب وبیان کی حلاوت نے ان کے دل ودماغ پر گہرا اثر چھوڑا؛ بل کہ ان کے پورے وجود کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا، بالآخر وہ دینِ اسلام میں داخل ہونے کے لیے بے قرار ہوگئے، پھر کیا تھا، رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ پیش کر دیا اور نہ صرف مسلمان ہوے؛ بل کہ ان دس خوش نصیب صحابۂ کرام میں شامل ہوگئے جنھیں حضور ﷺ نے اس دنیا میں ہی جنت کی بشارت سنائی؛ یہاں تک کہ ایک روز آپ ﷺ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، جب بھی شیطان تمھیں کسی راستے میں دیکھتا ہے تو وہ اپنا راستہ بدل دیتا ہے''۔[بخاری]

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا دراصل مسلمانوں کے لیے فتح ونصرت کا نقطۂ آغاز اور جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے عہد جدید کا اعلان تھا۔ وہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے والد گرامی اور حضور ﷺ کے خسر ہوے، ان کی رائے گرامی کی موافقت میں ساتوں آسمان کے اوپر سے قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوتی تھیں، حضور ﷺ نے ان کی ستائش ان الفاظ سے فرمائی:

«إِنَّ اللهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهِ، وَهُوَ الْفَارُوْقُ، فَرَّقَ اللهُ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ والْبَاطِلِ». [الترمذی]

ترجمہ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے عمر کے قلب وزبان کو حق کا ترجمان بنادیا، وہ فاروق ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے حق وباطل کے درمیان فرق پیدا فرمایا''۔

[ترمذی]

سیدنا عمرؓ کی خلافت ـــــ برکات و ثمرات

حضرت ابو بکرؓ کی وصیت کے بموجب ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی، چناں چہ ان کی خلافت، خیر وبرکت اور حیرت انگیز اسلامی فتوحات کا ذریعہ بنی، انھوں نے فتح وکامرانی، عدل وانصاف، حکمت و دوراندیشی اور زہد و تقویٰ کی نئی تاریخ رقم فرمائی، ان کے عہد زرّیں میں اسلام، مشرق و مغرب میں پھیل گیا، چناں چہ انہی کے دور مسعود میں ملک شام، عراق، مصر، ارمینیہ اور فارس فتح ہوے۔ سن ۱۴ھ میں قادسیہ کا تاریخی معرکہ پیش آیا، اور اسلامی سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فارس کے سپہ سالار رستم کو زیر کیا، پھر اسلامی لشکروں نے اپنی مہم جاری رکھی، یکے بعد دیگرے شہروں کو فتح کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ دو ماہ کے مسلسل حصار کے بعد ماہِ صفر ۱۶ھ میں ''مدائن'' بھی فتح ہو گیا، اس طرح حکومتِ فارس کا دارالحکومت بھی گر گیا اور مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

حضور ﷺ کی پیشین گوئی اور کسریٰ کے کنگن

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کسری کے خزانے، کنگن اور اس کے محل میں موجود سونے اور چاندی سے بنی ہوئی چیزیں حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجیں، انھوں نے جب یہ سارے خزانے اور کنگن دیکھے تو رسول کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت کی وہ بات یاد آگئی جو آپ ﷺ نے سراقہ بن مالک سے فرمائی تھی جو آپ ﷺ کا تعاقب کرتے ہوے آپ کے قریب پہنچ گیا تھا:

«كَأَنِّيْ بِكَ يَا سُرَاقَة وَقَدْ لَبِسْتَ سِوَارَيْ كِسْرَى».

''اے سراقہ! گویا کہ میں تمھیں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے کسریٰ کے کنگن پہن رکھے ہیں''۔

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تم کسری کے کنگن پہنو گے، اس پر سراقہ بن مالک کو بڑی حیرت ہوئی تھی اور عرض کیا تھا کہ ''کسری بن ہُرمز؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ہاں، ''کسری بن ہُرمز''۔ حضرت عمرؓ نے سراقہ بن مالک کو بلوایا اور فرمایا:

''کیا تمھیں یاد ہے جب تم سے حضور ﷺ نے کسری کے کنگن سے متعلق کچھ فرمایا تھا؟ تو انھوں نے کہا: جی یاد ہے، اسے بھول بھی نہیں سکتا۔ فرمایا: آؤ! تمھیں کسری کے کنگن پہناتا ہوں، پھر انھیں پہنا کر فرمایا کہ کہو، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے شرک کی وجہ سے کسری کو ذلیل کیا، اور اسلام کی بدولت بنی مُدلَج کے بدّو سراقہ بن مالک کو عزت بخشی''۔[الاستیعاب]

حضرت عمرؓ نے اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعتِ اسلام کے لیے اپنی جد وجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کا تسلسل جاری رکھا، کہا جاتا ہے کہ ان کے عہدِ خلافت میں فتح کیے جانے والے شہروں کی تعداد ایک ہزار چھتیس (۱۰۳۶) تک پہنچتی ہے، جن میں انھوں نے چار ہزار مسجدیں بنوائیں۔

حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے ذریعہ اسلام اور اہلِ اسلام کو عزت وسربلندی نصیب فرمائی اور شرک اور اہل شرک کو ذلت ورسوائی دی''۔

سیدنا عمرؓ کی سادگی اور زاہدانہ زندگی کی ایک جھلک

حضرت عمرؓ رفاہیّت اور عیش و تنعّم کی زندگی سے کوسوں دور تھے، انھیں اپنی رعایا کے سلسلے میں اس قدر خوفِ خدا کا احساس تھا کہ فرماتے تھے:

"اگر کوئی اونٹ نہر فرات کے کنارے کھو کر ہلاک ہو جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آلِ خطاب سے قیامت کے روز باز پُرس فرمائے گا"۔

حضرت عمرؓ نے اپنے لیے یہ دستور مقرر کیا تھا کہ وہ اور ان کے اہل و عیال وہی کھائیں گے جو ان کی رعایا کا کم تر اور غریب ترین آدمی کھاتا ہے، اس سے زیادہ یا اس سے اچھا کھانا پسند نہیں فرماتے، بیت المال سے اپنا مقررہ عطیہ لیتے تھے، پھر وقت سے پہلے وہ ختم ہو جاتا تھا تو بیت المال کے نگراں سے قرض کے طور پر مزید حاصل کرتے تھے، جب ادایگی کا وقت آتا اور ان کے پاس نہیں ہوتا تو کوئی عذر بیان کرتے اور جب اپنا عطیہ ملتا تو اس سے قرض پہلے ادا کرتے اور باقی استعمال میں لاتے۔ حضرت عمرؓ کے اس سخت دستور کی وجہ سے بعض صحابہؓ کو فکر ہوئی اور انھوں نے ارادہ کیا کہ کسی طرح ان کے عطیے میں اضافہ کرایا جائے تاکہ خلیفۂ وقت امیر المؤمنین کو کچھ تو راحت ملے، چناں چہ حضرت عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ جمع ہوے، انھوں نے یہ طے کیا کہ بالواسطہ حضرت عمرؓ تک اپنی خواہش پہنچائیں، چناں چہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے جو حضرت عمر کی صاحبزادی تھیں اور انھیں صورتِ حال سے باخبر کیا، ان سے یہ بھی کہا کہ حضرت عمرؓ کو ہمارا نام نہ بتائیں؛ چناں چہ حضرت حفصہؓ نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے

اپنے اوپر بہت سختی کر رکھی ہے؛ لہٰذا آپ کے عطیہ میں اضافہ ہونا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بہت برہم ہوے اور فرمایا: ”یہ کون لوگ ہیں؟ میں ان کی شکلیں بگاڑ دوں گا“۔ انھوں نے عرض کیا کہ ان کے نام جاننے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔

پھر حضرت عمرؓ اپنی بیٹی اور حضور ﷺ کی زوجہ حضرت حفصہؓ کی طرف متوجہ ہوے اور فرمایا: تم میرے اور ان لوگوں کے درمیان حَکَم بنو، یہ بتا کہ تیرے گھر میں رسول کریم ﷺ کا سب سے بہترین لباس کیا تھا؟ عرض کیا کہ دو ٹکڑوں میں کیے ہوے دو کپڑے تھے، جنھیں کسی وفد کے استقبال کے وقت اور جمعہ کی نماز کے لیے زیب تن فرماتے تھے۔ فرمایا: تیرے گھر میں سب سے عمدہ کھانا حضور ﷺ نے کیا تناول فرمایا تھا؟ عرض کیا: جَو کی روٹی کے ٹکڑے تھے جن پر ہم نے گرم حالت میں گھی کا ڈبہ انڈیل دیا تھا اور انھیں چکنا اور میٹھا بنا دیا تھا، تو آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا تھا۔ پھر فرمایا: تیرے گھر میں سب سے نرم بستر کون سا استعمال فرمایا تھا؟ کہا: ایک موٹا سا کمبل تھا جسے ہم گرمی میں چوہرا کر کے بچھا دیتے تھے اور سردی میں اس کا آدھا حصہ بچھاتے تھے اور آدھا اوڑھ لیتے تھے۔ جب حضرت حفصہ نے یہ حالات بیان کیے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: انھیں جا کر بتا دو کہ رسول اکرم ﷺ نے زندگی گزارنے کا ایک پیمانہ مقرر فرمایا، پھر ضرورت سے زائد چیزوں کو ان کی جگہ رکھ دیا، اور بقدر ضرورت پہ اکتفا کیا۔ اللہ کی قسم ہے میں بھی زائد چیزوں کو ان کی جگہ رکھوں گا اور بقدر ضرورت پر اکتفا کروں گا۔ میری اور میرے دونوں اصحاب (حضورؐ اور ابو بکرؓ) کی مثال ایسی ہے جیسے تین شخص ایک راستے پر چلے، پس پہلے نے اپنا توشہ لیا اور چلتے ہوے منزل پر پہنچ گیا، اس کے بعد دوسرا چلا وہ بھی منزل پر پہنچ گیا، پھر تیسرا ان

کے پیچھے ہولیا، یہ تیسرا شخص اگر انھیں کے راستے پر چلتا رہا، انہی کے بقدر توشہ بھی ساتھ رکھا تو وہ ان سے جاملے گا؛ لیکن اگر ان کے راستے سے ہٹ گیا تو پھر ان سے نہیں مل سکے گا"۔

یہ تھی حضرت عمرؓ کی زاہدانہ اورقلندرانہ زندگی اور یہ تھی ان کی رسول پاک ﷺ کی اتباع اور ہر قول وفعل میں منہج نبوی کی پیروی۔

ایک دلچسپ قصہ

کسریٰ کا مشیر "ہُرمُزان" اپنے سرپر سونے اور زمرّد کا تاج رکھے ہوے، ریشمی کپڑوں میں ملبوس، مدینہ منورہ میں داخل ہوا، وہاں پہنچ کر دریافت کیا: "خلیفہ کا محل کہاہے؟" لوگوں نے کہا: ان کا کوئی محل نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ ان کا گھر کدھر ہے؟ تو لوگ اسے لے گئے اور خلیفۂ وقت کا مٹی کا گھر دکھادیا اور کہا کہ یہ ہے خلیفہ کا گھر، تو اس نے کہا: ان کے دربان اور محافظین کہاں ہیں؟ کہا گیا کہ ان کے محافظین اور باڈی گارڈ نہیں ہوتے۔

ہرمزان نے دروازے پہ دستک دی تو حضرت عمرؓ کے صاحبزادے نمودار ہوے، تو اس نے سوال کیا: خلیفہ کہاں ہیں؟ کہا کہ مسجد میں تلاش کرلیں اور اگر مسجد میں نہ ملیں تو مدینہ کے اطراف میں تلاش کریں۔ چناں چہ وہ مسجد گئے تو نہیں پایا، پھر انھوں نے شہر کے کنارے جاکر ایک جگہ دیکھا کہ ایک درخت کے سایے میں، پیوند لگے ہوے کپڑے پہنے ہوے، اپنے قریب ہی میں اپنا تازیانہ رکھ کر اپنے بازو پہ سر رکھ کر میٹھی نیند سورہے ہیں، یہ دیکھ کر ہُرمزان نے کہا:

”عمر! عدل وانصاف کی حکمرانی کا نتیجہ ہے کہ امن کے ساتھ ایسی پیاری نیند سو رہے ہو“۔

حضرت عمرؓ کے چند ارشادات

سیدنا عمرؓ کا ارشاد ہے:

«مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ، وَمَنْ لَا يَغْفِرْ لَا يُغْفَرْ لَهُ، وَمَنْ لا يَتُوبُ لا يُتَابُ عَلَيْهِ، وَمَنْ لاَ يَتَّقْهِ لاَ يُوْقَه».[البخاري في الأدب المفرد]

”جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں ہوتا، جو معاف نہیں کرتا اسے بھی معاف نہیں کیا جاتا، جو توبہ نہیں کرتا اسے گناہ سے بچنے کی توفیق نہیں ملتی، اور جو متقی بننے کی کوشش نہیں کرتا اسے متقی بننے کی توفیق عنایت نہیں ہوتی“۔[البخاري في الأدب المفرد]

فرماتے تھے:

«حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، فَإِنَّه أَهْوَنُ عليْكُمْ فِيْ الْحِسَابِ غَدًا أَنْ تُحَاسِبُوْ أَنْفُسَكُمْ الْيَوْمَ، وَزِنُوهَا قَبْلَ أَنْ تُوزَنُوا، وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ عَلَى اللهِ تَعَالَى، يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ».

”تم اپنا محاسبہ کرلو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے، اور قبل اس کے کہ تمہیں تولا جائے، خود ہی تول کر اندازہ لگالو؛ کیوں کہ کل (قیامت کے دن)

کے حساب سے زیادہ آسان یہ ہے کہ آج ہی اپنا محاسبہ کرلو، اور بڑی پیشی کے لیے تیاری کرلو، جس دن تم سب پیش کیے جاؤگے، تمھارا کوئی راز پوشیدہ نہیں رہ پائے گا"۔

ان کا ارشاد ہے:

"لایعنی امور میں نہ پڑو، اپنے دشمن سے دور رہو، اپنے دوستوں میں سے امانت دار دوست کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دو؛ کیوں کہ قوم کا امانت دار شخص بے بدل ہوتا ہے۔ کسی فاسق وفاجر کو اپنا دوست مت بناؤ، کیوں کہ وہ تمھیں فسق وفجور سکھائے گا، نیز اس سے راز کی کوئی بات ہرگز نہ کہو۔ اپنے معاملات میں صرف انہی سے مشورہ کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں"۔

فرمایا:

"علم حاصل کرو، دوسروں کو بھی تعلیم دو، سکینت اور وقار سیکھو، جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے متواضع بن کر رہو"۔

فرمایا:

"جو شخص اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے، بھلائی اس کے ہاتھ میں رہتی ہے، جو شخص خود کو مقام تہمت میں لے جائے تو پھر اس سے بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہیں کرنا چاہیے۔ برادران صدق ووفا کو ہاتھ سے جانے نہ دو، کیوں کہ وہ تمھارے لیے زمانۂ خوش حالی میں باعثِ رونق وزینت ہیں، اور زمانۂ مصیبت وبدحالی میں بہترین ذخیرہ ہیں"۔

شہادت کی آرزو اور اس کی تکمیل

حضرت عمرؓ کی پوری مدتِ خلافت دس سال، چھ ماہ اور چار دن ہے، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے آخر میں یہ دعا کی:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ، وَوَفَاةً بِبَلَدِ رَسُولِكَ». [موطأ مالك]

''اے اللہ! میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اپنے راستے کی شہادت اور اپنے رسول کے شہر کی موت نصیب فرمائیں''۔ [موطأمالک]

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دونوں دعائیں قبول فرمائیں اور دونوں آرزوؤں کی تکمیل ہوئی۔

مسلمانوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، اسی اثناء میں بد بخت، مجرم مجوسی ابولؤلؤ اپنا زہر آلود خنجر لے کر آگے بڑھا اور حضرت عمرؓ پر اس نے چھ وار کیے، چناں چہ وہ ''حسبی اللہ لا إلٰہ إلا ہو...'' پڑھتے ہوے زمین پر گر گئے، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے آگے بڑھ کر امامت سنبھالی اور نماز مکمل کی۔ سیدنا عمرؓ کو ان کے گھر پہنچایا گیا، خون ان کے جسم سے بہہ رہا تھا، بے ہوشی کی حالت طاری تھی، جب کبھی ہوش آتا تھا تو انھیں نماز یاد دلائی جاتی تھی تو فرماتے:

«نعم، لا حَظَّ فِي الإِسْلَامِ لِمَنْ تَرَكَهَا».

''ہاں، اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز ترک کر دے''۔ پھر انھوں

نے وقت نکلنے سے پہلے ہی نماز ادا فرمائی۔

پھر صاحبزادے کو آواز دی اور فرمایا:

دیکھو کس نے مجھے مارا ہے؟ انھوں نے آکر بتایا کہ ابولؤلؤ مجوسی نے وار کیا، تو فرمایا: ''الحمد للہ، میرا قاتل ایسا شخص نہ ہوا، جو واقعی مسلمان ہو اور جو اللہ کے لیے سجدہ ریز ہوا ہو''۔

ان کے سر کے نیچے تکیہ رکھا گیا تو اسے کھینچ کر فرمایا:

''میرا سر مٹی پر رکھ دو، شاید اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمادیں، پھر روتے ہوے کہا: ''اے لازوال حکمرانی والے! اس شخص پر رحم فرما جس کی حکومت ختم ہوگئی''۔

اس کے بعد ان کی خدمت میں بچے اور نوجوان آئے تو ان کا استقبال فرمایا۔ ان میں سے ایک نوجوان کا کپڑا لمبا تھا جو ٹخنوں سے نیچے جارہا تھا تو فرمایا:

''بھتیجے! ادھر قریب آؤ! پھر کہا: کپڑا اوپر کرلو، کیوں کہ یہ تمھارے رب کے نزدیک باعث تقویٰ ہے اور تمھارے کپڑے کے لیے باعث طہارت ہے''۔

اللہ اکبر! سکرات کے عالم میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کررہے ہیں۔

حضرت علیؓ ابن ابی طالب حضرت ابن عباسؓ کے سہارے غم زدہ اور چشم نم کے ساتھ الوداعی کلمات کہنے کے لیے تشریف لائے، آکر کہا:

''ابو حفص (یہ حضرت عمرؓ کی کنیت تھی) بخدا میں نے بارہا سنا ہے رسول اکرمؐ کو فرماتے ہوے: ''میں، اور ابو بکر و عمر آئے''، ''میں اور ابو بکر و عمر گئے''، میں اور ابو بکر و عمر نکلے'' اللہ سے میری دعا ہے کہ آپ کا حشر آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہو''۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ''کاش میں بغیر کسی کمی زیادتی کے نجات پا جاتا، نہ ثواب نہ عقاب، نہ لینا نہ دینا''۔

حجرۂ شریفہ میں تدفین

وفات سے قبل حضرت عمرؓ نے کہا: «اَیْنَ اُدْفَنْ؟» میری تدفین کہاں ہو گی؟ کہا گیا کہ آپ کو حضور کریم ﷺ کے قریب دفن کیا جائے گا، کہنے لگے:

«مَا أَنَا إِلاَّ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ» ''میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہو، میں اپنے اندر کوئی خصوصی امتیاز نہیں پاتا''، پھر فرمایا: ''اگر اللہ نے میری مغفرت نہیں فرمائی تو میری ہلاکت میں کیا شبہہ ہے، اور فرمایا کہ میری وفات کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں میرا جنازہ لے جانا اور ان سے عرض کرنا کہ عمر بن الخطاب آپ کو سلام پیش کرتا ہے اور حجرۂ شریفہ میں حضور ﷺ کے پڑوس میں دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے، (ان سے میرا نام لے کر دریافت کرنا، امیر المؤمنین نہ کہنا) اگر وہ اجازت دیں تو دفن کرنا اور اگر اجازت نہ دیں تو جنت البقیع میں لے جا کر دفن کر دینا''۔

چناں چہ وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق حضرت عائشہؓ سے اجازت

طلب کی گئی تو فرمایا کہ:

''اللہ کی قسم! یہ جگہ میں نے اپنے لیے باقی رکھی تھی؛ لیکن عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں، لے جاؤ، انھیں ان کے دونوں اصحاب کے ساتھ دفن کر دو''۔

یہ ہیں خلیفۂ راشد، عدل وانصاف کے پیکر، تواضع وانکساری، زہد وتقویٰ اور خشیتِ الٰہی میں اپنی مثال آپ، سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أجمعین۔

❊ ❊ ❊

۱۶/ ۶/ ۱۴۳۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سیدنا عثمان بن عفان رضیَ اللہ عنہُ

سیدنا عثمان بن عفانؓ ان دس خوش نصیب صحابۂ کرام میں سے ہیں، جنھیں رسول کریم ﷺ نے اس دنیا میں ہی جنت کی خوش خبری سنائی تھی، ان چھ صحابہ میں ہیں، جن سے حضور ﷺ نے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا تھا، ''ذو النورین'' اور ''صاحب الہجرتین'' ہونے کے ساتھ قرآن مقدس کے حافظ بھی تھے۔

حضور ﷺ کی ولادتِ شریفہ کے تقریباً پانچ سال بعد طائف میں ان کی ولادت ہوئی، ان کی نشو نما نہایت خوش حال اور بااَثر گھرانے میں ہوئی؛ کیوں کہ ان کے والد گرامی ''عفان'' ایک بڑے تاجر، بااثر اور اپنی قوم کے سردار تھے۔

قبولِ اسلام، نکاح، ہجرت

حضرت عثمانؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دستِ مبارک پہ اسلام قبول کیا، بالکل شروع کے پانچ مسلمانوں میں ان کا پانچواں مرتبہ ہے، قبولِ اسلام کے حوالے سے، ان سے حضور ﷺ بہت محبت فرماتے تھے، چناں چہ آپؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا ان سے نکاح کرایا، جب حضرت رقیہ کی وفات ہوگئی تو اپنی دوسری

صاحبزادی حضرت ام کلثوم کو ان کے نکاح میں عنایت فرمایا، چوں کہ یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں سے ان کی شادی ہوئی اسی لیے انھیں ''ذوالنورین'' کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ہوئی تھی، منجملہ مہاجرین کے حضرت عثمانؓ بھی تھے جنھوں نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے اپنا پھیلا ہوا وسیع وعریض کاروبار چھوڑ دیا اور حبشہ ہجرت کر گئے، پھر جب مدینہ پاک ہجرت کا وقت آیا تو دوسری ہجرت فرمائی اور حضور ﷺ سے مدینہ میں جاملے، اسی وجہ سے انھیں ''صاحب الہجرتین'' کہا جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی دو امتیازی صفات

حضرت عثمان غنیؓ کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے اعلیٰ اور بلند ترین اوصاف سے نوازا تھا؛ لیکن ان کی نمایاں اور امتیازی دو خصوصیات تھیں:

پہلی خصوصیت حیاء کی تھی، حدیث شریف میں ہے: «الحیاء خیرٌ کله» حیاء میں خیر ہی خیر ہے، چناں چہ حضرت عثمانؓ کو اللہ نے اس خیریت سے بھرپور مالامال کیا تھا۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک روز حضور ﷺ، حضرت عائشہؓ کا کمبل اوڑھے ہوے ان کے حجرے میں لیٹے ہوے تھے، اتنے میں حضرت ابو بکرؓ نے اندر آنے کی اجازت مانگی، اجات ملی تو اندر آگئے اور اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس ہوگئے، پھر حضرت عمرؓ نے اندر آنے کی اجازت چاہی، انھیں بھی اجازت مل گئی، ملاقات کرکے واپس ہوگئے، آپؐ اسی طرح لیٹے رہے، پھر حضرت عثمانؓ نے بھی

حاضری کی اجازت طلب کی، تو حضور ﷺ بیٹھ گئے اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ''اپنے کپڑے اپنی طرف کھینچ لیں'' تب انھیں حاضری کی اجازت ہوئی، جب وہ بھی ملاقات سے فارغ ہو کر واپس ہو گئے تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ عثمانؓ کے لیے آپ جس طرح سنجیدہ ہوے اور جس طرح سکڑ کر بیٹھ گئے اس طرح ابو بکرؓ و عمرؓ کے لیے نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ وَإِنِّي خَشِيتُ إِنْ أَذِنْتُ لَهُ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ أَنْ لَا يَبْلُغَ إِلَيَّ فِي حَاجَتِهِ». [صحيح مسلم]

ترجمہ: ''حقیت یہ ہے کہ عثمان ایک نہایت حیاء دار شخص ہیں، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر اسی (پہلی) حالت میں انھیں اندر آنے کی اجازت دے دیتا تو وہ اپنا مقصد پورا کیے بغیر ہی واپس چلے جاتے''۔

ایک روایت میں ہے کہ:

''عثمان بہت باحیاء آدمی ہیں، فرشتے بھی ان سے حیاء کرتے ہیں''۔

دوسری روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''کیا میں ایسے شخص سے حیانہ کروں جس سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں؟''۔

اسی حیاء کا نتیجہ تھا کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی اخلاقی برائیوں سے دور رہے، فرماتے ہیں:

''میں نے زمانۂ جاہلیت میں شراب پی نہ ہی زمانۂ اسلام میں، اسی طرح میں نے نہ تو زمانۂ جاہلیت میں زنا کیا نہ ہی اسلام لانے کے بعد''۔

ان کی دوسری امتیازی خصوصیت فراخ دستی اور جوٗد و سخاوت کی تھی، اللہ کے

راستے میں بے تحاشا خرچ کرتے تھے، پورے قبیلۂ قریش ہی نہیں؛ بل کہ اس دور میں راہِ خدا میں جس فیاضی اور دریادلی کے ساتھ خرچ کرتے تھے اس کی نظیر نہیں۔

سخاوت کے چند نمونے

مدینہ پاک میں میٹھے پانی کا ایک کنویں تھا، اس کنوے کے علاوہ کوئی دوسرا کنواں نہیں تھا، وہ بھی ایک یہودی کا تھا جو اس کا پانی مال کے عوض فروخت کرتا تھا، حضرت عثمان غنیؓ نے یہ کنواں بیس ہزار درہم میں خریدا اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا؛ تاکہ اس سے مفت پانی پیا کریں، اس کنوے کو عربی میں ''بئر رومۃ'' کہتے ہیں۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے عام اعلان فرمایا تھا کہ اس غزوے کی تیاری کریں اور مالی تعاون بھی کریں، نہایت مشکل حالات میں اس جنگ کا اعلان ہوا تھا، اسی لیے اس غزوے کا نام ''جیش العسرۃ'' رکھا گیا ہے یعنی تنگی کا لشکر، واقعی وہ تنگی کا وقت تھا بھی، گرمی کی شدت تھی، مال ومتاع کی کمی تھی، کھجوروں کے پکنے کا موقع تھا، اسی لیے قرآنِ کریم نے بھی اس سخت لمحے کو ''ساعۃ العسرۃ'' سے تعبیر کیا ہے، اس مشکل گھڑی میں حضرت عثمانؓ کی فیاضی اپنے عروج پر تھی، چناں چہ انھوں نے ۹ سو اونٹ تیار کیے اور ۵۰ گھوڑے، اور انھیں مجاہدین کے لیے پیش کیا، پھر ایک ہزار دینار (سونے کے سکے) اپنی آستین میں رکھ کر لائے اور حضور ﷺ کی گود میں ڈال دیے، حضور ﷺ نے قبول فرمالیا؛ بل کہ آپ ﷺ نے ان دیناروں کو اپنے دست مبارک سے الٹ پلٹ کرتے ہوے فرمایا:

«مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ».

''آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرے، وہ اس کے لیے بے ضرر ہے''۔ یعنی اس عظیم عمل کی وجہ سے اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ [ترمذی وحاکم]

حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ قحط سالی ہو گئی، جب لوگ بدحال ہونے لگے تو حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: آسمان سے بارش نہیں ہوئی، زمین سے غلہ نہیں اُگا، اب لوگ ہلاکت کے دہانے پر کھڑے ہیں، تو آخر آپ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ آپ واپس جائیں، صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں، مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ شام تک آپ کی شکایت دور ہو جائے گی اور کوئی راستہ ضرور نکلے گا، چناں چہ شام ہوتے ہی لوگوں کو خبر ملی کہ حضرت عثمان غنیؓ کا تجارتی قافلہ ملکِ شام سے آرہا ہے اور صبح تک مدینہ منورہ پہنچ جائے گا۔ جب قریب آیا تو لوگوں نے گھروں سے نکل کر قافلے پہ نظر ڈالی تو دیکھا کہ ایک ہزار اونٹ ہیں جو گندم، بادام اور تیل وغیرہ سے لدے ہوے ہیں اور حضرت عثمانؓ کے دروازے پر آکر کھڑے ہو گئے، جب حضرت عثمانؓ کے گھر میں سامان اتار کر رکھ دیے گئے تو شہر کے تجارت پیشہ حضرات آئے تو حضرت عثمانؓ نے سوال کیا: کیا ارادہ ہے؟ تاجروں نے کہا کہ آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ لوگ کس حال میں ہیں، جتنی جلدی ہو سکے اپنا مال ہم سے فروخت فرمائیں تاکہ لوگوں کی حاجتیں پوری ہو سکیں۔ فرمایا کہ بہت اچھے۔ یہ بتائیں کہ آپ مجھے قیمتِ خرید پر کتنا نفع دیں گے؟ کہا کہ دوگنی قیمت پر دے دیجیے، فرمایا کہ مجھے اس سے زیادہ نفع کی پیش کش ہے، تو انھوں نے کہا کہ پھر چار گنی قیمت پر دے دیجیے، تو فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ کی پیش کش ہو چکی ہے، تاجروں نے بڑھا کر پانچ گنی قیمت کر دی، اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ بھائی اس سے بھی زیادہ نفع مجھے

مل رہاہے، یہ سن کر تاجروں کو بڑی حیرانی ہوئی اور انھوں نے عرض کیا: ابو عمرو! مدینہ میں ہمارے علاوہ اور کوئی تاجر نہیں ہے، اور ہم سے پہلے آپ تک کوئی پہنچا بھی نہیں، پھر آخر یہ پیش کش کس نے کی ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک کے بدلے دس کی پیش کش فرمائی ہے، میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ ان تمام اونٹوں پر جتنا مال ومتاع ہے وہ سب اللہ کی رضا کی خاطر فقراء ومساکین اور ضرورت مند مسلمانوں کے لیے صدقہ ہے۔

خلافت کے لیے سیدنا عثمان غنیؓ کا انتخاب

حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور خلافت میں حضرت عثمان غنیؓ کا مرتبہ جدید اصطلاح کے اعتبار سے وزیر اعظم سے کم نہ تھا، اسی لیے لوگوں کو جب حضرت عمرؓ سے کچھ معلوم کرنا ہوتا تو حضرت عثمانؓ سے رابطہ کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ ہی کے مشورے سے حضرت عمرؓ نے تمام باشندگان کے لیے رجسٹر تیار کیا جس میں ہر ایک کے نام اور احوال وکوائف کی تفصیلات درج کی گئیں، سیدنا عثمانؓ کا ہی مشورہ تھا کہ ہجری سال کی ابتدا ماہِ محرم سے کی جائے جسے حضرت عمرؓ نے قبول کیا۔

جب سیدنا عمرؓ کو بدبخت مجرم ابولؤلؤ فیروز مجوسی نے نیزہ مارا تھا تو انھوں نے چھ صحابہ کی شوریٰ بنادی تاکہ ان کی وفات کے بعد باہمی مشورے سے ایک کو خلیفہ بنالیں، اس شوریٰ کے ارکان حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ تھے، ان تمام حضرات کے اتفاقِ رائے سے حضرت عثمانؓ کا انتخاب عمل میں آیا، سب

سے پہلے ان سے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے بیعت کی، ان کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب نے بیعت کی ان کے بعد دیگر صحابہؓ نے۔

عہدِ عثمانی کے روشن کارنامے

سیدنا عثمان غنیؓ کا زمانۂ خلافت نمایاں ترین اور نا قابلِ فراموش کارناموں سے عبارت ہے۔ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں جن فتوحاتِ اسلامیہ کا آغاز ہوا تھا ان کی تکمیل عہد عثمانی میں ہوئی؛ چناں چہ انھی کے عہدِ میمون میں شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا کے وسیع و عریض خطوں میں اسلام کا پرچم بلند ہوا اور یہ علاقے نغمۂ توحید کی صداؤں سے معمور ہوے، ان ہی کے دور خلافت میں پہلی بار مجاہدینِ اسلام کے لشکر نے حضرت معاویہؓ کی قیادت میں بحری سفر کیا اور جزیرۂ قبرص کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں اسے شامل کیا، نیز رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان ''صواری'' کا عظیم معرکہ پیش آیا، اسلامی فوج کی قیادت حضرت عبد اللہ بن ابی السرحؓ فرمارہے تھے، بالآخر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی عطا فرمائی۔

حضرت عثمانؓ کے مبارک کارناموں میں ایک مصحف اور ایک قراءت پر امت اسلامیہ کو جمع کرنا بھی ہے، لوگ مختلف قراءتوں میں قرآنِ کریم پڑھتے تھے، ان میں بعض دفعہ شدید اختلاف کی نوبت آجاتی، چناں چہ حضرت عثمانؓ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کر کے ایک مصحف تیار کرایا اور اس کے متعدد نسخے لکھوا کر جگہ جگہ روانہ کیے، اس طرح امت کو ایک بہت بڑے فتنے اور اختلاف سے بچالیا۔

ان کے عہد خلافت کے دس سال امتِ مسلمہ کے لیے نہایت خوش حالی، پر امن و پر سکون زندگی اور کشادگی رزق کے ساتھ حیرت انگیز فتوحات کے امتداد کے گزرے؛ تاہم آخر کے دو سالوں میں ایسے سنگین اور بھیانک فتنے وجود میں آئے کہ جنھوں نے دس سال کی تمام ترقیات اور فتوحات کے اوپر پانی پھیر دیا، یہاں تک کہ بعض لوگ یہ سمجھنے لگے کہ حضرت عثمانؓ کا دور صرف اختلاف وانتشار اور فتنے وفساد کا دور تھا، حالاں کہ فتنوں کی مدت دو سال سے زیادہ نہیں جب کہ خوش حالی، چین وسکون اور امتداد فتوحات کی مدت دس سال ہے۔

فتنے کا آغاز

فتنے کی آگ بھڑکانے والا شخص یہودی منافق تھا جس کا نام عبد اللہ بن سبا اور لقب ''ابن السوداء'' تھا، جس کا تعلق یمن کے شہر صنعاء سے تھا، اسلام کے تئیں یہودیوں کی مکاری، عیّاری، دغابازی اور حسد وخباثت مشہور ہے، اس شخص نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا، تاکہ اس کے پس پردہ اپنی سازشوں کا جال بچھا سکے۔ اس نے پہلے ایک نیا نظریہ رچا، اس نظریہ کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ تمام صحابہ میں افضل ہیں؛ کیوں کہ آل بیت میں سے ہیں، حضور ﷺ کے داماد ہیں، عم زادے بھی ہیں، لہٰذا ہر مشکل میں انھی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، انہی کی رائے پہ عمل ہونا چاہیے، ان سے شدید محبت کا اظہار بھی ہونا چاہیے... چناں چہ لوگوں کو یوں ورغلانے لگا:

''مسلمانو! تعجب ہے کہ اہل بیت کے ہوتے ہوے انھیں تو محروم

کیا جاتا ہے اور دوسروں کو حکمرانی سونپی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نبی اور ایک ہزار وصیّ ہیں، علیؓ ابن ابی طالب حضرت رسول کریم ﷺ کے وصی ہیں (یعنی ان کی خلافت کی وصیت آپ نے فرمائی ہے) اس نے یہ بھی کہا کہ حضور ﷺ تو خاتم الانبیاء ہیں؛ لیکن حضرت علی خاتم الاوصیاء ہیں، اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو حضور ﷺ کی وصیت نافذ نہ کرے اور خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر بیٹھے"۔

اس طرح اس منافق نے حاسدوں اور منافقوں کی حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک ٹیم تیار کرلی، حالاں کہ یہ سارے مفروضے اس منافق کے خود ساختہ تھے، اس کی بیمار ذہنیت کے اپج تھے، پورے ذخیرۂ احادیث میں حضرت علیؓ کے لیے خلافت کی وصیت کا اشارہ تک نہیں ملتا، چہ جائے کہ صراحۃً کوئی روایت موجود ہو، اگر ایسی بات ہوتی تو کیا حضرت علیؓ خاموش رہتے، جنھیں اسد اللہ اور اسد الرسول کا خطاب ملا ہے، یہ شیر خدا اپنے حق کی بازیابی کے لیے صدا بلند نہیں کرتے؟ وہ حضرات شیخین: ابو بکرؓ و عمرؓ سے کیسے بیعت کرتے؟ پھر حضرت عثمان سے بھی کیسے بیعت کرتے، حالاں کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف کے بعد سب سے پہلے شخص وہی ہیں جنھوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت پر بیعت فرمائی۔

لیکن اس منافق کے بوئے ہوئے فتنے کا زہریلا پودا اُبھرنے لگا، پروان چڑھنے لگا، اس نے بلوائیوں اور تخریب کاروں کی ایک پارٹی تیار کرلی جو حضرت عثمانؓ سے استعفے کا مطالبہ کرنے لگی۔ حضرت عثمانؓ کو حضور ﷺ کی وہ حدیث یاد تھی:

"عثمان! اللہ تعالیٰ تمھیں (خلافت کی) قمیص پہنائے گا، لہٰذا منافقین اگر تم سے اس قمیص کو اتارنے کا مطالبہ کریں تو تم اسے نہ اتارنا". [ترمذی]

اس لیے استعفیٰ دینے سے انکار فرمادیا، دوسری طرف بلوائیوں سے لڑنے سے بھی انکار کر دیا کہ کلمہ پڑھنے والوں کو کیسے مارا جائے؟ بالآخر ان بلوائیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا، پھر ان کے گھر میں داخل ہوکر ۸۲ سال کے صحابی، خلیفۃ المسلمین، ذوالنورین کو روزے کی حالت میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا۔ إِنَّا لله وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَ أَرْضَاهُ.

نئے فرقے کی بنیاد

یہیں سے ایک نئے فرقے نے جنم لیا جس کے نظریات اور عقائد کی بنیاد عبداللہ بن سبا یہودی منافق کے خود ساختہ عقائد و نظریات ہیں، اس فرقے کی بنیاد ہی اس لیے ڈالی گئی تاکہ امت مسلمہ کو نقصان پہنچایا جائے، ان کے اتحاد کو پاش پاش کیا جائے، اس مقصد کے لیے آل رسول ﷺ کی محبت میں غلو اور دوسرے صحابہ کی توہین و تحقیر؛ بلکہ ان کی تکفیر اور حضرات شیخین کو سبّ و شتم اور لعن وطعن جیسے شرمناک اور ایمان سوز افکار و نظریات کو فروغ دیا گیا، چوں کہ اس فرقے کی بنیاد اسلام دشمنی پر تھی اسی لیے آج تک مسلمانوں کو جہاں جہاں نقصانات پہنچے ہیں یا انھیں دشمنوں سے زیر ہونا پڑا ہے، اس کے پیچھے اکثر مقامات پر اسی غدار گروہ کی ناپاک اور خفیہ سازشیں رہی ہیں جسے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے بہ خوبی جانتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی چند نصیحتیں

حضرت عثمانؓ نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے، عبادات کا بڑا شغف تھا، بالخصوص لمبی رکعتیں اور ان میں قیام کو طول دینا، ان کی محبوب غذائے روحانی تھی، ایک مرتبہ حج کے موقع پر حجر اسود کے سامنے ایک رکعت میں پورا قرآنِ کریم ختم کر دیا، اسی طرح کثرت سے روزے رکھنا ان کی عادتِ شریفہ تھی۔

ان کا ارشاد ہے:

"تم غیر یقینی منزل پہ بیٹھے ہو، تمھیں مختصر زندگی دی گئی ہے، لہٰذا وقت ختم ہونے سے پہلے حسب استطاعت خیر کے کام کرلو، اپنی صبح وشام کو غنیمت سمجھو، یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے، لہٰذا دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے...، جو یہاں سے جاچکے ان سے عبرت حاصل کرو، پھر غفلت چھوڑ کر محنت میں لگ جاؤ، کہاں گئے دنیا والے جنھوں نے اسے خوب سنوارا اور آباد کیا تھا، ایک عرصہ تک اس سے لطف بھی اٹھایا، کیا دنیا نے انھیں اٹھا کر پھینک نہ دیا؟ دنیا کو اسی مقام پر رکھو جس مقام پر اللہ نے اسے رکھا ہے، آخرت کی طلب میں لگے رہو..."۔

فرمایا:

"لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، کیوں کہ تقوی ہی کامیابی کا ضامن ہے، لوگوں میں سب سے عقل مند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے، اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے ذخیرہ جمع کرے، اپنی قبر نورانی بنانے کے لیے اللہ کا نور حاصل کرے"۔

جب آخرت کا اور بالخصوص قبر کا تذکرہ کرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی۔ ان سے جب وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا: رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"قبر، آخرت کی منزلوں میں پہلی منزل ہے، لہٰذا اگر یہاں نجات مل گئی تو اس کے بعد کی منزلیں آسان ہوں گی، اور اگر یہاں نجات نہ ملی تو بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت اور مشکل ترین ہوں گی"۔

رضي الله عنه وعن الصحابة أجمعين

* * *

۲۳/ ۶/ ۱۴۳۴ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سیدنا علی بن ابی طالب رضیَ اللہ عنہُ

آج کے خطبے میں شیر خدا، شجاعت کے پیکر، زہد وقناعت کے خوگر، علم وحکمت کے دفتر، چوتھے خلیفہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر ہو گا جو رسول اکرم ﷺ کے عم زادے، آپ ﷺ کی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہرا کے خاوند ہونے کے ساتھ ساتھ عشرۂ مبشرہ میں سے بھی ہیں۔

حضرت علیؓ کا قبول اسلام اور ان کے دو امتیازی اوصاف

دس سال کی عمر میں سیدنا علیؓ نے اسلام قبول کیا، اس روئے زمین پر حق کی گواہی دینے والے اور لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان کرنے والے سب سے پہلے یہ نو عمر، خوش قسمت اور سعادت مند بندۂ خدا ہیں۔

حضرت عثمانؓ کے تذکرے میں یہ عرض کیا تھا کہ ان کی شخصیت میں دو خصوصی اور امتیازی اوصاف تھے: حیاء اور جود وکرم۔ اسی طرح حضرت علیؓ بھی دو امتیازی اوصاف کے حامل تھے جن میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا: ایک شجاعت وبہادری،

دوسرے قضاء اور قوتِ فیصلہ، اسی لیے حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے: ''ہم میں سب سے بڑے قاضی علی ہیں''۔

سیدنا علیؓ کی دلیری کے دو قصے

جب حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اس موقع پہ حضرت علیؓ نے ایسی جرأت و شجاعت کا عظیم کارنامہ انجام دیا جو کسی کم زور دل یا بزدل شخص کے بس کا ہر گز نہیں تھا۔

ہر چند کہ کفارِ مکہ کو رسولِ کریم ﷺ سے شدید عداوت تھی، تاہم ان کی نگاہ میں آپ ﷺ سے بڑا کوئی سچا اور امانت دار نہیں تھا، اس لیے اپنی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس رکھا کرتے تھے، جب آپ ﷺ نے ہجرت کا پختہ ارادہ فرمالیا تو وہ ساری امانتیں آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے حوالہ فرمادیں تاکہ اہل امانت کے سپرد کر دیں اور ان کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم فرمایا؛ چناں چہ کفارِ مکہ آپ ﷺ کو شہید کرنے کی نیت سے آئے تو دیکھا کہ یہ تو علی بن ابی طالب ہیں جو بلا خوف و خطر، نہایت ہمت و حوصلے کے ساتھ آرام کر رہے تھے، جب انھیں دیکھا تو ان کے ارمان خاک آلود ہو گئے، اسی کو اللہ پاک نے قرآنِ کریم میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ ٱللَّهُ ۖ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَٰكِرِينَ ﴿٣٠﴾ ﴾

[الأنفال: ۳۰]

ترجمہ: ''اور یاد کیجیے اس واقعہ کو جب کہ کفار (مکہ) آپ کی نسبت تدبیر

سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں، یا آپ کو قتل کرڈالیں، یا آپ کو وطن سے باہر کرڈالیں، اور وہ تو اپنی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کررہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر تدبیر والا ہے"۔ [الأنفال:۳۰]

حضرت علیؓ کو معلوم تھا کہ جس مقام پر وہ سو رہے ہیں، وہ کس قدر پُرخطر اور دشمنوں کے تیر و تلوار کے نشانے پہ ہے؛ لیکن اس کے باوجود وہاں رات گزارنا، غیر معمولی جرأت و شجاعت کی واضح دلیل ہے۔

دوسرے قصے کا تعلق شہر خیبر سے ہے، حضور ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کا محاصرہ فرمایا، لیکن اس کی فتح میں بڑی مشکل پیش آئی، صحابۂ کرام میں ایک طرح کی مایوسی کی کیفیت تھی، ایک رات تو ایسی گزری کہ وہ بہت افسردہ اور پریشان رہے؛ چناں چہ رات کے درمیانی حصہ میں حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

"کل ایک ایسے شخص کو عَلَم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسولؐ اس سے محبت فرماتے ہیں، اسی کے ذریعہ اللہ ہمیں فتح عنایت کرے گا"۔

صحابۂ کرام کی یہ رات اسی ادھیڑ بن میں گزری کہ آخر اس سعادت مندی سے کون بہرہ ور ہوگا اور اس غیر معمولی انعام کا کون مستحق ہوگا؟ جب صبح ہوئی تو ہر ایک یہ آرزو لیے ہوے حاضر ہوا کہ شاید اس کی قیمت جاگ اٹھے، اچانک زبانِ رسالت سے یہ جملہ نکلا:

"این علی بن ابی طالب؟" علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ کہا گیا کہ ان کی آنکھ دُکھ رہی ہے، آپ ﷺ نے انھیں بلوایا اور ان کی آنکھ میں اپنا لعاب دہن

لگا دیا اور دعا دی، چناں چہ ان کی آنکھ بالکل ٹھیک ہو گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا"۔

حضور ﷺ نے انھیں عَلَم (جھنڈا) عطا کیا، حضرت علی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! کیا میں ان سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ ہماری طرح نہ ہو جائیں یعنی دین میں داخل نہ ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جلد بازی سے کام نہ لینا، جب ان کے میدان میں پہنچو تو انھیں اسلام کی دعوت دو اور یہ بتاؤ کہ اسلام لانے کے بعد ان پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں، اللہ کی قسم؛ تمھارے ذریعہ اللہ تعالیٰ صرف ایک شخص کو بھی ہدایت سے نوازدے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔[بخاری]

شہر خیبر دراصل اسلام کے خلاف کی جانے والی یہودی سازشوں کا اڈہ، اور فوجی مرکز تھا، یہ لوگ دوسرے عرب قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر آئے دن اذیتیں پہنچاتے تھے، ان کے جرائم کے پیش نظر اگر یکایک ان پر حملہ کیا جاتا تب بھی وہ اس کے مستحق تھے؛ لیکن اسے اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور رواداری کہیے کہ پہلے انھیں جنگ سے بچنے اور انسانی جانوں کے تحفظ کے لیے امن وسلامتی اور گفت وشنید کا فارمولا پیش کیا؛ لیکن جب پُر امن طریقے سے مسئلے کو حل کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو حضرت علیؓ اسلامی پرچم اٹھائے ہوے، دشمنانِ اسلام کو للکارتے ہوے میدان میں اترے اور مقابلے کے لیے چیلنج کیا؛ چناں چہ یہودیوں کا سب سے بڑا مشہور ومعروف طاقت ور شخص جس کا نام "مَرحَب" تھا یہ شعر پڑھتے ہوے آگے بڑھا:۔

قَـدْ عَلِمَـتْ خَيْـبَرُ أَنّي مَرْحَـبُ
شَـاكِي السِّـلَاحِ بَطَـلٌ مُجَـرَّبُ
إِذِ الْحُـرُوْبُ أَقْبَلَـتْ تَلَهَّـبُ

ترجمہ: خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، بھرپور ہتھیاروں سے لیس، تجربہ کار بہادر ہوں، جب شعلہ بار جنگوں کا وقت آجائے۔

یہ سنتے ہی شیر خدا حضرت علیؓ اسے للکارتے ہوئے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے اس کی طرف بڑھے:

أَنَا الّذِي سَمّتْنِي أُمّي حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتِ الْكَرِيهِ الْـمَنْظَرَهْ
أُكِيلُهُم بِالسّيْفِ كَيْلَ السّنْدَرَهْ

ترجمہ: میں وہ شخص ہوں جس کی ماں نے اس کا نام حیدرہ (شیر) رکھا ہے، کچھار کے شیر کی طرح میں ہیبت ناک ہوں، تلوار سے وسیع پیمانے پر میں انھیں ٹھکانے لگاتا ہوں۔

پھر جنگ کا آغاز ہوا، دونوں نے ایک دوسرے پر وار شروع کیے، چند منٹ میں حضرت علیؓ نے اس دشمن خدا کا سر، تن سے جدا کر دیا اور اسے واصل جہنم کر دیا، اس طرح مشکل ترین جنگ کی کشمکش مسلمانوں کی فتح میں تبدیل ہوگئی اور رسولِ اکرم ﷺ کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو آپ ﷺ نے رات میں دی تھی کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ ورسول اس سے

محبت کرتے ہیں، اسی کے ہاتھوں خیبر فتح ہو گا۔

حضرت علیؓ کا سرورِ کائنات ﷺ کی لختِ جگر سے رشتہ

حضرت علیؓ نے باوجود بے سروسامانی کے سارے عالم کی عورتوں کی سردار، حضرت فاطمۃ الزہرا کے لیے پیغام نکاح کا ارادہ کیا، اس مقصد کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کچھ عرض کرنا چاہا؛ لیکن مارے شرم کے زبان نہ کھلی، حضور ﷺ مسکرائے اور ان کی غرض سمجھ گئے، فرمایا:

"علی! فاطمہ سے رشتے کا ارادہ ہے؟ عرض کیا: جی، فرمایا: تیرے پاس مہر کے لیے کچھ ہے؟ حضور ﷺ کو تو معلوم ہی تھا کہ علی کے پاس نہ دینار ہے نہ درہم؛ لیکن پہاڑ کے مانند ایمان اور دل میں اللہ ورسول کی سچی محبت رکھتا ہے۔ عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس کچھ نہیں ہے، فرمایا: تیری حُطَمی زرہ کہاں ہے؟ وہ زرہ لے کر حضرت علی آئے اور حضور ﷺ نے اس زرہ کو مہر قرار دیتے ہوے اپنی بیٹی سے ان کا نکاح کر دیا"۔

چناں چہ انھیں اللہ نے بیٹی ام کلثوم عطا کی اور جنت کے نوجوانوں کے سردار: حسنؓ و حسینؓ سے نوازا۔

حضرت علیؓ نے کائنات کی سب سے عظیم ہستی کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لیا اور اپنے اس چھوٹے سے مکان میں داخل کیا جس کی بنیاد اللہ کے تقوے اور اس کی رضا پر رکھی گئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اسد اللہؓ کو ایک اور بشارت

حضرت علیؓ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، البتہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ نے انھیں مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا؛ تاکہ مجاہدین کی مستورات اور ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کریں؛ لیکن منافقین کو ایک اور موقع ہاتھ آگیا، وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے: غزوہ میں تمھاری شرکت کو حضورؐ نے ناپسند فرمایا، انھیں تمھارا وجود ثقیل معلوم ہوا، اس لیے تمھیں مدینے میں عورتوں اور بچوں کے پاس چھوڑ دیا۔ اس طرح منافقوں نے اپنی منافقت اور خباثت کے ذریعے انھیں غیرت دلائی؛ چناں چہ حضرت علیؓ نکل پڑے اور حضور ﷺ سے جاکر لوگوں سے سنی ہوئی باتیں کہیں اور جہاد میں شرکت کی خواہش ظاہر کی، حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

«يَا عَلِي! أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي». [بخاری]

ترجمہ: ”علی! کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ میرے ساتھ تجھے وہ مرتبہ ومقام ملے جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارون کو ملا تھا؟ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں“۔ [بخاری شریف]

خلفائے ثلاثہ کے ساتھ حضرت علیؓ کا معاملہ

رسول اکرم ﷺ کی جب وفات ہوگئی اور صحابۂ کرام کے باہمی مشورے

سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو حضرت علیؓ ان لوگوں میں تھے جنھوں نے ان کی خلافت پر بالکل شروع میں ہی بیعت کی؛ لیکن چوں کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ شدید بیمار ہو گئی تھیں؛ اس لیے ان کی تیمارداری کی وجہ سے ان کا اکثر وقت گھر میں ہی گزرتا تھا، نماز کے لیے مسجد جاتے تھے پھر گھر کو واپس ہو جاتے تھے، یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ اسی علالت میں چھ ماہ بعد رخصت ہو گئیں اور اپنے والدؐ سے جا ملیں۔

ان کی وفات کے بعد سیدنا علیؓ، سیدنا ابو بکرؓ کے معاون بنے، خلافت کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے، مفید مشورے دیتے، جب حضرت ابو بکرؓ کی وفات ہوئی تو وہ دونوں ایک دوسرے سے راضی تھے۔

صدیق اکبرؓ نے اپنے بعد خلافت کے لیے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا تھا، چناں چہ یہاں بھی حضرت علیؓ نے بغیر کسی تأمّل اور ہچکچاہٹ کے ان سے بیعت فرمائی؛ بل کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کر کے صحابہ سے دریافت فرمایا: خلافت کے لیے جس کا میں نے انتخاب کیا ہے کیا تم اس پر راضی ہو؟ تو حضرت علی نے بآوازِ بلند فرمایا:

«لاَ نَقْبَلُ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ عُمَر». ”ہم عمر کے علاوہ کسی کو قبول ہی نہیں کریں گے“۔

چناں چہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں حضرت علیؓ ان کے دست و بازو بنے رہے، ان کے قاضی بھی تھے اور جب حضرت عمرؓ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینے کا گورنر انھیں کو بنا کر جاتے، ان کے باہمی تعلق اور محبت کا اندازہ اس

سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے کرایا اور ان کے خسر بنے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد چھ افراد کی شوریٰ کے مشورے سے حضرت عثمانؓ بن عفان خلیفہ بنے تو سب سے پہلے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کے بعد حضرت علیؓ نے ہی ان سے بیعت فرمائی، خلافت کے امور میں انھیں اپنے قیمتی اور مفید مشورے دیتے رہے، جب حضرت عثمانؓ کا باغیوں اور بلوائیوں نے محاصرہ کیا تو حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ اور ان کی حمایت میں رہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے باہمی مشورے سے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، فرمایا کہ میں وزیر بن کر رہوں یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ امیر بن کر خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لوں؛ لیکن جب لوگوں کا اصرار بڑھ گیا تو انھوں نے مجبوراً قبول کیا، خلافت کی ذمہ داری سنبھال لی لیکن اس منصب سے انھین قطعاد لچسپی نہیں تھی۔

خلفائے ثلاثہ سے محبت و تعلق اور احترام وعقیدت کا حال یہ تھا کہ انھوں نے اپنے تین صاحبزادوں کے نام انھی کے نام پر رکھے یعنی ابو بکر، عمر اور عثمان۔

یہ سارے آپس میں اللہ کے لیے محبت رکھنے والے تھے، قطعا ایسا معاملہ نہیں تھا جس طرح عبد اللہ بن سبا یہودی منافق کی ذریت پیش کرتی ہے۔ ہم ان تمام ہی خلفائے راشدین اور صحابہ کرام سے محبت کرتے ہیں اور اس محبت کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

حضرت علیؓ کی خلافت ـــــ جنگیں اور ہمارا موقف

نہ چاہنے کے باوجود حضرت علیؓ کو خلیفہ بنادیا گیا، صحابۂ کرام کے اصرار پر انھوں نے قبول فرمالیا، تقریباً پانچ سال تک ان کی خلافت کی مدت رہی جس میں مختلف قسم کے فتنوں نے سر اٹھائے، کئی معرکے پیش آئے، بالخصوص وہ افسوس ناک معرکے جو مسلمانوں کے درمیان پیش آئے، مثال کے طور پر جنگ ''جَمل'' اور جنگ ''صِفّین'' جن میں بڑی تعداد میں لوگ جاں بہ حق ہوئے۔ ان تمام امور کو ہم اللہ کے سپرد کرتے ہیں، صحابۂ کرام میں سے کسی کی عزت وآبرو کے درپے نہیں ہوتے، ہم ہر ایک سے محبت کرتے ہیں، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا قول ہے:

''مشاجراتِ صحابہ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ خاموشی اختیار کریں، کیوں کہ صحابہ کے فضائل کا ثبوت قطعی دلائل سے ہے اور ان سے محبت کرنا واجب ہے''۔

جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ، حضرت علیؓ کے خلاف گروہ میں شامل تھے، حضرت طلحہ شہید ہوگئے، حضرت علیؓ نے انھیں خون میں لت پت دیکھا تو اپنی سواری سے اترے، ان کے چہرے سے مٹی پونچھ کر دیر تک روتے رہے، پھر کہا: میری اللہ سے یہ دعا ہے کہ مجھے اور تجھے ان لوگوں میں شامل فرمائے جن کے متعلق فرمایا ہے:

﴿وَنَزَعۡنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنۡ غِلٍّ إِخۡوَٰنًا عَلَىٰ سُرُرٖ مُّتَقَٰبِلِينَ ٤٧﴾ [الحجر: ٤٧]

ترجمہ: ''ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش اور کینہ تھا، ہم سب کچھ نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی بنے ہوے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے''۔[سورۃ الحجر: آیت ۴۷]

شوقِ شہادت

سیدنا علیؓ جنگوں کی وجہ سے دل برداشتہ ہوگئے تھے؛ بل کہ زندگی سے ہی اکتا گئے تھے، اسی لیے کہتے تھے:

«مَتَى يُبْعَثُ أَشْقَاهَا» ''وہ بدبخت کب نمودار ہوگا؟''، ان کا اشارہ تھا اس حدیث پاک کی طرف جس میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ''تمھارے اوپر ایک وار یہاں اور دوسرا وار یہاں کیا جائے گا اور ان کی دونوں جانب کی کنپٹی کی طرف اشارہ فرمایا، پھر اس کا خون بہہ کر تمھاری داڑھی کو رنگین کردے گا، یہ وار کرنے والا قوم کا بدبخت شخص ہوگا جیسا کہ اونٹنی کو ذبح کرنے والا قومِ ثمود کا بدبخت شخص تھا''۔ [رواہ الہیثمی فی مجمع الزوائد، والطبرانی، وإسنادہ حسن]

تکمیلِ آرزو

فجر کی نماز کے لیے حضرت علیؓ گھر سے نکلے، لوگوں کو بیدار کرتے ہوے مسجد میں داخل ہوگئے، مسجد میں دیکھا کہ ابن ملجم خبیث بدبخت پیٹ کے بل لیٹا ہوا ہے، (زمین پر تلوار رکھ کر اسی پر پیٹ کے بل لیٹ گیا تھا) حضرت علیؓ نے اسے پیر سے حرکت دیتے ہوے فرمایا: پیٹ کے بل نہ لیٹو، کیوں کہ یہ جہنمیوں کا طریقہ ہے، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھانی شروع کردی، یہ خارجی بدبخت اٹھا اور حضرت علیؓ پہ

تلوار سے وار کیا، حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کہا، اور یہ بھی کہا:

﴿ لِلَّهِ ٱلْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِنۢ بَعْدُ ۚ ﴾ [الروم: ٤]

"اس سے پہلے اور اس کے بعد اختیار اللہ ہی کا ہے"۔

بھاری مقدار میں سر سے خون بہہ کر داڑھی پہ آگرا، پوری طرح لہولہان ہوگئے، اس طرح انھوں نے جام شہادت نوش کیا جس کا انھیں انتظار تھا، اور یوں حضور ﷺ کی پیشین گوئی بھی پوری ہوگئی۔

حضرت علیؓ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

أَشْدُدْ حَيَازِيْمَكَ لِلمَوْتِ فَإِنَّ الموتَ لاَقِيْكَا

ولا تَجْزَعْ مِنَ المَوتِ فَإِنَّ الْمَوْتَ آتِيَكَا

ترجمہ: موت کے لیے اپنی کمر کس لو، کیوں کہ موت تمھیں ضرور پالے گی، اور موت سے نہ گھبراؤ، کیوں کہ موت تو تم کو آکے رہے گی۔

وفات کے وقت حضرت سیدنا علیؓ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔

رضي الله عنه وعن أصحاب الرسولؐ أجمعين

حضرت علیؓ کے چند اقوالِ حکمت

- «لَا شَرَفَ مَعَ سُوْءِ الأَدَبْ».

بے ادبی اور شرافت جمع نہیں ہوسکتی۔

- «لَا رَاحَةَ لِحَسُوْدٍ».

حسد کرنے والا چین کی زندگی نہیں گزار سکتا۔

- «الإِحْسَانُ يَقْطَع اللِّسَانَ».
احسان کرنا زبان کو کاٹ دیتا ہے۔
- «مَنْ عَذُبَ لِسَانُه كَثُرَ إِخْوَانُه».
جس کی زبان شیریں ہو اس کے بھائی اور چاہنے والے بہت ہوتے ہیں۔
- «مَنْ قَلَّ صِدْقُهُ، قَلَّ صَدِيْقُهُ».
جو سچ کم بولتا ہے اس کے دوست احباب بھی کم ہوتے ہیں۔
- «لاَ تَنْظُرْ إِلَى مَنْ قَال، وَانْظُرْ إِلَى مَا قَالَ».
کہنے والے کو مت دیکھو، کیا کہہ رہا ہے یہ دیکھو۔
- «اَخُوْكَ مَنْ وَاسَاكَ فِي الشِّدَّةِ».
تمہارا حقیقی بھائی تو وہ ہے جو تنگی میں غم خواری کرے۔
- «النَّاسُ أَعْدَاءُ مَا جَهِلُوْا».
لوگ دشمن ہوتے ہیں ان چیزوں کے جنہیں نہیں جانتے۔
- «الْعَفْوُ عِنْدَ المَقْدِرَة شُكْرٌ لِلْمَقْدِرَةِ».
قدرت کے وقت معاف کر دینا، قدرت کی شکر گزاری ہے۔
- «أَبْلَغُ العِظَاتِ النَّظَرُ إِلَى الأَمْوَاتِ».
سب سے بڑی نصیحت و عبرت، مُردوں کی طرف دیکھنا ہے۔

❊ ❊ ❊

۱۴۳۱/۱۲/۲۰ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

مدرسۂ نبوت کی تعلیم وتربیت کے کچھ نمونے

آج آپ کو لے کر اس مدرسۂ نبوت؛ بل کہ جامعۂ نبوت کی طرف چلتا ہوں جس کی بنیاد سرور کائنات ﷺ نے رکھی تھی، جس سے بڑے بڑے علما، داعیانِ اسلام، جانباز مجاہدین، قُضاۃ، قرائے کرام، مفسرین، محدثین، فقہاء، اہل تجارت وزراعت اور باکمال اہل سیاست فارغ ہوے۔ اس یونیورسٹی نے اپنے طلبہ کو اخلاقیات ومعاملات کی تعلیم دی، اس سے پہلے عقائد وعبادات، سچائی وامانت داری، عفّت وپاک دامنی، استغناوبے نیازی، زہد وقناعت، جود وسخاوت، ہمت وحوصلہ اور تقویٰ وطہارت کی نہ صرف تعلیم دی؛ بل کہ عملی نمونہ بنادیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کل تک جو صرف بکریاں چرانا جانتے تھے، وہ قوموں کے داعی اور قائد بن گئے۔

ع خود نہ تھے جو راہ پہ اوروں کے ہادی بن گئے

چناں چہ اس ”جامعۂ نبوت“ نے مختصر سے عرصے میں پورے معاشرے میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کردی، اس معاشرے کے شر کو خیر میں بدل دیا، وہاں کی جہالت کی تاریکی کو ختم کرکے علم وعرفان کی روشنی عطا کی، ہمہ وقت کی بے اطمینانی اور خوف وہراس کے ماحول کو امن وامان عنایت کیا اور ظلم وزیادتی کی جگہ عدل

وانصاف کی حکمرانی قائم کی، اس یونیورسٹی کے فضلاء ایسے ہونہار اور باکمال نکلے کہ خود رب کائنات نے ان کی تعریف فرمائی:

﴿ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱمْتَحَنَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾ ﴾ [الحجرات: ٣]

"یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کرلیا ہے"۔[الحجرات/۳]

ان کی شان میں یہ بھی فرمایا:

﴿ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ ٱلتَّقْوَىٰ وَكَانُوٓاْ أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ ﴾

[الفتح: ٢٦]

"اور ان کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اسی کے زیادہ حق دار اور اس کے اہل تھے"۔[سورۃ الفتح/۲۶]

صحابۂ کرامؓ کی ایک اہم خصوصیت

مدرسۂ نبوت کے تعلیم یافتہ اور صحبت نبوی کے تربیت یافتہ فضلائے کرام کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے ایمان وعقیدے کی دولت کو ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ دنیا کی ہر دولت وثروت اور ہر طرح کی رشتے داری وقرابت داری کو ایمان وعقیدے کے مقابلے میں قربان کرنا ان کے لیے آسان تھا، وہ اس آیت کریمہ کے مصداق تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأَخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ

حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوۡ كَانُوٓاْ ءَابَآءَهُمۡ أَوۡ أَبۡنَآءَهُمۡ أَوۡ إِخۡوَٰنَهُمۡ أَوۡ عَشِيرَتَهُمۡۚ ﴾ [المجادلة: ۲۲]

”جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ان سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے...“ [سورۃ المجادلۃ/ ۲۲]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا قصہ

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مکہ مکرمہ کے عالی نسب اور معزز خاندان کے چشم وچراغ تھے، جب رسول کریم ﷺ نے مکہ میں اپنے دعوتی مشن کا آغاز فرمایا تو یہ ان باہمت خوش نصیبوں میں تھے جنھوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا، یہاں تک کہ مردوں میں تیسرے یا چوتھے مسلمان ہونے کا شرف انھیں حاصل ہوا۔ ان کے قبولِ اسلام سے سب سے زیادہ ناراضگی ان کی والدہ کو ہوئی، یہ خبر ان کے اوپر بجلی بن کر گری، انھوں نے نہ صرف ناراضگی کا اظہار کیا؛ بل کہ یہ قسم کھائی کہ جب تک اس دین کو چھوڑے گا نہیں اس وقت تک نہ کھائیں گی نہ پییں گی۔ حضرت سعدؓ خود ہی یہ قصہ بیان کرتے ہیں:

”جوں ہی میری والدہ کو میرے اسلام کی خبر ملی تو وہ حواس باختہ ہو گئیں، میں ان کی خدمت اور ان سے محبت کرنے والا نوجوان تھا، چناں چہ وہ میرے پاس آکر کہنے لگیں: سعد! یہ کون سا دین ہے جسے تم نے قبول کر لیا ہے، جس نے

تمھیں ماں باپ کے دین سے دور کر دیا ہے؟ بخدا کہتی ہوں کہ تم اس نئے دین کو چھوڑ دو، ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں گی، پھر غم سے تمھارا دل پارہ پارہ ہو گا، اور اپنے کیے پر افسوس کرو گے، اور ہمیشہ تمھیں لوگ عار دلاتے رہیں گے۔ میں نے کہا: امی جان! ایسا نہ کریں، کیوں کہ میں اپنا دین کسی حال میں اور کسی کے لیے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

لیکن میری والدہ اپنی بات پر اڑی رہیں، کھانا پینا ترک کر دیا، اسی حال میں چند روز گزر گئے، چناں چہ ان کا جسم دبلا ہو گیا، کمزور ہو گئیں، بالکل نڈھال ہونے لگیں۔ میں ان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً آتا تھا اور کھانے کے لیے گزارش کرتا تھا؛ لیکن ان کے انکار کی شدت بڑھتی ہی جاتی تھی اور قسم کھاتی تھیں کہ جب تک میں اپنا دین نہیں چھوڑ دوں گا اس وقت تک وہ نہیں کھائیں گی اگرچہ موت ہی آجائے۔

جب میں نے ان کا شدید اصرار دیکھا تو عرض کیا: امی جان! مجھے آپ سے بہت محبت ہے؛ لیکن اللہ اور اس کے رسول مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں، بخدا کہتا ہوں کہ اگر آپ کے پاس ایک ہزار جانیں ہوں اور یکے بعد دیگرے ساری جانیں نکل جائیں تب بھی میں اپنا دین نہیں چھوڑ سکتا۔ جب انھوں نے میری عزیمت دیکھی تو امرِ واقعہ کو تسلیم کرتے ہوئے، نہ چاہنے کے باوجود کھانا پینا شروع کر دیا"۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہی بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾

[لقمان: ١٤]

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے بارے میں یہ تاکید کی ہے (کیوں کہ) اس کی ماں نے اسے کم زوری پر کم زوری برداشت کر کے پیٹ میں رکھا، اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تم میرا شکر ادا کرو، اور اپنے ماں باپ کا۔ میرے پاس ہی تمھیں لوٹ کر آنا ہے''۔ [لقمان:۱۴]

حضرت عمیر بن سعدؓ کی امانت داری اور زہد وورَع کا رقّت انگیز واقعہ

اس ''جامعۂ نبویہ'' کی تعلیم وتربیت کا ایک اثر یہ تھا کہ اس کے فضلاء اعلیٰ درجے کے متقی، پرہیز گار اور امانت دار ہوتے تھے، تقویٰ کا حال یہ تھا کہ مجمع میں ہوں یا تنہائی میں یکساں طور پر اللہ سے ڈرتے تھے، جو امانت ان کے سپرد کی جاتی خواہ وہ معمولی درجے کی ہو یا غیر معمولی، اس کی ادائیگی میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے زہد کا معاملہ تھا، جب دنیا ان کے قدموں میں آئی تب بھی زاہدانہ زندگی سے دست بردار نہیں ہوے۔ دنیا اپنی تمام زیب وزینت کے ساتھ آکر ان کے طرزِ زندگی کو بدلنے کی کوشش کرتی رہی؛ لیکن ان کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عمیر بن سعدؓ کو بلایا اور ملکِ شام کے علاقہ ''حمص'' کی اِمارت ان کے سپرد فرمائی اور انھیں حمص جانے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت عمیرؓ جہاد فی سبیل اللہ پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتے تھے، لیکن امیر المؤمنین کے حکم کو بادلِ ناخواستہ قبول کر لیا اور ''حمص'' کے لیے روانہ ہو گئے۔

''حمص'' پہنچ کر لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے مختصر لیکن جامع خطبہ دیا۔ حمد وصلاۃ کے بعد فرمایا:

"لوگو! اسلام ایک ناقابل تسخیر قلعہ ہے، اور ایک مضبوط دروازہ ہے۔ اسلام کا قلعہ عدل وانصاف ہے اور اس کا دروازہ حق وصداقت ہے، پس اگر قلعہ تباہ ہوجائے اور دروازہ توڑدیا جائے تو اس دین کی حرمت پامال ہوجائے گی۔ اسلام اس وقت تک ناقابل تسخیر رہے گا جب تک حکمراں سخت گیر ہوگا؛ لیکن حکمراں کی سختی کا مطلب ڈنڈے اور تلوار کا استعمال نہیں ہے؛ بل کہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا اور صاحب حق کو اس کا حق دلانا ہے"۔

اس خطبے کے بعد اپنے کام کی مصروفیت میں لگ گئے، مکمل ایک سال گزر گیا اور انھوں نے امیر المؤمنین کو کوئی خط لکھا نہ ہی "بیت المال" کے لیے "فیئ اور غنیمت" کے مال سے کچھ بھیجا، اس لیے حضرت عمرؓ کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے؛ کیوں کہ اپنے اُمراء کے فتنۂ امارت میں مبتلاء ہونے کا انھیں سخت اندیشہ لگا رہتا تھا، ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی معصوم نہیں تھا۔

چناں چہ حضرت عمرؓ نے اپنے کاتب کو حکم دیا کہ عمیر بن سعد کو لکھو:

"جب تمھیں امیر المؤمنین کا یہ خط ملے تو حمص کو خیر باد کہتے ہوے "فیئ" میں سے جو بیت المال کا حصہ ہے وہ مال اپنے ساتھ لیے ہوے آجاؤ"۔

حضرت عمیرؓ بن سعد کو حضرت عمرؓ کا خط ملا، ملتے ہی انھوں نے اپنے توشہ کی تھیلی لی، اپنا پیالہ اور وضو کا برتن اپنے کاندھے پہ لٹکایا، اپنا نیزہ ہاتھ میں لیا اور حمص اور اس کی امارت کو خیر باد کہتے ہوے مدینہ منورہ کے لیے پیدل روانہ ہوگئے۔

مدینہ پاک تک پہنچتے پہنچتے ان کی حالت دگرگوں ہوگئی تھی؛ رنگ زرد پڑ گیا تھا، جسم بالکل نحیف ہوگیا تھا، بال لمبے لمبے ہوچکے تھے، الغرض پوری طرح سے آثارِ

سفر ہو یدا تھے۔

اسی حال میں وہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوے، حضرت عمرؓ انھیں دیکھ کر حیران و پریشان ہو گئے اور کہا: عمیر! تمھیں کیا ہو گیا؟ کہنے لگے: امیر المؤمنین! الحمد للہ، مجھے کچھ نہیں ہوا ہے، میں بالکل توانا تندرست ہوں اور میری دنیا میرے ساتھ ہے، جسے اپنے ساتھ ساتھ لے آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: تمھارے ساتھ دنیا کی کیا چیزیں ہیں؟ (انھیں خیال آیا کہ مال غنیمت سے بیت المال کے لیے کچھ لایا ہو گا) تو حضرت عمیرؓ نے کہا: میرے ساتھ میری تھیلی ہے جس میں، میں نے توشہ رکھا ہے، میرا پیالہ ہے، جس میں کھاتا ہوں، اور اس کو اپنے کپڑے اور سر دھونے کے لیے بھی استعمال کرتا ہوں۔ میرے ساتھ وضو اور پینے کے لیے پانی کا چھاگل (قربۃ) ہے۔ امیر المؤمنین! اس کے علاوہ دنیا اور کیا ہے؟ سب اس کے تابع ہے، بل کہ غیر ضروری ہے جس سے نہ مجھے کوئی سروکار ہونا چاہیے نہ کسی اور کو۔

حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا: کیا تم پیدل ہی چل کر آئے؟ عرض کیا: جی، امیر المؤمنین۔ فرمایا: کیا تمھیں امارت (گورنر ہاؤس) سے سواری کے لیے کوئی جانور نہیں دیا گیا جس پر سوار ہو کر آتے؟ عرض کیا: میں نے ان سے طلب نہیں کیا اور انھوں نے خود سے دیا نہیں۔ فرمایا: وہ مال کہاں ہے جو تم بیت المال کے لیے لے کر آئے؟ عرض کیا: میں کچھ بھی لے کر نہیں آیا، کیوں کہ جب میں حمص پہنچا تو وہاں کے صلحاء کو جمع کیا اور غنیمت کا مال جمع کرنے کی ذمہ داری ان کے حوالہ کر دی، لہٰذا جب کچھ مال جمع ہو جاتا تو اس کے سلسلے میں ان صلحاء سے مشورہ کرتا، پھر وہ مال اس

کے مستحقین تک پہنچا دیتا، یعنی ضرورت مندوں میں تقسیم کرا دیتا تھا۔

یہ سب سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے کاتب سے فرمایا: عمیر کے لیے حمص کی امارت (گورنری) کا دوبارہ نیا فرمان لکھو۔ حضرت عمیرؓ نے یہ سن کر کہا: امیر المؤمنین! وہ دن گئے... مجھے امارت نہیں چاہیے، یہ عہدہ اب کبھی بھی آپ کی طرف سے قبول کروں گا نہ کسی اور کی طرف سے۔

حضرت عمیرؓ کی فیملی مدینہ منورہ کے اطراف کی ایک بستی میں رہتی تھی وہاں جانے کے لیے حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کی، چناں چہ اجازت مل گئی اور وہ اپنے اہل خانہ سے جا ملے۔

ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ حضرت عمرؓ کو خیال آیا کہ اپنے ساتھی کی خیر خبر لینی چاہیے، چناں چہ اپنے معتمد لوگوں میں سے ایک شخص کو جن کا نام الحارث تھا، بلا کر کہا کہ عمیر بن سعد کے پاس جاؤ، ان سے اس طرح ملنا گویا کہ تم ان کے مہمان ہو، اور ان کے یہاں قیام کرنا۔ حضرت عمرؓ نے الحارث کو ایک تھیلی دی جس میں سو دینار تھے اور کہا کہ اگر عمیر کے یہاں ناز و نعمت کے آثار دیکھو تو دیکھ کر واپس آ جاؤ، اور اگر اقتصادی اور معاشی بدحالی نظر آئے تو یہ دیناروں کی تھیلی انھیں پیش کر دو۔

حضرت الحارث چل پڑے، حضرت عمیرؓ کی بستی میں پہنچ کر ان کا پتہ معلوم کر کے ملاقات کی، حضرت عمیر نے مدینے کے مسلمانوں اور امیر المؤمنین کے احوال دریافت کیے تو حضرت الحارث نے کہا کہ سب بخیر ہیں۔

الحارث نے تین روز تک ان کے ہاں قیام کیا، عمیرؓ ہر رات ان کی خدمت میں جَو کی ایک لِٹی پیش کرتے تھے بطور ضیافت کے۔ تیسرے روز قوم کے لوگوں میں سے

ایک شخص نے الحارث سے کہا کہ تم نے عمیرؓ اور ان کے اہل خانہ پر نا قابل تحمل بوجھ ڈال دیا ہے، وہ ہر روز یہی جو کی ایک لٹی تناول کر کے اسی پر گزر بسر کرتے تھے، جب سے تم ان کے ہاں مہمان ہوے ہو وہ خود بھوکے رہتے ہیں اور تمھیں اپنا کھانا پیش کر دیتے ہیں؛ لہٰذا اگر مناسب سمجھو تو میرے گھر آجاؤ، کیوں کہ وہ اب بھوک سے بد حال ہو چکے ہیں۔

اس وقت الحارثؓ نے دیناروں کی تھیلی نکالی اور حضرت عمیرؓ کی طرف بڑھایا تو انھوں نے کہا: یہ کیا ہے؟ کہا کہ امیر المؤمنین نے یہ دینار آپ کے لیے بھیجے ہیں۔ کہا کہ امیر المؤمنین کو یہ واپس کر دینا اور میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ عمیر کو ان کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی یہ باتیں سن کر حضرت عمیرؓ کی اہلیہ نے گھر کے اندر سے بآوازِ بلند کہا کہ اسے لیتے کیوں نہیں، اگر تمھیں ضرورت ہو تو خرچ کرنا اور اگر ضرورت نہ ہو تو یہاں ضرورت مند بھرے پڑے ہیں، ان میں تقسیم کر دینا۔

الحارثؓ نے جب ان کی اہلیہ کی بات سنی تو وہ تھیلی حضرتؓ عمیر کے سامنے پھینک کر واپس ہو گئے، پھر حضرت عمیرؓ نے انھیں لے کر ان کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بنائیں اور اس رات سوئے نہیں جب تک ان تمام تھیلیوں کو ضرورت مندوں میں تقسیم نہیں کر دیا، خصوصیت کے ساتھ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے بچوں میں زیادہ تقسیم کیا۔

حضرت الحارث مدینہ منورہ واپس آگئے، حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ کیا دیکھا؟ تو عرض کیا کہ نہایت سخت اور بد حالی کا منظر دیکھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ دینار انہیں دے دیے؟ تو کہا کہ جی دے دیے، کہا کہ پھر انھوں نے ان دیناروں کو کیا

کیا؟ عرض کیا کہ مجھے پتہ نہیں ہے، امیر المؤمنین! لیکن میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے ایک دینار بھی اپنے لیے رکھا ہو گا۔

حضرت عمرؓ نے پھر حضرت عمیرؓ کے نام خط لکھا کہ میرا خط ملتے ہی تم فوراً مدینے آکر مجھ سے ملو۔ چناں چہ حضرت عمیرؓ نے خط پڑھتے ہی مدینے کا رخ کر لیا، جب حضرت عمرؓ کی مجلس میں پہنچے تو انھوں نے نہایت ہی کشادہ دلی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے قریب بیٹھا کر سوال کیا: عمیر! تم نے ان دیناروں کو کیا کیا؟ جواب دیا کہ اب آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے؟ جب آپ نے وہ میرے لیے بھجوائے تھے تو بات ختم ہو گئی۔

حضرت عمرؓ بھی پیچھے پڑ گئے۔ کہا کہ تمھیں تو بتانا ہی ہو گا کہ ان کا کیا کیا؟ تو حضرت عمیرؓ نے کہا: میں نے اپنے لیے ذخیرے کے طور پر ان کو جمع کر دیا ہے تا کہ اس دن وہ میرے کام آئیں جس دن مال و اولاد کسی کے کام نہیں آئیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ آب دیدہ ہو گئے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ ان پر فاقہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد ان کے لیے ایک وَسَق طعام (تقریباً ۱۸۰ کلو) اور دو کپڑے دینے کا حکم جاری کیا۔ حضرت عمیرؓ نے کہا: امیر المؤمنین! ان اشیاء خوردنی کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ میں نے اہل خانہ کے پاس دو صاع (تقریباً چھ کلو) جو کا انتظام کر دیا تھا، جب تک یہ ختم ہو گا تب تک اللہ کوئی اور سبیل نکال دے گا۔ البتہ کپڑے ضرور لے لوں گا، کیوں کہ ام فلاں (یعنی ان کی بیوی) کا کپڑا اس قدر بوسیدہ ہو چکا ہے کہ اس کی ستر پوشی دشوار ہو رہی ہے۔

ابھی کوئی لمبا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت عمرؓ کو خبر ملی کہ ان کے اس زاہد

و متقی دوست کو اللہ نے اپنے جوار میں بلالیا۔ اس طرح حضرت عمیرؓ اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ سے جاملے جن سے ملاقات کے شوق میں دن گنا کرتے تھے۔

امارت (گورنری) جیسے منصب پر فائز ہوے؛ لیکن دنیا انھیں بدل نہیں سکی، زاہدانہ زندگی بسر کرتے رہے، اور تقویٰ اور پرہیز گاری، عبادت وریاضت، حُبّ الٰہی اور حب نبوی کا نور اپنے ساتھ لیے ہوے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے ان کی وفات کی خبر سن کر نہایت غم زدہ ہو کر کہا:

«وَدِدتُ أَنَّ لِيْ رِجَالًا مَثْلَ عُمَيْر بْنِ سَعْدٍ أَسْتَعِيْنُ بِهِمْ فِيْ أَعْمَالِ الْـمُسْلِمِيْنَ».

"میری دلی خواہش تھی کہ مجھے عمیر بن سعد جیسے لوگ میسر آتے جن سے مسلمانوں کے کام میں مجھے مدد ملتی"۔[صور من حیاۃ الصحابۃ]

"جامعۂ نبویہ" کے یہ باکمال اور امتیازی خصوصیات کے حامل فضلائے کرام تھے، جنھوں نے آخرت کو دنیا پہ ترجیح دی تھی اور اللہ ورسول ﷺ کی طاعت ومحبت کو ماسوا پہ ترجیح دے کر مہر ووفا اور تسلیم ورضا کی ایسی درخشاں یادیں چھوڑیں ہیں جنھیں کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اور جو دوسروں کے لیے قیامت تک مشعل راہ ثابت ہوں گی۔

رضي الله عن عمير بن سعد وعن الصحابة أجمعين وأرضاهم

❊ ❊ ❊

۱۴۳۶/۶/۱۲ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

مقامِ والدین اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک

انسان کی سعادت مندی اور خوش بختی کی اہم ترین اور واضح ترین علامات میں سے ایک یہ ہے کہ اسے اپنے والدین کی رضا نصیب ہو جائے، وہ اپنے والدین کے ساتھ احسان واکرام اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرتا ہو، ان کے لیے دعا واستغفار کرتا ہو، ان کو خوش رکھنے کی فکر میں لگا رہتا ہو، کیوں کہ والدین کے ساتھ حسنِ معاملہ، اجر وثواب کے ان کارہائے نمایاں میں سے ہے جن میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام، اولیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کے تقویٰ شعار اور پاکباز بندے پیش پیش رہے ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا معاملہ اپنے والدین کے ساتھ

قرآنِ کریم کی سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ذکر کی گئی ہے، جب انھوں نے اللہ سے مغفرت طلب کی تو اپنے والدین کے لیے خصوصیت کے ساتھ دعا مانگی:

﴿ رَّبِّ ٱغۡفِرۡ لِي وَلِوَٰلِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيۡتِيَ مُؤۡمِنٗا وَلِلۡمُؤۡمِنِينَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ وَلَا تَزِدِ ٱلظَّٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارٗا ﴿٢٨﴾ ﴾ [نوح: ۲۸]

"اے میرے رب! آپ مجھے اور میرے ماں باپ اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دیجیے"۔ [نوح:۲۸]

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تو اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طاعت میں انتہا کر دی، یہاں تک کہ ان کے حکم پر اپنی جان تک فدا کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو بار بار "ابا جان" کہہ کر نہایت ادب واحترام سے نصیحت کی، جب انھوں نے بیٹے کو زوردار دھمکی دی تب بھی ان کو سلامتی کی دعا دی اور کہا کہ میں تو آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے کہا:

﴿ وَبَرًّۢا بِوَٰلِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ ﴾ [مريم: ١٤]

ترجمہ: "اور اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا تھا، وہ سرکش اور گنہ گار نہ تھا"۔[سورۂ مریم:۱۴]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَبَرًّۢا بِوَٰلِدَتِى وَلَمْ يَجْعَلْنِى جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ ﴾ [مريم: ٣٢]

"اور اللہ نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے، اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں کیا"۔[سورۂ مریم:۳۲]

اسی آیت کے پیش نظر بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو والدین کا نافرمان ہو گا وہ یقیناً سرکش اور بدبخت ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اولاد کے اوپر جو ماں باپ کے حقوق ہیں، انھیں کوئی شمار ہی

نہیں کر سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ کی اپنے اولاد کے تئیں جو قربانیاں ہیں انھیں کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

والدین کے سلسلے میں قرآنِ کریم کا واضح حکم

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو واجب قرار دیا ہے، ان کی عزت و تکریم کا اور ان کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آنے کا حکم فرمایا ہے، بالخصوص اس وقت جب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں، انھیں جھڑکنے سے اور ان کے سامنے بے ادبی سے سخت منع کیا ہے، یہاں تک کہ ''اُف'' کہنا بھی گوارا نہیں فرمایا، ان کے سامنے تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آنے اور ان کے لیے دعائیں کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ ٱلْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَٱخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ ٱلذُّلِّ مِنَ ٱلرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ٱرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِى صَغِيرًا ﴿٢٤﴾﴾

[الإسراء: ٢٣ – ٢٤]

''اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اُف تک نہ کہو، اور نہ انھیں جِھڑکو، بل کہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔ اور ان کے ساتھ محبت کا

برتاؤ کرتے ہوے ان کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ، اور یہ دعا کرو کہ یارب! جس طرح انھوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجیے"۔[سورۂ بنی اسرائیل، آیات:۲۳-۲۴]

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم صرف نیک اور صالح والدین کے ساتھ نہیں ہے، بل کہ اگر فاسق وفاجر ہوں، یہاں تک کہ اگر کافر ومشرک ہوں پھر بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ہے، البتہ اگر وہ کفر وشرک یا کسی اور گناہ کا حکم دیں تو یہاں ان کی اطاعت نہیں کرنی ہے، کیوں کہ خالق کی معصیت کرکے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

﴿ وَإِن جَٰهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشۡرِكَ بِي مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٞ فَلَا تُطِعۡهُمَاۖ وَصَاحِبۡهُمَا فِي ٱلدُّنۡيَا مَعۡرُوفٗاۖ ﴾ [لقمان: ١٥]

"اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک قرار دو جس کی تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات مت مانو، اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے رہو"۔[سورۂ لقمان، آیت:۱۵]

احادیثِ شریفہ میں والدین کا مقام

والدین کے مقام ومرتبہ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلے میں مُتعدّد احادیث میں تاکید آئی ہے، یہاں صرف دو حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوے سنا:

«الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذَلِكَ

الْبَابَ، أَوِ احْفَظْهُ». [ترمذی]

"باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اگر تم چاہو تو اس دروازے کو ضائع کر دو، اور اگر چاہو تو اس کی حفاظت کرو"۔[ترمذی شریف]

حضرت معاویہ بن جاہمہؓ سے روایت ہے کہ جاہمہؓ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کیا:

یارسول اللہ! میرا ارادہ ہے جہاد میں جانے کا، آپؐ سے مشورے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا تیری ماں زندہ ہے؟"، عرض کیا کہ جی زندہ ہیں، فرمایا: «الْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا».

ترجمہ: "پس تو اسی کے ساتھ رہ، کیوں کہ اسی کے پاؤں تلے جنت ہے"۔

یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت اور ان کی رضامندی تیرے لیے دخولِ جنت کا سبب اور ذریعہ ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا والدین کے ساتھ بالخصوص والدہ کے ساتھ حسن سلوک

حضراتِ صحابۂ کرامؓ جو مدرسۂ نبوت کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے، سارے ہی اپنے والدین کی قدر و منزلت سمجھتے اور ان کی خدمت کو باعثِ عز و شرف سمجھتے تھے، خاص طور سے اپنی ماؤں کے سامنے تو خود کو بچھا دیتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

"نبیٔ اکرم ﷺ کے اصحاب میں دو شخص اپنی ماؤں کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والوں میں تھے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون

ہیں؟ تو فرمایا: عثمانؓ بن عفان اور حارثہؓ بن النعمان۔ حضرت عثمان کہتے تھے کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے تب سے اپنی والدہ کی طرف نگاہ اٹھا کر نظر بھر کر نہیں دیکھ سکا۔ اور حضرت حارثہ کا حال یہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے اپنی والدہ کو کھانا کھلاتے تھے۔ [رواہ ابن ابی الدنیا فی مسندہ]

حضرت ابوہریرہؓ کو اپنی والدہ سے شدید محبت تھی، جب اسلام قبول کیا تو اپنی والدہ کو بھی اسلام کی دعوت دینے لگے؛ لیکن وہ قبول کرنے سے انکار کرتی رہیں، یہاں تک کہ ایک روز انھوں نے حضور ﷺ کی شان میں نازیبا جملہ استعمال کر دیا جو حضرت ابوہریرہؓ پر بہت گراں گزرا، چناں چہ روتے ہوے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی والدہ کو میں اسلام کی دعوت دیتا تھا، وہ انکار کر دیتی تھیں؛ لیکن آج جب انھیں دعوت دی تو مجھے آپ کے سلسلے میں نازیبا لفظ سنا دیا جو مجھے بہت برا لگا، آپ میری والدہ کی ہدایت کے لیے دعا فرما دیجیے، چناں چہ حضور ﷺ نے دعا دی:

«اللَّهُمَّ اهْدِ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ». ''اے اللہ! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما''۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی دعا سن کر میں خوشی خوشی باہر نکلا، جب اپنے گھر کے دروازے کے قریب پہنچا تو والدہ نے میرے قدموں کی آہٹ سن کر کہا:

''ابوہریرہ! ٹھہر جاؤ''۔ میں رک گیا، اور پانی کی خرخراہٹ سنی، والدہ دراصل غسل کر رہی تھیں، انھوں نے غسل کیا، اور کپڑے پہن کر دروازہ کھولا،

پھر کہا: ابوہریرہؓ! «أَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلا اللهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ». [مسلم]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، میں لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور! بشارت ہو، اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور میری ماں کو ہدایت عطا فرمادی، حضور ﷺ نے الحمدللہ کہا اور فرمایا بہت اچھے۔[مسلم شریف]

سلف صالحین ـــــ ماں باپ کی خدمت اور عقیدت واحترام

حقیقت یہ ہے کہ والدین کے ساتھ اعلیٰ سلوک یہ محض کوئی محاضرہ یا درس نہیں ہے، یا کوئی کتاب نہیں ہے جسے پڑھ لیا جائے، یہ ایک صحیح تربیت، محبت اور عقیدت ہے جو اگر دل میں اتر جائے تو اس کے اثرات کردار و عمل میں نظر آتے ہیں۔

عبداللہؒ بن جعفر المروزی کہتے ہیں کہ میں نے ایک محدّث کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ انھوں نے تحصیل علم کے لیے سفر کا ارادہ کیا تو ان کی والدہ نے منع کر دیا، والدہ کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے علم عطا کیا اور اس میں خوب برکت بھی دی۔

حضرت طلقؒ بن حبیب اپنی ماں کے سر کا بوسہ دیتے تھے، اوران کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے جس گھر میں ہوتی تھیں اس کی چھت پر نہیں چڑھتے تھے۔

حضرت عمرؒ بن ذر سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے بیٹے کا آپ کے ساتھ کیا سلوک ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب کبھی دن میں ہم دونوں ساتھ چلتے ہیں تو وہ میرے پیچھے پیچھے چلتا ہے، جب رات ہوتی ہے تو وہ میرے آگے آگے چلتا ہے، اور جس چھت

کے نیچے میں بیٹھا ہوں وہ اس پر ہر گز نہیں چڑھتا۔

حضرت عامر بن عبد اللہ بن الزبیر کہتے ہیں کہ جب میرے والد گرامی کا انتقال ہو گیا تو ایک سال تک میں نے صرف ان کی مغفرت کے لیے دعا کی، اللہ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگا۔

اللہ کے نزدیک محبوب ترین اعمال

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین اعمال میں سے ہے، اسی لیے جب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا:

«أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟»، ''اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کیا ہے''؟ آپؐ نے فرمایا: «الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا» ''نماز کو اس کے وقت پہ ادا کرنا''۔ پھر عرض کیا کہ اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «بِرُّ الْوَالِدَيْنِ» ''والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا''۔[بخاری و مسلم]

ان تمام تعلیمات کی روشنی میں اولاد کو اپنے والدین کے تئیں اپنے سلوک اور رویّہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے، ان کی راحت رسانی، خدمت گزاری اور حصول رضامندی کو اپنا نصب العین بنانا چاہیے، ان کی خدمت خواہ مادی ہو یا معنوی ہو، بجالانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھنی چاہیے، بچپن کے ان کے احسانات کو زندگی کے کسی لمحے میں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے، وہ وقت ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے جب ہم اپنی کوئی ضرورت خود سے پوری نہیں کر پاتے تھے، ماں اپنے سینے سے لگا کر ہمیں خوراک

دیتی تھی، ہمارے جسم کی غلاظت نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے دور کرتی تھی، وہ اس لیے نیند سے محروم رہتی تھی تاکہ ہم آرام کی نیند سو سکیں، اپنی بیماری کو بھول کر ہمارا خیال کرتی تھی، ہماری تکلیف سے ہم سے زیادہ والدین کو اذیت محسوس ہوتی تھی، ہماری مسکراہٹ سے ان کے چہروں پر مسکراہٹ رہتی تھی، ہماری اداسی سے وہ اداس رہتے تھے۔

فَإِنَّ لِلْوَالِدَيْنِ حَقًّا عَلَيْنَا بَعْدَ الْإِلٰهِ فِيْ الْاِحْتِرَامِ
اَوْجَدَانَا وَرَبَّيَانَا صِغَارًا فَاسْتَحَقًّا نِهَايَةَ الْإِكْرَامِ

''احترام و تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد والدین کا ہمارے اوپر حق ہے، انہوں نے ہمیں وجود بخشا اور بچپن میں ہماری تربیت فرمائی، اس لیے بہ جا طور پر وہ ہمارے بھرپور اعزاز واکرام کے مستحق ہیں''۔

بدقسمت اولاد

اس سے بڑا بدقسمت کون ہوگا جو والدین جیسی محسن ہستیوں کے احسان کو نہ صرف فراموش کردے؛ بل کہ ان کی اذیت اور پریشانی کا سبب بنے، اس سے بڑا بدبخت کون ہوگا جو اپنے دوستوں سے، بیوی بچوں سے اور دیگر ملنے جلنے والوں سے تو مسکراکر اور حسنِ اخلاق کے ساتھ معاملہ کرے اور اپنے والدین سے بدزبانی، بد اخلاقی اور سختی سے پیش آئے۔ اپنے اہل وعیال پر تو نہایت سخاوت اور فراخ دلی کے ساتھ خرچ کرے؛ لیکن والدین کے ساتھ بخالت کا معاملہ کرے اور ایک ایک چیز کا حساب کرے۔

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ» قِيلَ: مَنْ يَا رَسُولَ الله؟ قَالَ: «مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَوْ أَحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلْ الْجَنَّةَ». [صحيح مسلم]

”ذلیل ہو وہ شخص، ذلیل ہو وہ شخص، پھر ذلیل ہو وہ شخص“ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کون شخص؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو اپنے والدین کو یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے کی عمر میں پائے اور (ان کی رضامندی حاصل کر کے) جنت میں داخل نہ ہو سکے“۔[مسلم شریف]

میں نے ایسے بوڑھے والدین بھی دیکھے ہیں جن کی اولاد نے اپنی بد سلوکی، نافرمانی اور بد تمیزی کی وجہ سے رونے پر مجبور کر دیا، ان کے دل کو ایسا زخمی کیا کہ آہیں بھر بھر کے آنسو بہاتے رہے، کاش کہ یہ لوگ سمجھتے کہ والدین کے آنسو کے قطرے ان کے لیے آگ کا شعلہ بن کر ان کے چین و سکون کو خاکستر کر دیں گے، قارون کا خزانہ بھی انھیں میسر آجائے تب بھی ان کی زندگی میں راحت نہیں مل سکتی۔ صادق ومصدوق ﷺ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

«كُلُّ الذُّنُوْبِ يُؤَخِّرُ اللهُ منهَا مَا يَشَاءُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا الْبَغْيَ وَ عُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ، أَوْ قَطِيْعَةَ الرَّحِمِ، يُعَجِّلُ اللهُ لِصَاحِبِهَا فِيْ الدُّنْيَا قَبْلَ الْمَوتِ». [أبوداؤد، ترمذي، أحمد، ابن ماجه]

”ہر گناہ میں سے جس کو اللہ چاہتے ہیں قیامت تک مؤخر کر دیتے ہیں، (یعنی گناہ کے اوپر مرتب ہونے والی سزا کو) سوائے ظلم، قطع رحمی اور والدین کی

نافرمانی کے، کہ اس کی سزا موت سے پہلے دنیا میں ہی دے دیتے ہیں"۔

[ابوداؤد، ترمذی، احمد، ابن ماجہ]

والدین کی وفات کے بعد حسن سلوک کا طریقۂ کار

جس طرح والدین کی زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، اسی طرح ان کی وفات کے بعد بھی۔ اس کے مختلف طریقۂ کار اور اسالیب ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک انصاری صحابیؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے والدین کے انتقال کے بعد بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک باقی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ! الصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا، وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لَا تُوصَلُ إِلَّا بِهِمَا، وَإِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا». [أبوداؤد]

"ہاں، ان کے لیے دعا کرنا، اللہ سے ان کے لیے مغفرت طلب کرنا، ان کے بعد ان کے کیے ہوے عہد وپیمان کو پورا کرنا، ان خونی رشتوں کی پاسداری کرنا اور انھیں قائم رکھنا جن کے سبب والدین ہیں، اور ان کے دوستوں کی عزت وتکریم کرنا"۔[ابوداؤد]

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حقیقی حسن سلوک کا وقت تو ان کی وفات کے بعد ہی شروع ہوتا ہے جو کسی طرح کے دکھاوے اور ریاء سے دور ہوتا ہے، کیوں کہ اب جو کچھ ان کے لیے کیا جائے گا وہ مخلصانہ ہی ہوگا، اس میں ان سے کسی چیز کے

حصول کی طمع یا کسی دوسری غرض کی آمیزش نہیں ہوگی، اس لیے ان کے لیے کثرت سے دعا کرنا، ان کی طرف سے صدقہ کرنا، ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنا اور دیگر نیکی کے جتنے کام ہوسکتے ہوں وہ کرکے ان کے وسیلے سے ان کے لیے دعا کرنا شرعاً مطلوب ہے۔ نیک کاموں کے وسیلے سے دعا کرنے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں جیسا کہ ان تین شخصوں کے قصے سے معلوم ہوتا ہے جو کسی غار میں تھے کہ اچانک بڑی چٹان نے انھیں ڈھانک لیا۔ اب ان کے نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی، پھر ہر ایک نے اپنے نیک عمل کے وسیلے سے دعا کی، ایک نے والدین کی خدمت کے وسیلے سے، دوسرے نے اپنی سخاوت اور تیسرے نے خوفِ خدا کے وسیلے سے، چناں چہ ان کی دعائیں قبول ہوئیں اور وہ چٹان ہٹ گئی اور وہ تینوں سلامتی کے ساتھ باہر آگئے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے اہل تعلق کا خیال رکھا جائے، ان کے ساتھ خوش اخلاقی اور خدمت گزاری اور تواضع وانکساری کا برتاؤ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مکہ کے راستے میں ایک بدو شخص ملا، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اسے سلام کیا، جس گدھے پر سوار تھے اس پر اسے سوار کیا اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر اسے عنایت کیا۔ ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اللہ آپ پر رحم کرے! یہ تو اعرابی لوگ تھوڑے پہ راضی ہو جاتے ہیں (حالاں کہ آپ نے ان کے اعزاز واکرام میں انتہا کر دی) تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: اس شخص کے والد دراصل عمر بن الخطابؓ (یعنی میرے والد) کے دوست تھے، اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الْوَلَدِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ». [صحيح مسلم]

''سب سے بڑی نیکی اولاد کا اپنے باپ کے اہل تعلق کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے''۔[مسلم شریف]

یااللہ! ہمارے والدین پہ رحم فرما، جو وفات پاچکے ہیں ان کی مغفرت اور انھیں اپنی رضا عطا فرما، جو حیات سے ہیں انھیں عافیت کے ساتھ، ایمان واعمال پہ قائم رہتے ہوے عمرِ دراز نصیب فرما۔

❊ ❊ ❊

۱۴۴۰/۶/۲۱ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سعادت مند اسلامی گھرانہ

ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا گھر خوشیوں اور سعادتوں کا گہوارہ ہو، گھر میں جسم وجان اور دل ودماغ کو راحت وسکون ملے، اس کے گھر میں ایسا پرامن ماحول ہو اور ایسی محبت بھری فضا ہو جس میں پرورش پانے والے جگر کے ٹکڑے جسمانی راحت کے ساتھ نفسیاتی اور قلبی چین وسکون بھی محسوس کریں اور گھر کے صالح ماحول سے متأثر ہو کر خود بھی صالح اور نیک بخت انسان بنیں۔

سعادت مند گھرانے کے لیے دو بنیادی عناصر

اس طرح کی روح پرور، صحت افزا اور ایمان افروز فضا کے لیے دو بنیادی ستون ہیں جن کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَمِنۡ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنۡ خَلَقَ لَكُم مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ أَزۡوَٰجٗا لِّتَسۡكُنُوٓاْ إِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُم مَّوَدَّةٗ وَرَحۡمَةٗۚ ﴾ [الروم: ۲۱]

”اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے

بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کے پاس جاکر سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھ دیے"۔[سورۃ الروم، آیت:۲۱]

بنیادی طور پر گھر کا قیام دو شخصوں کے ذریعہ ہوتا ہے، ایک شوہر دوسرے اس کی بیوی، اس قیام کے بعد اس کے گھر کے چین وسکون اور خیر وبرکت کے لیے دو بنیادی عناصر ہیں: ایک مودت ومحبت، یعنی زوجین کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت واحترام ہو، جس کا لازمی نتیجہ رضامندی اور سعادت مندی ہے۔ دوسرا عنصر رحمت وہم دردی اور ایک دوسرے کی تکلیف اور درد وغم کو سمجھنا اور ایک دوسرے کے کام آنا ہے، یہ دونوں عناصر جس گھر میں ہوں گے اس گھر میں راحت وآرام اور چین وسکون کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آئے گا۔

لیکن اگر خدانخواستہ ازدواجی زندگی میں ان دونوں عناصر کا فقدان ہو، تو گھر کا سکون واطمینان غارت ہو جاتا ہے، جس گھر میں پیار ومحبت، شفقت واحترام اور ہم دردی وغم خواری نہ ہو، اس گھر میں مشکلات اور کشیدہ تعلقات کے سوا کچھ نہ ہو گا، مرد وعورت کی زندگی کی خوشیاں ختم ہو جائیں گی، یہاں تک کہ ہر شخص خود اپنی ذات سے بھی نفرت کرنے لگے گا۔

گھر ایک عظیم نعمت

گھر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بیش بہا نعمت ہے، اس کی قدر وقیمت ان سے پوچھیے جو اس سے محروم ہیں؛ جن کی زندگیاں قید وبند کی نذر ہو گئیں، یا اپنے وطن سے دور جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، یا جنگلات اور صحراؤں میں خانہ بدوشانہ زندگی

گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنۢ بُيُوتِكُمۡ سَكَنٗا ﴾ [النحل: ۸۰]

''اور اللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا''۔

[النحل:۸۰]

اپنی ضروریات کے لیے باہر نکلنا ایک ناگزیر امر ہے؛ لیکن کچھ وقت باہر گزارنے کے بعد انسان اپنے گھر کی کشش محسوس کرنے لگتا ہے، پھر گھر پہنچ کر راحت وسکون کا سانس لیتا ہے۔

گھر کی اصلاح... راہِ سعادت ونجات

افراد کی کامیابی، کامرانی اور توفیق وسعادت کا دار ومدار گھر کی اصلاح پر ہے، جو گھرانے ایمانی اور اخلاقی تربیت گاہیں بن جائیں، جہاں تلاوتِ قرآن اور اذکار واَوراد کا ماحول ہو، گناہوں سے بچنے کی تاکید ہو، فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات پہ عمل ہو۔ ایسے ہی گھرانوں سے صالح افراد وجود میں آتے ہیں، جن سے صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

گھر، حقیقت میں میاں اور بیوی کے کاندھوں پر ایک عظیم امانت ہے، گھر کا کارواں ان ہی کی راہ نمائی میں اپنی کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہے۔

پس اگر میاں بیوی اپنے کردار وگفتار میں نہجِ الٰہی پر گامزن ہو جائیں، اپنے ظاہر وباطن کو بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار سے سنوار لیں تو ان کا گھر ایسی نورانی فضا میں تبدیل ہو جائے گا جس کی درخشاں کرنیں دور دور تک پہنچ کر روشنی مہیا کریں گی، پھر وہ گھر ایک صالح نسل کی تعمیر، پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل اور ترقی یافتہ تہذیب وتمدن کا

گہوارہ بنے گا، جس کی ابتدا زوجین کے درمیان محبت واحترام سے ہوتی ہے۔

سعادت مند گھرانہ وہی ہوگا جس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی گئی ہو، جس کا قیام اللہ کی وحدانیت پر ہو، جہاں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور اسی کی واحد ذات پر توکل اور اسی سے استعانت کی تعلیم دی جاتی ہو۔

خوش بخت گھرانہ وہی ہوگا جو فطرتِ انسانی کی حفاظت گاہ ہو، جس فطرت پہ بچہ پیدا ہوا، اس سے انحراف کی راہیں وہاں مسدود ہوں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ». [صحيح البخارى]

"ہر پیدا ہونے والا (بچہ) فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے والدین اس کو یہودی بنادیتے ہیں، یا نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بنادیتے ہیں"۔ [بخاری شریف]

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے:

"عام طور پر بچوں میں بگاڑ اور انحراف ان کے والدین کی طرف سے آیا ہے، ان کی لاپرواہی اور دین کے فرائض وسنن کی تعلیم نہ دینے کی وجہ سے۔ انہوں نے بچپن میں انھیں ضائع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے ہوکر انہوں نے اپنے والدین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا"۔

بچوں کے لیے بہترین نمونہ بنیں

ہر مسلم گھرانے کو یہ دردمندانہ پیغام ہے کہ گھروں میں اولاد کی صالح تربیت کا ماحول بنائیں، اور یہ تب ہی ہوگا جب والدین ان کے لیے صالح نمونہ بنیں، عبادات،

اخلاقیات، معاملات، معاشرت، ظاہر وباطن اور قول وفعل میں ان کے لیے قابل تقلید نمونہ پیش کریں۔ سچائی، امانت داری اور وفاشعاری کا عملی درس دیں، بدزبانی اور ہرزہ سرائی سے بچنے کی کوشش کریں، عفت وپاک دامنی اور شرم وحیا کا پیکر خود بنیں، رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور مہمان نوازی اور سخاوت وفیاضی اپنا معمول بنائیں تاکہ بچوں میں یہ عادتیں منتقل ہوں۔ انبیائے کرام علیہم السلام، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحائے امت کے منتخب قصے سنائیں تاکہ ان کے دلوں میں ان کے احترام کے ساتھ اللہ کی محبت وعظمت اور خوفِ خدا پیدا ہو۔

چند صالحین کے مثالی گھرانے

حبیب العجمی بن محمد کی اہلیہ محترمہ نے ایک رات دیکھا کہ حبیب سوئے ہوے ہیں، تو سحر کے وقت انہیں بیدار کرتے ہوے کہا:

"اللہ کے بندے! اٹھو، رات گئی اور دن آگیا، اور تمہارے سامنے راستہ بہت لمبا ہے اور توشہ تھوڑا ہے، صالحین کے قافلے جاچکے اور ہم جہاں تھے وہیں رہ گئے"۔

القاسم بن راشد الشیبانی کہتے ہیں کہ ربیعہ بن صالح کی ضیافت کا ہمیں ایک مرتبہ شرف ملا، ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور بچیاں بھی تھیں، ربیعہ تہجد گزار تھے، رات کو لمبی لمبی نمازیں ادا کرتے تھے، جب سحر کا وقت قریب ہوتا تو بلند آواز سے کہتے:

"اے سونے والے مسافرو! کیا پوری رات سوکر ہی گزار دوگے، کیا اٹھ کر سفر کی تیاری نہیں کروگے؟ ان کی اس للکار کے بعد سب اپنے بستروں سے کود

پڑتے، پھر کیا تھا؟ ادھر کوئی دعا کر رہا ہے، ادھر کوئی رو رہا ہے، ایک طرف کوئی قرآن کی تلاوت کر رہا ہے، اور کوئی وضو کر رہا ہے...“۔

پھر جب صبح ہوتی تو کہتے: «عِندَ الصَّبَاحِ يَحْمَدُ الْقَوْمُ السُّرى» ”مسافرانِ شب کو ہی صبح بہار زیب دیتی ہے“۔[التہجد وقیام اللیل لابن ابی الدنیا]

ابراہیم بن وکیع کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب رات کو نمازیں ادا فرماتے تھے، ان کی اس عادتِ شریفہ کا اثر یہ تھا کہ گھر کا کوئی فرد ایسا نہیں ہوتا جو شب بیدار نہ ہو، یہاں تک کہ ہماری باندی بھی اٹھ کر نماز ادا کرتی تھی“۔

ابن عثمان نہدی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”حضرت ابو ہریرہؓ، ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کے ملازم رات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اپنی اپنی باری مقرر کر لیتے تھے، اس طرح گھر میں پوری رات کوئی نہ کوئی نماز پڑھ رہا ہوتا“۔

یہ وہ مبارک اور سعادت مند گھرانے تھے جو اپنی سیرت و کردار میں مومن اور اندر سے نہایت مضبوط، ان کے مکین قلبی راحت و سکون کی زندگی بسر کرتے تھے؛ بل کہ دوسروں کے لیے بھی اسوہ اور نمونہ تھے۔

خاندانوں کی تباہی کے اسباب

بچوں میں فطری طور پر تقلید اور نقالی کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے، چناں چہ ہر بچہ سب سے پہلے اپنے والدین کی نقالی اور تقلید کرتا ہے، اگر وہ اچھی عادات واطوار کے خوگر ہیں تو بچوں میں یہ چیزیں غیر محسوس طریقے سے منتقل ہوتی ہیں، اور اگر اس کے برعکس بری عادات، بدزبانی اور بدسلوکی کا نمونہ پیش کرتے ہیں تو بچوں کا متأثر ہونا

ناگزیر ہے، جب باپ اپنے بچوں کی تربیت سے غافل ہو گا، بیوی پر صالح قوامیت اور حسن معاملہ سے دست بردار ہو گا، اپنے بچوں کو بدکردار دوستوں کی صحبت سے نہیں روکے گا، اسی طرح ماں اپنے فرائضِ منصبی سے ہاتھ دھو بیٹھے گی، نئی نسل کی تربیت کے لیے اسے فرصت نہیں ملے گی تو بچوں کا تباہی کے راستے پر چلنا اور نتیجۃً خاندان کا اجڑنا اور تباہ ہونا یقینی امر ہے۔

گھر کا ماحول اگر کینہ وحسد، بغض وعناد، مشکلات ومخاصمات اور گالی گلوچ کا ہو، ماں باپ بات بات میں لڑتے ہوں، جھگڑتے ہوں تو ان سب کا اثر اس گھر میں پرورش پانے والے بچوں پر پڑنا کوئی اَن ہونی بات نہیں ہے۔

جس گھرانے کی بنیادیں ایمان ویقین، قرآنی منہج اور نبوی اخلاق وکردار پر قائم نہ ہوں، اور جہاں الفت ومحبت اور ہم دردی اور بہی خواہی نہ ہو، اس گھرانے میں جنم لینے والے عناصر نفسیاتی کم زوری، فکری بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط میں مبتلا ضرور ہوں گے۔

سعادت مند گھرانے کی حقیقی پہچان

خوش بخت گھرانے کی پہچان یہ ہے کہ اس میں رہنے والوں کو اللہ کے ذکر میں انسیت اور لذت محسوس ہوتی ہے، گھر کو ذکرِ الٰہی سے آباد رکھتے ہیں، کیوں کہ گھر کی حقیقی اور معنوی زندگی ذکر الٰہی میں مضمر ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِي يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ وَالْبَيْتِ الَّذِي لَا يُذْكَرُ

اللهُ فِيهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ». [صحيح مسلم]

''جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور جس گھر میں نہیں کیا جاتا، دونوں گھروں کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے''۔[مسلم شریف]

دوسری روایت میں ہے:

«اجْعَلُوا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا».

[صحيح مسلم]

''اپنی کچھ (نفلی) نمازیں اپنے گھروں میں ادا کیا کرو، اور گھروں کو قبر نہ بناؤ''۔[مسلم شریف]

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلَاةِ فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّ خَيْرَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ». [بخاری ومسلم]

''اپنے گھروں میں ضرور نمازیں پڑھو، کیوں کہ آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جو گھر میں ہو، سوائے فرائض کے'' (کہ انھیں مساجد میں ادا کرنا افضل ہے)۔ [بخاری ومسلم]

لہٰذا ہر گھر کی حقیقی زندگی ذکر اللہ اور نمازوں سے ہے، کیوں کہ اگر یہ نہ ہو تو وہ گھرانے مردہ دل انسانوں کی قبروں کے مانند ہوں گے۔

سعادت مند گھرانے کی ایک پہچان یہ ہے کہ اہل خانہ، طاعت، عبادت میں ایک دوسرے کے متعاون اور مددگار بنتے ہیں؛ لہٰذا شوہر کے ایمان واعمال کی کمزوری کو نیک بخت بیوی دور کرتی ہے اور بیوی کی کج روی وبدسلوکی کو شوہر دور کرتا ہے، گھر کا

ماحول نصیحت، خیر خواہی اور ہم دردی پر مبنی ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

«رَحِمَ اللهُ رَجُلًا قَامَ مِنْ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنْ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ، وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلَّى، فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ». [أبوداؤد]

"اللہ رحم کرے اس مرد پر جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے، پھر وہ بھی نماز پڑھے، لیکن اگر وہ جگانے کے باوجود نہ اٹھے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک دے۔ اور اللہ رحم کرے اس عورت پر جو رات کو اٹھ کر نماز ادا کرے اور اپنے شوہر کو بھی جگائے، پھر وہ بھی نماز ادا کرے، لیکن اگر جگانے کے باوجود نہ اٹھے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک دے"۔ [أبوداؤد]

سعادت مند خانوادہ وہ ہے جو علم و عمل اور تعلیم و تعلّم کے بنیادی عناصر پر قائم کیا گیا ہو، جس میں علم وذکر کے حلقے لگتے ہوں، چناں چہ سارے اہل خانہ، پاکی وناپاکی، نماز اور روزے، زکات وصدقات اور اعلیٰ اخلاق وکردار کے احکام وآداب سیکھتے اور سکھاتے ہوں۔

اس گھر کے اساس میں شرم وحیاء کا خمیر ملا ہوا ہو، حشمت وحیاء کے خلاف کوئی کام نہ ہو رہا ہو، جس گھر میں ایسے مناظر ومشاہد اور ایسی فحش گوئی وبدزبانی سے یکسر پرہیز کیا جاتا ہو جو حیاء کی باریک چادر کو تار تار کر دیں۔

سعادت مند فیملی کی ایک نمایاں علامت یہ بھی ہے کہ گھر کے اندر کے راز واسرار محفوظ رہتے ہوں، خدانخواستہ اگر کوئی اختلاف بھی ہو تو اس پر پردہ داری ہو،

شوہر کی طرف سے اس کا افشاء ہو نہ ہی بیوی کی طرف سے، مجالس کی حرمت کی حفاظت ضروری ہے۔ گھر کے اندر انجام پانے والے کام، بالخصوص وہ امور جن کا تعلق میاں بیوی کے مابین "معاشرت" سے ہے ان کے افشاء کو اسلام نے خیانت سے تعبیر کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْأَمَانَةِ عِنْدَ الله يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا». [صحيح مسلم]

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم ترین امانت (میں خیانت) میں سے یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی تک پہنچے اور بیوی مرد تک پہنچے (یعنی ازدواجی تعلقات قائم کریں) پھر مرد اس کے راز کو فاش کر دے"۔ [مسلم شریف]

ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کے راز کا افشاء کرنا، دلوں میں نفرت وعداوت کا بیج بونے کے مرادف ہے، جو باہمی محبت وہم دردی کی دیواروں کو منہدم کرنے والا ہے۔

ان مذکورہ آداب واصول کی روشنی میں جس مبارک خانوادے کی تشکیل ہو گی، ان شاء اللہ وہ ایسا خوش بخت اور سعادت مند؛ بل کہ سعادت آفریں گھرانہ ہو گا جس میں پرورش پانے والے نونہال بچے اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دنیا وآخرت میں ان کے لیے نفع رساں بنیں گے، اور صالح اسلامی معاشرے کے قیام میں حصہ دار بنیں گے۔

❊ ❊ ❊

۱۴۳۴/۲/۱۵ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

حسن اخلاق اور اس کے ارکان

امام ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ سب سے زیادہ کس وجہ سے جنّت میں داخل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کا تقویٰ اور اچھے اخلاق کی وجہ سے۔ یہ دریافت کیا گیا کہ لوگ سب سے زیادہ جہنم میں کس وجہ سے داخل ہوں گے؟ تو فرمایا کہ منہ یعنی زبان اور شرم گاہ کی وجہ سے''۔

ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا». [البخاری]

ترجمہ: ''تم میں سے زیادہ پسندیدہ لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں''۔[بخاری شریف]

ایک حدیث میں ہے کہ:

''قیامت کے روز بندے کے نامۂ اعمال کے ترازو میں حسنِ اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں بدزبان اور فحش گو شخص کو''۔[سنن ترمذی]

قومیں، اپنے اخلاق سے پہچانی جاتی ہیں، اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے دوسری قوموں سے ممتاز ہوتی ہیں۔ اچھے اخلاق ہی دراصل کسی انسان کے لیے اس کے معاشرے میں، وقار، محبوبیت، سربلندی اور عزت و تکریم کا باعث بنتے ہیں۔

نیز، برے اخلاق کی وجہ سے انسان، معاشرے میں بے قدر و قیمت، ذلیل اور رسوا ہو کر رہ جاتا ہے، پاکیزہ طبیعت کے لوگ اسے دیکھ کر نفرت کرتے ہیں، اس کی صحبت، اس کے پڑوس اور اس سے راہ و رسم رکھنے سے گریز کرتے ہیں۔

حسنِ اخلاق کے چار ارکان

حسنِ اخلاق کے چار ستون ہیں، جن کے بغیر اس کے قیام کا تصور نہیں ہو سکتا: صبر، پاک دامنی، دلیری اور عدل و انصاف۔

صبر، انسان کو تحمل، غصہ کو پینے، دوسروں کو تکلیف نہ پہنچانے، بردباری، سنجیدگی اور نرم روی کا عادی بناتا ہے، نیز جلد بازی اور احمقانہ حرکتوں سے باز رکھتا ہے۔

پاک دامنی، انسان کو گھٹیا اور ذلیل حرکتوں اور قول و فعل سے دور رکھتی ہے، اسی لیے پاک دامن شخص، شک و شبہے اور تہمت کے مقامات سے دور رہتا ہے، پاک دامنی اس کی طبیعت میں شرم و حیا پیدا کرتی ہے جو ہر خیر کی بنیاد ہے، اسے فحش کاموں، بخالت، دروغ گوئی، غیبت اور چغل خوری سے باز رکھتی ہے۔

بہادری اور دلیری، انسان کو عزت نفس، اعلیٰ اخلاق و عادات اور سخاوت و فیاضی کا عادی بناتی ہے، غصے کو پینے اور حلم و بردباری کی بھی عادت ڈالتی ہے، کیوں کہ بہادر انسان اپنے سرکش نفس کو اس کی سرکشی اور بے راہ روی کے وقت لگام لگاتا ہے،

ارشادِ نبوی ہے:

«لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ». [متفق عليه]

ترجمہ: ”طاقت ور انسان وہ نہیں جو کسی کو زیر کردے (پچھاڑدے) حقیقت میں طاقت ور اور بہادر وہ شخص ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے“۔[متفق علیہ]

عدل، انسان کے اخلاق میں توازن پیدا کرتا ہے، اس کو ہر معاملے میں میانہ رَو بناتا ہے جو اِفراط و تفریط کے درمیان ہوتا ہے، چناں چہ اسے جُود وسخاوت پر آمادہ کرتا ہے، جو اسراف اور بخالت کے درمیان کا راستہ ہے، اسے شجاعت پر ابھارتا ہے جو بزدلی اور ناعاقبت اندیشی کے درمیان کا راستہ ہے۔ اسی طرح بردباری سکھاتا ہے جو غصہ اور ذلت نفس کے بیچ کی شئے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام اخلاق کریمانہ کا سرچشمہ، اساس اوراصل یہی چاروں ارکان ہیں۔

سوئے اخلاق کے چار ارکان

تمام برے اخلاق کی بنیاد چار ستون پر ہے: جہالت، ظلم، شہوت اور غضب یعنی غصہ۔

جہالت کی وجہ سے اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھ بیٹھتا ہے، لہٰذا کسی غیر شرعی کام یا بدعت کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنی جہالت کی وجہ سے اسے ثواب کا کام سمجھتا ہے، اسی طرح کوئی ایسا عمل جو شرعا واجب ہے اسے مباح یا حرام سمجھ کر

چھوڑ دے گا، کیوں کہ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے، چناں چہ وہ اچھے برے، صحیح اور غلط، حرام اور حلال کے درمیان فرق نہیں کر پاتا ہے۔

ظلم کی وجہ سے ظالم انسان ہر چیز کو اس کی اپنی جگہ کے بجائے کسی دوسری جگہ رکھتا ہے: خوشی کی جگہ غضب اور غضب کی جگہ خوشی، سنجیدگی کی جگہ نادانی، خرچ کرنے کی جگہ بخالت اور خرچ نہ کرنے کی جگہ فضول خرچی، نرمی کی جگہ سختی اور سختی کی جگہ نرمی، عزت نفس کی جگہ تواضع اور تواضع اختیار کرنے کی جگہ تکبر اور غرور کا مظاہرہ کرتا ہے۔

ظلم ہی کی وجہ سے ایک شوہر اپنی بیوی کو بلا کسی معقول سبب کے طلاق دے دیتا ہے، ظلم ہی کی وجہ سے ایک شخص یتیموں اور مسکینوں کا مال ناحق ہڑپ کر لیتا ہے، ایک طاقت ور انسان ایک کم زور انسان پر بے جا سختی کرتا ہے، ایسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے جو اس کے بس میں نہیں ہے، ظلم کی وجہ سے امانتوں میں خیانت کرتا ہے، خواہ یہ امانتیں مال کی شکل میں ہوں یا اہل وعیال یا طلبہ کی صورت میں، ظالم شخص اس عظیم امانت کی ادائیگی میں لاپرواہی برتتا ہے اور کما حقہ ادا نہیں کرتا۔

ظلم کے بہت سارے اقسام ومظاہر ہیں: «الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ”یہ ظلم قیامت کے روز انسان کے لیے تاریکیاں ہی تاریکیاں بنے گا“، اسی طرح دنیا میں بھی اس کے لیے نحوست وتاریکی کا سبب ہوگا، کیوں کہ ظلم کی سزا اللہ اس دنیا میں بھی دیتا ہے، بالخصوص اگر مظلوم اپنے حقوق کے مطالبے کی سکت نہ رکھتا ہو اور اپنی شکایت شہنشاہ عالم، علام الغیوب اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کرتا ہو، جو بادلوں سے اوپر اپنی شکایت درج کراتا ہو۔

بد اخلاقی کا تیسرا رکن اور ستون ''شہوت'' ہے، یہ انسان کو حرص و طمع، بخالت، فحش کاری، خواہشات کی تکمیل کے لیے جنون کی حد تک رغبت اور ذلت ورسوائی پر برانگیختہ کرتی ہے۔ لہٰذا اس شہوت کی تکمیل اگر بے جا یا حرام جگہ کرے گا تو بلاشبہ اپنے آپ کو ذلت واہانت کا مستحق بنائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہوت کا پرستار، اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے بعض دفعہ نہایت گھٹیا سطح اور ذلت وپستی کے ادنیٰ مقام پر اتر جاتا ہے، بل کہ کبھی کبھی انسانی انحطاط کی سب سے نچلی سطح پر پہنچ جاتا ہے، یہاں تک کہ ان کو عبور کر کے جانوروں اور درندوں کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے، پھر اپنی تمام دولت کو بھی شہوت کے بھینٹ چڑھا دیتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض دفعہ اپنے عقیدے، دین اور شریعت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ ٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ ٱللَّهِ ﴾

[القصص: ۵۰]

ترجمہ: ''اور اس سے بڑا گمراہ کون ہو گا جو اپنی خواہش کی پیروی کرے، اللہ کی ہدایت کے بغیر''۔ [سورۃ القصص:۵۰]

﴿ أَفَرَءَيْتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ ٱللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِۦ وَقَلْبِهِۦ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِۦ غِشَٰوَةً ﴾ [الجاثية: ۲۳]

ترجمہ: ''کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا، اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی، اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا''۔ [سورۃ الجاثیہ:۲۳]

لیکن جس شخص نے اس سرکش نفس پر قابو پالیا، اس کی اصلاح اور اس کا تزکیہ کیا، اس کو صحیح رخ دیا اور جائز حدود میں اس کو رکھ کر استعمال کیا اور زمین وآسمان کے خالق کی بارگاہ میں حاضری کو یاد کرکے اس نفس کی پیروی سے بچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کی بشارت دی ہے۔

﴿ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ وَنَهَى ٱلنَّفْسَ عَنِ ٱلْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾ فَإِنَّ ٱلْجَنَّةَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾ ﴾ [النازعات: ٤٠ – ٤١]

ترجمہ: ”اور بہر حال جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے“۔

[سورۃ النازعات: ۴۰ – ۴۱]

برے اخلاق کا چوتھا رکن غضب ہے، حقیقت یہ ہے کہ غصہ، انسان کو تکبر، کینہ، حسد، دشمنی اور حماقت پر ابھارتا ہے؛ لہذا اچھے اخلاق کا انسان جسے رسول کریم ﷺ نے بشارت دی ہے کہ وہ قیامت کے روز آپؐ کی مجلس میں سب سے قریب ہوگا، وہ کبھی بھی متکبر نہیں ہوسکتا، کیوں کہ کبریائی صرف رب ذوالجلال کو زیب دیتی ہے، متکبر شخص اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے، اسی طرح مخلوقِ خدا کی نگاہ سے بھی گر جاتا ہے۔

خلاصۂ گفتگو

خوش اخلاق شخص لوگوں کے درمیان روشن جبیں اور لائق صد عزت واحترام ہوتا ہے، ظلم کرنے والے کو معاف کرتا ہے، برا سلوک کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، برائی کا بدلہ برائی سے دینے کے بہ جائے احسان سے دیتا ہے اور اللہ

سے اجر کی امید رکھتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ خُذِ ٱلۡعَفۡوَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡعُرۡفِ وَأَعۡرِضۡ عَنِ ٱلۡجَٰهِلِينَ ﴿١٩٩﴾ ﴾

[الأعراف: ۱۹۹]

ترجمہ: ”آپ درگزر کریں، نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں“۔[سورۃ الاعراف آیت:۱۹۹]

حسن اخلاق کا حامل شخص اپنے محروم کرنے والوں کو عطا کرتا ہے، کیوں کہ انتقامی جذبے سے بالاتر ہو کر ایسا وصف اختیار کرتا ہے جو اس سے زیادہ بہتر اور خوب صورت ہے، لہٰذا اگر کوئی اسے محروم کر دیتا ہے تو اس سے انتقام لینے کے بجائے عنایت کرتا ہے۔ خوش اخلاق انسان قطع رحمی کرنے والوں (رشتے توڑنے والوں) کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے، قطع رحمی کرنے والا جب اپنے آپ کو اس حرکت کی وجہ سے اللہ کی لعنت کا مستحق بنا رہا ہوتا ہے تو یہ صلہ رحمی کر کے خود کو اللہ کی رحمت کا مستحق بنا رہا ہوتا ہے۔

اخلاق کی زینت سے آراستہ شخص کے بارے میں ایک حدیث میں ہے:

«إِنَّ الْعَبْدَ لَيَبْلُغُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ».

[أبو داؤد]

ترجمہ: ”بندہ اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے (نفلی) روزے رکھنے والے اور تہجد پڑھنے والے کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے“۔[ابو داؤد]

(مستفاد از مدارج السالکین، لابن القیمؒ)

❊ ❊ ❊

۱۸/ شعبان ۱۴۳۹ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

منشیات (نشہ آور چیزیں)

عقلمندوں کی اِس دنیا میں ایک عجیب چیز ہے کہ سارے عقلا جس چیز پر اتفاق رکھتے ہیں کہ وہ عقل کو برباد کرتی ہے، صحت کو تباہ کرتی ہے، مالدار کو مفلس ونادار بنادیتی ہے، اسی چیز کو استعمال بھی کرتے ہیں، اس سے بھی زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ جو لوگ ایسے دین ومذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں جو اس چیز کو حرام قرار دیتا ہے، پھر بھی اسے استعمال کرتے ہیں: وہ ہیں منشیات اور عقل کو ماؤف کرنے والی ہر طرح کی چیزیں۔

شراب اور دیگر منشیات کی حرمت کا پہلا پہلو

قرآن کریم نے خمر (شراب) کو حرام قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ ﴾ [المائدة: ٩٠]

ترجمہ: ”اے ایمان والو! بلاشبہ شراب، جوا، بتوں کے تھان اور فال نکالنے والے جوے کے تیر یہ سب ناپاک اور شیطانی کام ہیں...“ [سورۃ المائدۃ:۹۰]

آگے فرمایا: ''کیا تم اب بھی اس سے باز آجاؤ گے؟'' جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سنا تو کہا: «قَدْ انْتَهَيْنَا يَا رَبِّ» ''ہم باز آگئے۔ بعض صحابہ کے ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا، اس میں سے کچھ پی لیا تھا اور کچھ باقی تھا، جب یہ آیت سنی تو باقی ماندہ شراب کو زمین پہ پھینک دیا، پھر صحابہ اپنے گھروں کو گئے اور شراب کے مشکیزے اٹھائے اور سب کو بہادیا یہ کہتے ہوے: ''اے رب ہم باز آگئے''۔

اسلام نے شراب حرام کی اور اس سلسلہ میں دس لوگوں پر لعنت کی: ''نچوڑنے والے پر، نچوڑوانے والے پر، پینے والے پر، اسے لانے والے پر، جس کے پاس لائی گئی اس پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، اس کی قیمت استعمال کرنے والے پر، خریدنے والے پر اور جس کے لیے خریدی گئی اس پر''۔ [ابن ماجہ والترمذی]

حضرت عمر بن الخطابؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

''شراب کی حرمت پہ آیت نازل ہوگئی ہے اور یہ پانچ چیزوں سے بنائی جاتی ہے: گندم، جو، کھجور، کشمش اور شہد۔ پھر فرمایا: شراب اور خمر وہ ہے جو عقل میں فتور پیدا کردے''۔ [صحیح البخاری]

یہی پانچ چیزیں اس زمانہ میں پائی جاتی تھیں، جن سے شراب بنائی جاتی تھی؛ لیکن حضرت عمرؓ نے ایک قاعدہ متعین کر دیا: ''خمر وہ ہے جو عقل کو خراب کرے، اس میں فساد اور فتور پیدا کرے''۔ لہٰذا جو چیز عقل کو اس کے ادراک، صحیح اور غلط، نفع اور نقصان اور خیر و شر کے درمیان امتیاز کی صلاحیت سے روک دے، وہ خمر کہلائے گی، حضرت عمرؓ کی اس بات پر حضرات صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔

یہ مفہوم صادق آتا ہے حشیش پر (نشہ آور پودا) افیون، کوکائین اور ہیروئین

پر، کیوں کہ یہ ساری چیزیں انسانی عقل کو مختل کر دیتی ہیں اور اس کی قدرتی اور طبعی حقیقت سے نکال کر اس کی تمیز کی صلاحیت ختم کر دیتی ہیں؛ لہٰذا وہ چیز خواہ سائل ہو (بہنے والی) یا جامد ہو (ٹھوس) عقل میں فتور پیدا کرے تو وہ حرام ہو گی۔

حرمت کا دوسرا پہلو

شراب کی حرمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم نے خبیث اشیاء کو حرام کہا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے اوصاف میں یہ ہے:

﴿ يَأۡمُرُهُم بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَىٰهُمۡ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ ٱلۡخَبَٰٓئِثَ ... ﴾ [الأعراف: ۱۵۷]

ترجمہ: ”وہ ان کو اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں...“۔ [سورۃ الاعراف:۱۵۷]

لہٰذا جو چیز انسان کی عقل کھو دیتی ہو، بل کہ عقل برباد کر دیتی ہو اس کے خبیث ہونے میں کیا شک ہے، بلاشبہ وہ خبائث میں سے ہے۔

تیسرا پہلو

قرآن کریم نے کہا:

﴿ وَلَا تُلۡقُواْ بِأَيۡدِيكُمۡ إِلَى ٱلتَّهۡلُكَةِ ﴾ [البقرة: ۱۹۵]

ترجمہ: ”اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو“۔ [البقرۃ:۱۹۵]

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمْۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ ﴾

[النساء: ٢٩]

ترجمہ: ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہیں''۔[سورۃ النساء:۲۹]

جو لوگ اس طرح کی چیزیں استعمال کرتے ہیں وہ دراصل اپنے آپ کو قتل کرتے ہیں، گویا کہ خودکشی کرتے ہیں، اگرچہ فی الفور قتل یا خودکشی نہیں ہے؛ لیکن آہستہ آہستہ قتلِ نفس اور بتدریج خودکشی کے مرادف ہے۔

جو شخص ان منشیات (نشہ آور اشیاء) کو استعمال کرتا ہے وہ در اصل خودکشی کر رہا ہوتا ہے، مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ کھانے پینے میں ایسی چیز استعمال کرے جو اسے نقصان پہنچائے، اس لیے کہ یہ جسم تمہاری ملکیت نہیں ہے، یہ تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے جسے تمھارے پاس بطور امانت کے رکھا ہے، لہٰذا تمھارے لیے امانت میں خیانت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ». [رواه ابن ماجه بسند حسن]

ترجمہ: کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو ضرر اور نقصان پہنچائے یا دوسرے کو''۔[ابن ماجہ]

منشیات کی ممانعت لیکن صریح مخالفت

حدیث پاک میں ہے:

«نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفَتِّرٍ». [رواه أبوداؤد عن أم سلمةؓ]

ترجمہ: ”رسول کریم ﷺ نے ہر نشہ آور اور جسم میں فتور و سستی پیدا کرنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا“۔[ابوداؤد]

نیز تمام مسالک کے اہل علم کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ نشہ آور اشیاء کا استعمال حرام ہے۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ یہ نشہ آور چیزیں لوگوں تک پہنچ رہی ہیں، مختلف وسائل واسباب اختیار کر کے نوجوانوں تک یہ منشیات کے تاجر، اللہ و رسولؐ سے لڑائی کرنے والے جاتے ہیں، جنگی پیمانے پر لوگوں کو تیار کر کے یہ زہر ہمارے درمیان پھیلاتے ہیں، چناں چہ ان کے جال میں جوں ہی کوئی شخص پھنستا ہے، اس کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے، نشہ کا عادی ہو جاتا ہے، اپنی ذات پہ اس کا کنٹرول ختم ہو جاتا ہے، بے بس ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے لیے سوچنے کی صلاحیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

جیسے ہی پہلے لقمے یا پہلے انجکشن یا پہلی سونگھ کی تاثیر ختم ہوتی ہے وہ دیوانے کی طرح دوبارہ لینے کی تلاش میں لگ جاتا ہے، اگر اپنا مال ہوتا ہے تو اسے خرچ کرتا ہے، جب اپنا ختم ہو جاتا ہے تو اپنے باپ، بھائی، رشتے دار یا دوست کا مال چرانے پر مجبور ہو جاتا ہے، کہیں سے اور کسی طرح بھی مال حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ یہ جنونی اور ہلاکت خیز خواہش پوری کر سکے؛ تاکہ اس شہوت کی آگ کو جو اس کے اندر بھڑک رہی ہے کسی طرح بجھا سکے، یہاں تک کہ بعض دفعہ اس کے لیے اپنے گھر والوں کی عزت وآبرو کو بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔

اس آفت سے کیسے بچیں

لہٰذا تمام تر ممکنہ وسائل کو بروئے کار لاکر ان آفتوں کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے، ہر طرح کے ذرائعِ ابلاغ، سماجی رابطے کے وسائل، مساجد، اسکول، یونیورسٹیز سب مل کر اس کی روک تھام کی مہم میں شریک ہوں۔

اس آفت سے اپنے بچوں کو بچانا ہماری ذمہ داری ہے، ہر باپ اور ماں کے لیے ناگزیر ہے کہ اپنے بچوں کی نقل و حرکت سے واقف رہیں، انھیں یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ بچوں کے رفقا اور دوست کون لوگ ہیں، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ تعلیم و تعلم کے بہانے اپنے دوست کے پاس شب گذاری کے لیے جائیں، وہاں سے اس ناپاک اور مجرم گروپ تک پہنچ جائیں اور ان کے مجرمانہ جال میں پھنس جائیں، پھر وہ جیسے چاہیں ویسے انھیں اپنا غلام بنالیں۔

منشیات، مقاصدِ شریعت کے خلاف

نشہ آور اشیاء دراصل مقاصد شریعت کے خلاف ہیں، اسلامی شریعت پانچ ضروریات کی حفاظت کرتی ہے، وہ یہ ہیں:

دین، نفس، عقل، نسل اور مال۔

تمام شرعی احکام انہی ”ضروریاتِ خمسہ“ کے ارد گرد گھومتے ہیں یا ان کی تکمیل کرتے ہیں، خواہ عبادات ہوں، معاملات ہوں، شادی بیاہ ہوں یا عدالتی احکام جیسے حدود و قصاص ہوں۔

یہ دین کے خلاف ہیں، کیوں کہ ان کی وجہ سے انسان، اللہ کے ذکر اور نماز وغیرہ سے غافل ہو جاتا ہے، جو شخص ان ''مُخَدِّرات'' کے چنگل میں پھنس جاتا ہے، وہ نہ تو نماز روزے کا رہ جاتا ہے نہ حج و عمرے کا، نہ تلاوت قرآن کا نہ ہی کسی اور دوسرے خیر کے کاموں کا۔

یہ انسانی جان کے بھی خلاف ہیں، کیوں کہ منشیات، انسان کی صحت اور اس کی زندگی کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں اور بعض دفعہ اس کی ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہیں۔

یہ انسان کی عقل کے بھی مخالف ہیں، کیوں کہ ان کو استعمال کر کے انسان اپنی عقلی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے، جب کہ حیوانات سے انسانوں کو جو امتیازی حیثیت حاصل ہے وہ اس عقل ہی کی وجہ سے، شریعت کی نگاہ میں عقل ہی ''تکلیفات شرعیہ'' کی بنیاد ہے۔

یہ حفظان نسل کے بھی مخالف ہیں، کیوں کہ نشہ کا عادی شخص اپنے اہل و عیال کی تربیت کے لائق نہیں رہ جاتا، اسی وجہ سے اس طرح کے لوگوں کے بچے ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں، کیوں کہ وہ احساس ذمہ داری کھو بیٹھتے ہیں۔

یہ حفظان مال و دولت کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ وہ اس زہر کو خرید کر اپنا مال ضائع کرتا ہے؛ بل کہ دوسروں کا مال بھی بے تحاشا اڑا دیتا ہے، ایسی چیز میں مال کو استعمال کرتا ہے جو اسے نفع نہیں پہنچاتی؛ بل کہ صرف نقصان کا باعث ہے۔

اس بیماری کا حل کیا ہے؟

''احتیاط و پرہیز بہتر ہے علاج سے'' ایک روپیہ پرہیز پر خرچ کرنا ہزاروں

روپے علاج پر خرچ کرنے سے بہتر ہے، اس مصیبت سے حفاظت کے لیے سب سے اہم احتیاطی تدبیر یہ ہے کہ صحیح، اسلامی تربیت کی جائے۔

دین ومذہب کے احکام کی پابندی سب سے پہلی احتیاطی تدبیر اور پہلا ہتھیار ہے۔ اس مہلک اور بلاخیز آفت سے بچاؤ کے لیے مذہب کا تصور اور اس پر عمل بنیادی چیز ہے۔

اگر ہم اپنی اولاد کی دینی تربیت کریں، انھیں صالح وپاکیزہ ماحول مہیا کریں، ان کے لیے نیکوکار اور صالح دوستوں کا انتخاب کریں، انھیں برے دوستوں کے حوالے نہ چھوڑیں جو انہیں برباد کریں، ان کی زندگی تباہ کریں، انہیں ہم ایسی تربیت گاہ میں رکھیں جہاں ان کی عقل وارادے کی صحیح تربیت ہو، انہیں اللہ کا خوف، آخرت پر ایمان، جنت ودوزخ کا یقین سکھایا جائے، اگر ہم نے ان کے اندر اس طرح کی دینی بیداری پیدا کردی، اخلاقی ذمہ داری کا احساس پیدا کردیا، اور ان کے اندر کے ضمیر کو زندہ کردیا تو یقینا ہم نے ان کے اور ان آفتوں کے درمیان ایک مضبوط دیوار قائم کردی۔

دیندار نوجوان جو دینی احکام کا پابند ہو، اسلامی اخلاق سے آراستہ ہو وہ ان شاء اللہ ان ہوا پرستوں کا شکار نہیں ہوگا، وہ تو سگریٹ نوشی سے بھی دور رہتا ہے، کیوں کہ ان آفتوں اور مصیبتوں کی پہلی سیڑھی یہی سگریٹ نوشی ہے۔

مسجد اور قرآن کریم کی نورانی آیتوں کے ماحول میں پرورش پانے والے فرزندانِ اسلام تک ان تباہی وبربادی کے تاجروں کی رسائی بہت مشکل ہے، کیوں کہ انھوں نے اپنے آپ کو استقامت کے مضبوط قلعہ کے حصار میں محفوظ کرلیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّ عِبَادِى لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ إِلَّا مَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾ ﴾ [الحجر: ٤٢]

ترجمہ: ”میرے بندوں پر تیرا (شیطان کا) کوئی غلبہ نہیں، البتہ وہ گمراہ لوگ جو تیری پیروی کریں“۔[سورت الحجر آیت:۴۲]

❊ ❊ ❊

۱۵/ شعبان/ ۱۴۳۵ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

دوسروں کی عیب جوئی

شریعتِ مطہّرہ کے نہایت اہم مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ تمام فرزندانِ اسلام آپس میں محبت واُخوت، الفت ومودت اور باہمی تعاون کے ساتھ زندگی بسر کریں؛ لہٰذا آپسی بھائی چارے کو برقرار رکھنے کے لیے شریعت نے تمام تر وسائل وذرائع کو اختیار کرنے کی تاکید کی ہے، چناں چہ سلام کو عام کرنا، ایک دوسرے کو ہدیہ تحفہ دینا، مسکرا کر ملنا، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، صلۂ رحمی کرنا، پڑوسی کا اکرام کرنا، چھینکنے والا جب الحمد للہ کہے تو اس کو "یرحمک اللہ" کہنا، کسی کی دعوت قبول کرنا، بیمار کی مزاج پرسی کرنا، جنازے میں شریک ہونا، کسی مصیبت زدہ کو تسلی دینا یہ اور اس طرح کی دوسری ہدایات وتعلیمات کا مقصد یہی ہے کہ اسلامی معاشرہ آپس میں ایک دوسرے سے مربوط رہے، اس کے افراد اور خاندانوں کے درمیان الفت ومحبت باقی رہے۔

اسی کے ساتھ شریعت نے ان تمام چیزوں سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے جن سے آپس میں بغض وعناد اور نفرت وعداوت پیدا ہوتی ہے۔

ان ہی منحوس چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کی عزت وآبرو کے درپے ہو، اس کی عیب جوئی کرے اور اس کی برائیاں دوسروں سے بیان کرے۔ یہ بدترین آفت اور خطرناک بیماری ہے کہ انسان اپنا قیمتی وقت دوسروں کے عیوب، ان کی کمی کوتاہی اور ان کی پوشیدہ برائیوں کو معلوم کرنے اور ان کو پھیلانے میں صرف کرے۔

عقل مند آدمی کون ہے؟

عقل مند اور سمجھ دار آدمی وہ ہے جو خود اپنا محاسبہ کرتا رہے، خود کو حسین اخلاق اور خوب صورت اعمال سے آراستہ کرتا رہے، اپنے نفس کو گناہوں کی ناپاکی اور عیبوں کی نحوست سے پاک کرتا رہے، اسے اللہ کی طاعت سے مُزَیَّن اور علمِ نافع اور عملِ صالح کے ذریعہ پاکیزہ بناتا رہے۔

گاہے گاہے اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور اس کی نگہ داشت کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن زَكَّىٰهَا ۝٩ ﴾ [الشمس: ٩]

''اور جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا''۔[سورۃ الشمس:۹]

اور جو لوگ اپنے نفس کے معاملے میں لاپرواہی برتتے ہیں ان پر اللہ نے نکیر فرمائی ہے:

﴿ وَقَدۡ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا ۝١٠ ﴾ [الشمس: ١٠]

''اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہو گیا''۔[سورۃ الشمس:۱۰]

انسان اس دنیا کے اندر کمی کوتاہی، عیب وخطا اور غلطی سے دوچار ہوتا رہتا ہے؛ لہٰذا اسے چاہیے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرنے، اس کا جائزہ لیتے رہنے اور اس کے حقوق وواجبات کی ادائیگی میں اپنے آپ کو مصروف رکھے، یہی اس کی عقل کی پختگی، فکر کی بلندی، دل کی سلامتی، رائے کی درستگی اور ہر خیر وبھلائی کے سلسلہ میں اس کی دل چسپی کی علامت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٞ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٖۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ ١٨ ﴾ [الحشر: ۱۸]

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا عمل پیش کیا ہے، اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہیو، بیشک اللہ تمھارے تمام اعمال سے باخبر ہے“۔[سورۂ حشر:۱۸]

بے وقوف کون ہے؟

لیکن انسان اگر اپنے نفس کو اس کے حال پر چھوڑ دے اور اس کو شریعت کی لگام نہ لگائے تو یہ لوگوں کی عیب جوئی اور دوسروں سے اس کا تذکرہ کرنے میں مشغول ہو کر اپنے عیوب کی اصلاح سے بے خبر ہو جائے گا، اور یہ بلاشبہ اس کی کم عقلی، نادانی اور بے وقوفی ہوگی۔

دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض لوگ مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں اور ان کے عیوب ونقائص معلوم کرنے اور انہیں پھیلانے کے خوگر ہوتے ہیں، حالاں کہ یہ نہایت خطرناک اور بدترین خصلت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”جب تم اپنے ساتھی کے عیوب ونقائص بیان کرنے کا ارادہ کرو تو پہلے اپنے عیوب کو یاد کرلو“۔[البخاری]

تبصرہ دوسروں پر اگر کیجیے
سامنے آئینہ رکھ لیا کیجیے

کیا جو شخص دوسروں کی خصوصیات اور ان کے عیوب ونقائص کے پیچھے پڑا رہتا ہے اس نے اپنے عیوب ونقائص پر نظر ڈالی اور ان کی اصلاح وتہذیب کی کوشش کی ہے؟ اگر وہ ایسا کرتا تو نہ صرف دوسروں کی عیب جوئی کے گناہ سے بچ جاتا؛ بل کہ اپنے نفس کا تزکیہ اور اس کی تہذیب واصلاح کرکے اسے مقام رفیع تک پہنچادیتا۔

﴿ وَلَوۡ أَنَّهُمۡ فَعَلُواْ مَا يُوعَظُونَ بِهِۦ لَكَانَ خَيۡرٗا لَّهُمۡ وَأَشَدَّ تَثۡبِيتٗا ٦٦ ﴾ [النساء: ٦٦]

ترجمہ:”اور اگر وہ لوگ یہ کریں جن کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہی ان کے لیے بہتر اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو“۔[سورۂ نساء:٦٦]

دوسروں کی عیب جوئی کا خطرناک پہلو

ہر وہ شخص جو دوسروں کے عیوب اور کمی کوتاہی معلوم کرکے لوگوں سے بیان کرتا رہتا ہے اسے ڈرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ خود اس کے عیوب کی تمام چادریں چاک کرکے اسے ذلیل ورسوا کردیں۔

اور اگر گناہوں اور عیوب ونقائص سے محفوظ ہے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے محفوظ رکھا ہے، دوسروں کا تمسخر نہ اڑائے، نہ ان کی پردہ دَرِی کرے؛

کیوں کہ اللہ تعالیٰ احوال کے بدلنے اور معاملہ کو برعکس کرنے پر بھی قادر ہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

"اپنے بھائی کا مذاق مت اڑاؤ؛ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ اس پر تو رحم فرمائیں اور تمھیں اس جیسی مصیبت میں مبتلا فرمادیں"۔[احمد والترمذی]

دوسری روایت میں ہے:

"جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عار دلاتا ہے، اس کی موت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک خود اس طرح کے گناہ کا ارتکاب نہ کرلے"۔

[ترمذی: حدیث حسن]

لہٰذا کسی مسلمان کو عار دلانے، اس پر ہنسنے، اس کی توہین و تحقیر کرنے اور اس کی کمی کوتاہی کی جستجو میں پڑنے سے سخت پرہیز کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَن يَعْمَلْ سُوٓءًا يُجْزَ بِهِۦ ﴾ [النساء: ۱۲۳]

"جو برا کام کرے گا اس کی سزا پائے گا"۔[سورۂ نساء:۱۲۳]

اور یہ قاعدہ ہے کہ "بدلہ، عمل کے جنس سے ہی ہوتا ہے" اس لیے جب کوئی شخص دوسروں کی عیب جوئی میں لگتا ہے، تو دوسرے لوگ اس کی عیب جوئی میں لگتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

"اے ان لوگوں کے گروہ جو اپنی زبان سے ایمان لائے اور ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہو سکا ہے! مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی پوشیدہ برائیوں کے درپے نہ ہو، کیوں کہ جو مسلمانوں کی برائیوں کو ٹٹولنے لگتا ہے تو اللہ اس کی برائیوں کو ٹٹولنے لگے گا، اور جس شخص کی پوشیدہ برائیوں کو اللہ ٹٹولنے

لگے اسے ذلیل ورسوا کر دے گا اگرچہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہو"۔[الترمذی]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوے سنا:

"اگر تم مسلمانوں کی عیب جوئی میں لگو گے تو تم انھیں تباہ کر دو گے یا تباہی کے قریب لے جاؤ گے"۔[ابوداؤد]

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

"میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے جن کے اندر عیوب نہیں تھے؛ لیکن انھوں نے دوسروں کے عیوب بیان کرنے شروع کر دیے، پھر اللہ نے ان کے اندر بھی عیوب ونقائص پیدا کر دیے، اور میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جن کے اندر عیوب تھے؛ لیکن وہ دوسروں کی عیب جوئی میں نہ پڑے تو اللہ نے ان کے عیوب پر پردہ ڈال دیا"۔

اگر کوئی شخص دوسروں کے عیوب اور ان کی برائیاں بیان کرے تو سننا بھی نہیں چاہیے؛ کیوں کہ سننے والا بھی غلط کام میں شریک ہوتا ہے، اگر ہو سکے تو اسے خاموش کر دے؛ بل کہ اپنے بھائی کی عزت وآبرو کا دفاع کرنا چاہیے۔

حدیث میں ہے:

"جو شخص اپنے بھائی کی آبرو کا دفاع کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے کو آگ سے دور رکھیں گے"۔[ابوداؤد]

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے نفس کی اصلاح اور تزکیہ کی فکر دامن گیر ہو جائے گی اسے دوسروں کی عیب جوئی کے لیے فرصت ہی نہیں ملے گی؛ بل کہ

ہر شخص کے ساتھ حسن ظن رکھے گا۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نظر میں کوئی برا نہ رہا

میری خطاؤں پر مجھے تنبیہ کر دو

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''عقل مند انسان کو چاہیے کہ اپنے مخلص بھائیوں سے جو صاف دل ہوتے ہیں اور اچھائی اور برائی کا آئینہ دار ہوتے ہیں، یہ درخواست کرے کہ اس کو اس کی کمی کوتاہی پر مطلع کریں''۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے، اگر اس میں کوئی عیب دیکھے تو اس کی اصلاح کرے''۔[ابوداؤد]

حضرت عمر بن الخطابؓ کا قول ہے:

''اللہ رحم کرے اس شخص پر جو ہماری غلطیوں پر ہمیں مطلع کرے''۔

لہٰذا سلیم القلب انسان جب اپنے بھائی کے اندر کوئی غلطی یا عیب دیکھتا ہے تو نہایت نرمی، پیار و محبت اور اس کی پردہ داری کے ساتھ اسے نصیحت کرتا ہے اور خیر وصلاح کی تلقین کرتا ہے، بہ جائے اس کے کہ دوسروں سے بیان کرے اور اس کو رسوا کرے۔

کامل بصیرت والے

ابن قدامہ المقدسیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اس کے عیوب پر مطلع کر دیتا ہے؛ لہٰذا جس کو کامل بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اس سے اپنے عیوب پوشیدہ نہیں رہتے اور جب اپنے عیوب کی معرفت حاصل ہو جائے تو پھر علاج واصلاح بھی ممکن ہے؛ لیکن اکثر لوگ اپنے عیوب سے ناواقف رہتے ہیں، ایک شخص کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے جب کہ اپنی آنکھ میں کھجور کی ٹہنی بھی پڑی ہو تو نظر نہیں آتی''۔

اپنے عیوب پر بھی پردہ رکھو

جس طرح دوسروں کے عیوب کی پردہ داری ضروری ہے اسی طرح خود اپنے عیوب پر بھی ضروری ہے، بعض دفعہ انسان سے جانے میں یا اَن جانے میں کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس پر توبہ واستغفار کرنا چاہیے، نہ یہ کہ دوسروں سے اس کا تذکرہ کرے کہ میں نے فلاں فلاں گناہ کیے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس شخص سے گناہ سرزد ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ستّاری کے ذریعہ اس کی ستر پوشی کرے اور توبہ کرے''۔[الحاکم علی شرط الشیخین]

ایک اور روایت میں ہے:

''رات میں تو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی اور صبح ہوتے ہی اس شخص نے

اس پردہ کو اٹھادیا (یعنی دوسروں سے ذکر کرنے لگا)۔ [متفق علیہ]

نیز یہ کہ جب اپنے بھائی کے پوشیدہ عیوب کی پردہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے تو خود اپنے عیوب کی پردہ پوشی کا حکم تو بدرجۂ اولیٰ ہو گا۔

لہٰذا اللہ کا تقویٰ اختیار کیجیے، اپنی زبانوں کی حفاظت کیجیے، اپنے دلوں کو صاف رکھئے، دوسروں کے عیوب پر نظر نہ رکھئے؛ بل کہ اپنے عیوب پر نظر رکھئے۔ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہیں۔

* * *

۱۰/ ۵/ ۱۴۳۴ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

گناہ کے اسباب اور اس کے نتائج

تقویٰ، طاعت اور دین پر استقامت، یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ انسان کو اس دنیا میں ''حیات طیبہ'' پر سکون زندگی اور آخرت میں اجر عظیم ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنۡ عَمِلَ صَٰلِحٗا مِّن ذَكَرٍ أَوۡ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤۡمِنٞ فَلَنُحۡيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةٗ طَيِّبَةٗۖ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ أَجۡرَهُم بِأَحۡسَنِ مَا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ ٩٧ ﴾ [النحل: ۹۷]

ترجمہ: ''جو شخص نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، ایمان کے ساتھ، تو ہم اسے بلاشبہ بہترین زندگی عطا کریں گے، اور ان کے نیک اعمال کا بہترین بدلہ بھی ضرور دیں گے''۔[سورۃ النحل:۹۷]

نعمتوں کی بقاء کا ضامن

جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہیں، اگر انسان یہ چاہتا ہے کہ انھیں دوام ملے اور دنیا و آخرت کی سعادت کا ذریعہ بنیں تو پھر یہ ضروری ہے کہ ان نعمتوں کو

اللہ کی طاعت، حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی، اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری وعبادت شعاری میں استعمال کرے؛ بلکہ یہ شکر گزاری اور وفاشعاری ان نعمتوں میں زیادتی کا سبب بھی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾

[سورة إبراهيم: ٧]

ترجمہ: ”اور جب تمھارے رب نے تمھیں خبر دار کیا کہ اگر تم شکر گزاری کروگے تو یقیناً میں تمھیں زیادہ دوں گا“۔ [سورۂ ابراہیم:۷]

نعمتیں چھن جانے کا سبب

لیکن اگر اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو انسان معصیت اور گناہوں میں استعمال کرے، مثلاً: اللہ نے اسے مال دیا، اس کو برائی، تکبر و گھمنڈ، دوسروں کی تحقیر وتوہین، فسق وفجور میں صرف کرنے لگے، اور اس مال میں جو دوسروں کے حقوق ہیں انھیں فراموش کر جائے، نہ صلہ رحمی کرے، نہ یتیموں اور مسکینوں کا خیال رکھے۔

اسی طرح اللہ نے اسے صحت وتندرستی کی دولت سے نوازا؛ لیکن اس نے اس نعمت کو حرام شہوت رانی میں استعمال کرنا شروع کر دیا، دوسروں کے اوپر ظلم وزیادتی کرنے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے عقل وسمجھ کی نعمت دی، اسے اس نے غلط سوچ وفکر اور فتنہ پروری کا ذریعہ بنالیا، اسی طرح قوت وطاقت کو تخریب کاری کا ذریعہ بنالیا، جاہ ومنصب کو اپنے ذاتی اغراض ومقاصد کے حصول کا ذریعہ بنالیا، الغرض اللہ کی نعمتوں

کو اس کی معصیتوں اور گناہوں کا ذریعہ بنالے تو پھر وہ ان نعمتوں کا مستحق نہیں رہ جاتا، اس کا مستحق نہیں رہتا کہ یہ نعمتیں اس کے پاس باقی رہیں، یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، پچھلی قوموں کے ساتھ بھی اللہ کا یہی معاملہ رہا، اور اللہ کی سنت وعادت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

گناہ کے نتائج

جو شخص گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں اس کے لیے باعثِ لذت وسعادت اس کے سوا اور کچھ نہیں؛ لیکن بہت جلدی اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ جسے اس نے باعث سعادت سمجھا تھا، وہ اس کے لیے بے چینی، پریشانی، بے کلی اور گھٹن کا سبب ہے، اس کی زندگی کی ہر فرحت ومسرت کو مکدر اور بدمزہ کرنے کا ذریعہ ہے، یہی قرآن کریم کی اصطلاح میں «الْمَعِيْشَةُ الضَّنْكُ» ہے یعنی بے چینی کی زندگی۔

جیسا کہ آدم اور حواء علیہما السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا تو فرمایا:

﴿ قَالَ ٱهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ ٱتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾ ﴾ [طه: ١٢٣ – ١٢٤]

”فرمایا: تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ، تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی

کرے گا وہ نہ تو بہکے گا نہ ہی بد بختی میں مبتلا ہو گا، اور جو میری یاد سے اعراض کرے گا تو اس کی زندگی تنگی کی ہو گی، اور ہم اسے روزِ قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے"۔[سورۂ طٰہٰ:۱۲۳-۱۲۴]

ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص کروڑ پتی ہو؛ لیکن اضطراب و قلق کی زندگی گذار رہا ہو، یہ بے چینی اس کے دل میں ہوتی ہے، اس کے دل میں رعب وخوف طاری رہتا ہے، اسے ناگہانی بیماری کا، مجہول مستقبل کا، نعمتوں کے چھن جانے کا اور آفتوں کے نزول کا ہر وقت خطرہ دامن گیر رہتا ہے، یہ اس وقت ہے کہ اس کے دل میں کسی قدر ایمان باقی ہو؛ لیکن اگر دل ایمان سے بالکل خالی ہو تو وہ جانوروں کی طرح زندگی گزارتا ہے، نہ اسے گناہوں کا احساس ہوتا ہے نہ ہی اس سے پیدا ہونے والی تکلیف کا۔

إذا كنت في نعمةٍ فارعَها فإن المعاصي تزيل النعم
وحطها بطاعةِ رب العباد فرب العباد سريع النِقَم

ترجمہ: "تمھیں اگر کوئی نعمت ملی ہو تو اس کی حفاظت کرو، کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے نعمتوں کو زوال آتا ہے، ان نعمتوں کی حفاظت کرو بندوں کے رب کی اطاعت کے ذریعہ، کیوں کہ بندوں کا رب جلدی عذاب بھی دیتا ہے"۔

گناہوں کی وجہ سے عمر اور مال کی برکتوں میں کمی واقع ہوتی ہے، جس طرح نیکی کی وجہ سے عمر ومال میں برکت ہوتی ہے، اسی طرح فسق وفجور کی وجہ سے برکت کم بھی ہوتی ہے۔

گناہوں اور نافرمانیوں کے آثار میں سے امن وامان کا تہس نہس ہونا، اور شرور وفتن اور بدامنی کا پھیلنا بھی ہے؛ لہٰذا امن وامان، راحت واطمینان اور خیر

وبرکت کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کھلم کھلا معصیت کا ارتکاب کرنے والوں اور روئے زمین پر فساد برپا کرنے والوں کی گرفت ہو اور انھیں باز رکھا جائے۔

مردِ مؤمن کی پہچان

جس مؤمن کا دل ایمان کی دولت سے معمور ہے وہ ہمہ وقت اللہ کا دھیان رکھتا ہے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے، اسی وجہ سے بعض اکابر سے منقول ہے، وہ کہتے تھے:

"میں اپنے گناہوں کی نحوست، اپنی بیوی اور سواری کے جانور کی بدمعاملگی وبدسلوکی سے معلوم کرلیتا ہوں"۔

جب ان کی بیوی ان کے ساتھ ناخوش گوار معاملہ کرتی، یا ان کا جانور بدکنے لگتا تو کہتے: "یقیناً میں نے کسی غلطی کا ارتکاب کیا ہے"۔

انسان سے گناہ کا سرزد ہو جانا، باعث تعجب نہیں ہے؛ بل کہ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد بغیر توبہ واستغفار کے اس پر جمے رہنا اور اسے نہ چھوڑنا یہ زیادہ باعث تعجب ہے۔

مؤمن اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے سر کے اوپر ایک پہاڑ ہے جو سر پہ گرنے والا ہے، جب تک توبہ کے پاکیزہ اور صاف ستھرے پانی سے معصیت کی نجاست کو دھو نہ لے اسے چین نہیں آتا، جب کہ منافق اپنے گناہوں کو ایسا محسوس کرتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہو، جسے وہ اڑادے گا۔

مرد مؤمن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی طاعات اور نیک اعمال کی وجہ سے غرور میں مبتلا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اسے پتہ نہیں کہ اس کے اعمال قبول ہوے یا نہیں؟ مزید یہ کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ اعمال خالص اللہ ہی کے لیے تھے یا ان میں ریا اور نام ونمود کو دخل تھا؟ پس اگر نیک عمل میں ریا کی شمولیت ہوگئی تو وہ عمل معصیت میں شمار ہو جائے گا۔

حضرات صحابۂ کرامؓ کو اس بات کا خوف ہمیشہ دامن گیر رہتا تھا کہ عُجب، کبر، ریا، یا کسی اور وجہ سے ان کے اعمال اکارت نہ ہو جائیں۔

ایک صحابیؓ کا قصہ

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَرۡفَعُوٓاْ أَصۡوَٰتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ ٱلنَّبِيِّ وَلَا تَجۡهَرُواْ لَهُۥ بِٱلۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ أَن تَحۡبَطَ أَعۡمَٰلُكُمۡ وَأَنتُمۡ لَا تَشۡعُرُونَ ٢ ﴾ [الحجرات: ٢]

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمھیں معلوم بھی نہ ہو“۔ [الحجرات:۲]

تو ایک صحابی جن کا اسم گرامی ثابت بن قیس ہے، انھوں نے یہ سمجھا کہ اس آیت کے مخاطب اور مصداق وہی ہیں؛ لہٰذا انھوں نے رسول کریم ﷺ سے شدید تعلق کے باوجود آپ کی مجالس کی حاضری ترک کر دی اور اپنے گھر میں بیٹھ گئے،

صرف فرض نمازوں کے لیے مسجد جاتے تھے، پھر گھر آجاتے تھے۔ حضور ﷺ کو ان کی کمی کا احساس ہوا تو فرمایا: ''کوئی ہے جو اُن کی خبر لائے؟'' ایک انصاری صحابی کھڑے ہوے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں لاتا ہوں، چناں چہ ان کے گھر گئے تو انھیں سر جھکائے ہوے غمگین پایا، تو کہا: ابو محمد، کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا کہ: بری بات ہے۔ کہا کہ وہ کیا ہے؟ کہنے لگے کہ تم جانتے ہو کہ میں بلند آواز آدمی ہوں، میری آواز حضور کی آواز سے اکثر بلند ہو جاتی ہے، تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن کریم میں کون سی آیت اس سلسلے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے مجھے تو لگ رہا ہے کہ میرے سارے اعمال اکارت ہو گئے اور میں جہنمی ہو چکا ہوں۔

وہ انصاری صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں واپس گئے اور جو دیکھا سنا تھا اس کی اطلاع دی، تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''جاکر اسے بتادو کہ تم اہل جہنم میں سے نہیں ہو؛ بل کہ اہل جنت میں سے ہو''۔ [رواہ احمد، تفسیر ابن کثیر]

غور فرمائیں کہ یہ صحابی ہیں، انھیں آپ ﷺ کی صحبتِ بابرکت کا شرف حاصل ہے، آپ کے ساتھ نمازیں پڑھتے رہے، اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہے اور دوسرے خیر کے کاموں میں پیش پیش رہے، ان سب کے باوجود خوفِ خدا کا یہ حال ہے کہ انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ان کے نیک اعمال اکارت نہ ہو گئے ہوں اور یہ جہنم کے مستحق نہ ہو گئے ہوں، پھر رسول کریم ﷺ کی بشارت سے انھیں اطمینان نصیب ہوتا ہے اور ان کی گھبراہٹ اور بے چینی ختم ہوتی ہے۔

لہٰذا مؤمن، عمل صالح کرتا ہے؛ لیکن اپنے گناہوں کی نحوست سے ڈرتا بھی ہے، اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے؛ کیوں کہ اکثر لوگ جہنم میں اپنی زبان کی وجہ سے

داخل ہوں گے۔ دوسروں کی اذیت رسانی سے بھی ڈرتا ہے، اس لیے کہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک عورت ہے جو نمازیں پڑھتی ہے، روزے رکھتی ہے اور صدقہ خیرات بھی کرتی ہے؛ لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے اذیت پہنچاتی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جہنمی ہے''۔[رواہ احمد]

اسی طرح وہ حسد سے بچتا ہے، کیوں کہ حسد، نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاجاتی ہے۔ وہ تکبر و گھمنڈ سے بھی دور رہتا ہے، کیوں کہ جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی کبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (مسلم شریف) وہ ہر اس گناہ سے پرہیز کرتا ہے جس سے غضبِ الٰہی اور عذابِ الٰہی کا مستحق بنتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنۢبِهِۦ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ ٱلصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ ٱلْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾ ﴾ [العنكبوت: ٤٠]

ترجمہ: ''تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں پکڑ لیا، ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کی بارش برسائی اور ان میں سے بعض کو سخت آواز نے دبوچ لیا، اور ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسادیا، اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا، اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے، بل کہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے''۔[سورۂ عنکبوت:۴۰]

خاتمہ

لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتے ہیں؛ لیکن چھوڑتے نہیں، ظالموں کے ظلم سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہیں، اسی طرح گنہ گاروں کے گناہ سے اور اعلانیہ گناہ کرنے والوں اور گناہ کی دعوت دینے والوں سے لاعلم نہیں ہیں، وہ تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز سے بھی واقف ہیں؛ لہٰذا سعادت مند انسان وہی ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرلے، اللہ نے اپنے رسولوں سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا۔ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش نظر رکھنا چاہیے:

﴿ إِنَّ رَبَّكَ لَبِٱلْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ ﴾ [الفجر: ١٤]

ترجمہ: ”بے شک آپ کا رب گھات میں ہے“۔[سورۂ فجر:۱۴]

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈریے، اس کی معصیت سے بچیے، اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیجیے، ناشکری کرکے ان نعمتوں کو زحمتوں میں تبدیل نہ کیجیے، توبہ اور استغفار کیجیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ توبہ اور استغفار کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

❊ ❊ ❊

۲/ ربیع الاول/ ۱۴۳۵ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

نگاہ اور عفّت و عصمت کی حفاظت

اس دنیا کا ہر فرد کسی نہ کسی قانون اور ضابطے کا پابند ہوتا ہے، روئے زمین پر ان حدود و قیود کی رعایت کرتے ہوئے چلتا پھرتا ہے، اس لیے کہ کائنات کی ہر شئ حدود اور ضوابط کی پابند ہے، یہاں تک کہ سورج، چاند اور ستارے بھی۔ وہ اپنے مدار پر ہی گھومتے ہیں:

﴿ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسۡبَحُونَ ﴿٤٠﴾ ﴾ [یس: ٤٠]

ترجمہ: ”اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں“۔[سورۂ یٰس:۴۰]

ہوائی جہازوں کے بھی فضاء میں اپنے مخصوص روٹ ہیں، آبی جہازوں کے بھی سمندروں میں متعین راستے ہیں، ٹرینوں کی مخصوص پٹریاں اور کاروں کی اپنی طے شدہ سڑکیں ہیں اور ان کے لیے سگنل بھی ہیں، اور ہر شخص کے لیے ان قوانین وضوابط کی پابندی ضروری ہے ورنہ چیزیں ایک دوسرے سے متصادم ہو کر تباہ و برباد ہو جائیں گی۔

آزادی یا پابندی

اس کائنات میں مطلقاً آزادی کا تصور نہیں ہے، مطلقا آزادی؛ بل کہ آوارگی صرف حیوانات میں پائی جاتی ہے، انسانیت سے اس کو کوئی سرورکار نہیں ہے۔

لہٰذا اگر بات یہی ہے کہ ہر انسان اس زمین پر کسی نہ کسی قانون و نظام کی پابندی کرتے ہوے زندگی بسر کرتا ہے، تو پھر اس میں کیا حرج ہے کہ انسان ان قوانین وضوابط کی پاسداری کرے جو آسمان وزمین کے خالق نے اس پر عائد کیے ہیں، جن کا مقصد بھی یہی ہے کہ چیزیں ایک دوسرے سے متصادم نہ ہوں اور اس لیے بھی کہ انسانوں کی آزمائش وامتحان بھی ہو کہ کون سب سے زیادہ اس مالک کے بنائے ہوے قانون پر عمل کرتا ہے ـــــ بل کہ یہ تو انسان کے لیے باعثِ فخر ہے کہ اس زمین پر آسمانی نظام کا پابند ہو جسے سارے جہان کے مالک نے بنایا ہے۔

اسلام کا پاکیزہ نظام، انسانی عفّت وعصمت کا محافظ

اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ انسان کی تربیت، عِفّت وپاک دامنی اور حشمت وحیا کے ماحول میں ہو، اس لیے اس کو شرعی احکام وقوانین کے حصار میں رکھا ہے؛ ایسے عقائد واحکام جو ہوا وہوس اور شہوت رانی کے مقابلے میں مضبوط چٹان بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر نہ تو وہ ان اخلاقی برائیوں میں خود کو ملوّث کرتا ہے نہ ہی مطلقا آزادی وآوارگی کی زندگی کو پسند کرتا ہے۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت

کریں اور عفت و عصمت کا خیال رکھیں۔

﴿ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا۟ مِنْ أَبْصَـٰرِهِمْ وَيَحْفَظُوا۟ فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾ ﴾ [النور: ۳۰]

ترجمہ: ''مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں، یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ ان سے باخبر ہے''۔ [سورۂ نور:۳۰]

یہی حکم مسلمان عورتوں کو بھی دیا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ''نگاہوں کی حفاظت'' کو پہلے ذکر کیا اور شرمگاہ کی حفاظت کو بعد میں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نظر حقیقت میں فسق وفجور اور فواحش کا پیش خیمہ ہے، لہٰذا جو شخص اپنی نگاہ کو حرام سے محفوظ رکھے گا وہ یقیناً اپنے دل میں ایمان و تقویٰ کی حلاوت محسوس کرے گا، نیز اپنے دل کو ناجائز امور میں گرفتار ہونے اور ذلیل ورسوا ہونے سے بچائے گا اور صنفی بے راہ روی سے بھی خود کو محفوظ رکھ سکے گا۔

بعض آثار میں وارد ہے:

''نظر، ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے، جو شخص اللہ کے خوف سے اس کو محفوظ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اس کے دل میں حلاوت عطا فرمائیں گے''۔[مجمع الزوائد]

ابو شجاع الکرمانیؒ کا قول ہے:

''جو شخص اپنا ظاہر اتباعِ سنت سے اور باطن ہمہ وقت اللہ کے دھیان سے آباد رکھے، اپنے نفس کو اس کی شہوتوں سے روکے، اپنی نظر کو حرام سے بچائے

اور حلال لقمے کا عادی بن جائے تو اس کی فراست کبھی خطا نہیں کر سکتی"۔

اسلام نے حرام دروازے بند کیے اور حلال دروازے کھول دیے

اسلام نے حرام کاری کے سارے دروازے بند کر دیے؛ لیکن مسلمان کے لیے حلال دروازے کھول دیے، قرآن کریم نے مسلمان کی تربیت اسی طرح کی ہے، کامیاب ایمان والوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اور جو اپنی عصمت کی حفاظت کرتے ہیں، بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے..." [المؤمنون:۵-۶]

اسلام نے نہ صرف حرام طریقے سے صنفی ملاپ سے منع کیا؛ بل کہ ان چیزوں سے بھی منع کیا ہے جو صنفی ملاپ کا ذریعہ بنتی ہیں، یعنی بد نظری، صنفی گفتگو اور ناجائز تعلقات۔

لیکن اس بات پر زور دیا ہے کہ لوگ شادی کریں اور کرائیں۔

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ ﴾

[النور: ۳۲]

ترجمہ: "تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو، اور اپنے نیک غلام اور لونڈیوں کا بھی، اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی بنادے گا، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے"۔ [سورۂ نور:۳۲]

اسلام، پاکیزہ افراد اور صاف ستھرے معاشرے کی تشکیل دیتا ہے، اسی لیے

اس نے پوری سوسائٹی سے یہ مطالبہ کیا کہ جو شخص عفت وعصمت کی حفاظت کا طلب گار ہو اور شادی کرنا چاہے تو اس کا تعاون کیا جائے۔

اخلاق سوز مناظر سے بچیں

اسلام نے ہر فرد سے یہ مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو فتنے کے اسباب سے اور شہوت انگیز امور سے دور رکھے؛ اس لیے اسلامی معاشرے میں ایسی چیزوں کے وجود کو ناجائز قرار دیا جو فحش کاری پر ابھاریں، نیز ہر مسلمان کو ایسی چیزوں سے روکا جو اُسے غلط روی کا شکار بنادیں؛ لہٰذا اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ برہنہ تصویروں پر نظر ڈالے، یا اخلاق سوز مناظر اور گھٹیا قسم کی ویڈیو سے لطف اندوز ہو، اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ بے حیائی کے قصے کہانیاں اور شہوت انگیز گانے سنے۔ ایک مؤمن اس طرح کی گھٹیا اور حیاسوز حرکتوں سے بالاتر ہو کر زندگی گزارتا ہے۔

ہم جنس پرستی

اس طرح کی طہارت وپاکیزگی کا تصور صرف اسلامی تعلیمات ہی میں آپ پائیں گے جو ہر فرد اور پورے معاشرے کے لیے عفت وعصمت کا داعی اور علَم بردار ہے۔

آپ یہ سن کر حیرت میں پڑ جائیں گے کہ بعض کنیسے جن کا یہ دعویٰ ہے (جو جھوٹ ہے اور بہتان ہے) کہ ان کے پاس آسمانی علوم ہیں اور انبیاء کی تعلیمات ہیں انھوں نے ہم جنس پرستی اور بدفعلی جیسی گندی حرکتوں کا خیر مقدم کیا ہے جو اس خدائی فطرت کے خلاف ہے جس پر انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

لیکن لوگ جب راہِ حق سے منحرف ہو جاتے ہیں، حرام کاموں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، ہلاکت خیز جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور انھیں اعلانیہ طور پر کرنے لگتے ہیں تو پھر وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف سزائیں رکھی ہیں، جن میں سے کچھ تو شرعی سزائیں ہیں جنھیں مسلمان حکمران نافذ کرتے ہیں اور کچھ تکوینی اور تقدیری و قدرتی سزائیں ہیں جو اس کائنات میں اسباب و مُسبّبات کے اصولوں کے ساتھ مربوط ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حدود و قوانین کی مخالفت کی وجہ سے کچھ وبائی امراض رُونما بھی ہوے، جیسا کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

> ”اے مہاجرین کی جماعت! پانچ عادتیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے —اور میں ان سے تمھارے لیے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں“ —... ان میں سے پہلی عادت اور خصلت یہ تھی: ”کسی قوم میں اعلانیہ طور پر فحش کاری عام ہو جائے تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو اُن سے پہلے کے لوگوں میں نہیں تھیں“۔ [ابن ماجہ والحاکم والبیہقی عن ابن عمرؓ]

یہ حدیث پاک نبوی معجزات میں سے ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی نگہ بان ہے، جو وقتاً فوقتاً لوگوں کو وارننگ دیتا رہتا ہے، اور یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ وارننگ دے کر غافلوں کو تنبیہ، بھولے ہوؤں کو یاد دہانی اور سوتے ہوے لوگوں کو بیدار کرتا ہے تاکہ گم راہ، رشد و ہدایت کی طرف لوٹ آئیں اور منحرف لوگ حق پہ آکر جم جائیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ ظَهَرَ ٱلۡفَسَادُ فِي ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِي ٱلنَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعۡضَ ٱلَّذِي عَمِلُواْ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُونَ ﴿٤١﴾ ﴾ [الروم: ٤١]

ترجمہ: ''خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا، اس لیے کہ انھیں ان کے بعض کرتوتوں کا صلہ مل جائے؛ ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں''۔ [سورۂ روم:۴۱]

ہر طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا رُونما ہونا؛ خواہ وہ افراد کی ہوں یا جماعت کی ہوں، یا خاندانوں کی ہوں، جسموں میں ہوں یا عقلوں میں یا مال ومتاع میں، یہ سب کیوں ہے؟ لوگوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا؛ بل کہ لوگ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

غور فرمائیں: ﴿لِيُذِيقَهُم بَعۡضَ ٱلَّذِي عَمِلُواْ ﴾ پر، کہ بعض کرتوتوں کا پھل چکھاتا ہے، اگر تمام بداعمالیوں پر مؤاخذہ کرنے لگے تب کیا حشر ہوگا؟

﴿ وَلَوۡ يُؤَاخِذُ ٱللَّهُ ٱلنَّاسَ بِمَا كَسَبُواْ مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهۡرِهَا مِن دَآبَّةٖ ﴾ [فاطر: ٤٥]

''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کی (بد) اعمالیوں پر داروگیر کرنے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا''۔ [سورۂ فاطر:۴۵]

اسلام کی مقدس تعلیمات پہ آپ کو فخر ہونا چاہیے

ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بیش بہا نعمت سے نوازا ہے، دین کی پاکیزہ تعلیمات سے ہماری اخلاقیات کا تحفظ کیا ہے؛ لہٰذا ہمیں یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ

دوسروں کی کاپی یا تقلید کریں، نہ ظاہر میں نہ باطن میں، نہ لباس وپوشاک میں، نہ اخلاق وعادات میں؛ بل کہ ہمیں پورے فخر کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وہ جملے دُہرانے چاہئیں جسے قرآن نے ذکر کیا ہے:

﴿ فَمَآ ءَاتَىٰنِۦَ ٱللَّهُ خَيۡرٞ مِّمَّآ ءَاتَىٰكُم ﴾ [النمل: ٣٦]

''اللہ تعالیٰ نے جو مجھے عنایت فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمھارے پاس ہے''۔ [سورۃ النمل:۳۶]

وہ دین اور اخلاق ہے۔

اگر دوسروں سے کچھ حاصل کرنا ناگزیر ہی ہے تو پھر ان سے وہ چیزیں لیں جن کی ہمارے پاس کمی ہے، مثال کے طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی، یہ سرمایہ بھی دراصل ہمارا ہی ہے، جو ہمارے پاس واپس آجائے گا؛ کیونکہ انھوں نے ہم سے ہی تجرباتی اور علمی اصول اخذ کیے ہیں؛ لہٰذا ہمیں اپنی چیز واپس لینی چاہیے، ویسے بھی حکمت ودانائی ہر مؤمن کی متاعِ گم شدہ ہے، جہاں مل جائے وہ اس کا حق دار ہے۔

معاذ اللہ

جب ہمارے پاس مکمل شریعت اور واضح ارشادات موجود ہیں تو ہمیں غیروں سے ممتاز ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھیں اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھیں۔ یہ ممکن ہے کہ مسلمان کسی حرام کے قریب پہنچ جائے؛ بل کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حرام خود ہی اس کے پاس پہنچ جائے اور اسے حرام کاری کا اختیار حاصل ہو؛ لیکن اس کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ یہ پکار اٹھے:

﴿ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ رَبَّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿١٦﴾ ﴾

''مجھے اللہ رب العالمین کا خوف ہے''۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس حرام خود ہی پہنچ گیا تھا اور انھیں اس پر پورا اختیار بھی حاصل تھا؛ لیکن انھوں نے فوراً، بے ساختہ یہ کہا: ''معاذ اللہ'' اللہ کی پناہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین داری، امانت داری، تقویٰ شعاری اور پرہیز گاری صرف آخرت کی کامیابی اور سعادت مندی کا ضامن نہیں ہے؛ بل کہ دنیا میں بھی سکون واطمینان، راحت اور چین اور سعادت مندی کا ذریعہ ہے۔

❊ ❊ ❊

۲۸/ ۴/ ۱۴۳۰ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

السلام علیکم

(باہمی اخوت و محبت اور دخولِ جنت کا سبب)

آپس کی الفت و محبت اسلام میں نہایت اہم اور ضروری امر ہے، جس پر اسلام نے زور دیا ہے، اس کے اسباب کی نشان دہی کی ہے، اس کے بقاء اور دوام کے اصول وضوابط بیان کیے ہیں؛ کیوں کہ ستھرا اور مضبوط معاشرہ وہ ہوتا ہے جس میں رہنے والے تمام افراد کے درمیان پیار و محبت، ہم دردی اور اُخوّت قائم رہے۔

جن چیزوں سے دلوں میں احترام و محبت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں ان میں سے ایک اہم اور بنیادی چیز ہے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے سلام کرنا۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ”تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ، اور تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو؛ کیا میں تمھیں ایسا عمل نہ بتاؤں کہ جس کے کرنے سے تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگوگے؟ سلام کو اپنے لوگوں میں پھیلاؤ“۔ [مسلم شریف]

ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کھانا کھلاؤ، اور سلام کرو جس کو پہچانتے ہو اسے بھی اور جسے پہچانتے نہیں ہو اسے بھی''۔[متفق علیہ]

سلام کرنا جس طرح پیار و محبت کا سبب ہے، اسی طرح دخولِ جنت کا بھی سبب ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، اور (رات میں) لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے''۔

اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کبھی کبھی بازار جاتے تھے، حالاں کہ کچھ خریدتے نہیں تھے، جب ان سے وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ صرف سلام کرنے کے لیے نکلتے ہیں تاکہ جو مل جائے اسے سلام کریں''۔

حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے سلام کی مشروعیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے قیامت تک کے ایمان والوں کے لیے ملاقات کے وقت سلام کو مشروع قرار دیا ہے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو انھیں حکم دیا کہ جاؤ اور انھیں (فرشتوں کی جماعت) کو سلام کرو؛ چناں چہ انھوں نے کہا: السلام علیکم، تو فرشتوں نے کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ تو فرشتوں نے 'ورحمۃ اللہ' کا اضافہ کیا''۔[متفق علیہ]

اسی وجہ سے جب ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوے تو سلام کے ذریعہ مخاطب ہوے، تو حضرت ابراہیم نے بھی ان کے سلام کا جواب دیا۔ اللہ نے فرمایا:

﴿ هَلْ أَتَىٰكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَٰهِيمَ ٱلْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوا۟ عَلَيْهِ فَقَالُوا۟ سَلَٰمًا ۖ قَالَ سَلَٰمٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾ ﴾ [الذاريات: ٢٤ – ٢٥]

سلام کرنے کا طریقہ

امام ترمذی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ:

> رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور کہا: السلام علیکم، آپ ﷺ نے جواب دیا اور ان صاحب کے بیٹھنے کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''عشر'' یعنی دس نیکیاں، پھر دوسرے صاحب تشریف لائے اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپؐ نے جواب دیا، پھر بیٹھ گئے تو آپؐ نے فرمایا: ''عشرون'' یعنی بیس نیکیاں، پھر ایک تیسرے صحابی تشریف لائے اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپؐ نے جواب دیا تو وہ بیٹھ گئے، تو آپؐ نے فرمایا: ''ثلاثون'' یعنی تیس نیکیاں''۔

لہٰذا اسلام کی کیفیت کے سلسلہ میں یہ روایت بنیاد ہے، جس سے معلوم ہوا کہ سلام کا ادنیٰ درجہ جو کافی ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ صرف: السلام علیکم کہا جائے، اور اوسط درجہ یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا جائے، اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ پورا: السلام علیکم

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے۔ پہلی صورت میں دس نیکیاں، دوسری میں بیس اور تیسری میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اگر حاضرین کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ ایک بار کا سلام سب تک نہ پہنچ سکے تو دو بار یا تین بار بھی سلام کرنا مستحب ہے، اسی طرح کے حالات پر ان احادیث کو محمول کیا جائے گا جن میں حضور ﷺ سے بعض دفعہ تین بار سلام کرنا ثابت ہے۔

سلام کے بعض احکام

سلام کی ابتداء کرنا سنت ہے، یہ سنت علی الکفایہ ہے، یعنی پوری جماعت کی طرف سے اگر ایک شخص سلام کرلے تو سب کی طرف سے سلام ہو جائے گا، اگرچہ ہر ایک کا سلام کرنا افضل ہے۔ جسے سلام کیا جائے اگر وہ محض ایک شخص ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ جواب دے، البتہ اگر ایک سے زیادہ لوگوں کو سلام کیا جائے تو جواب دینا واجب علی الکفایہ ہو گا، یعنی اگر ایک شخص بھی جواب دے دے تو سب کی طرف سے سمجھا جائے گا، تاہم اگر سارے لوگ جواب دیں تو یہ افضل ہے؛ لیکن اگر کسی نے جواب نہیں دیا تو ترکِ واجب کے سب گنہ گار ہوں گے۔

سلام کا جواب دینا واجبات میں سے ہے، جس طرح سلام کرنے والے نے سلام کیا، اسی طرح جواب دینا تو واجب ہے؛ لیکن اس سے اچھی طرح جواب دینا افضل اور مطلوب شرع ہے۔ مثال کے طور پر، سلام کرنے والے نے اگر صرف ''السلام علیکم'' کہا تو جواب میں ''ورحمۃ اللہ'' کا اضافہ کر دیں، اور اگر اس نے ''ورحمۃ اللہ'' بھی کہا تھا تو جواب میں ''وبرکاتہ'' کا اضافہ کریں۔ اچھی طرح جواب دینے میں

خوب صورت انداز، بشاشت، مسکراہٹ اور خندہ پیشانی بھی داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا۟ بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ ﴾

[النساء: ٨٦]

ترجمہ: ”اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو“۔[سورۂ نسا:۸۶]

اگر کوئی شخص کسی کا سلام پہنچائے تو جواب دینا ضروری ہے، مثلاً کسی نے کہا کہ فلاں صاحب نے آپ کو سلام کہا تو جواب میں کہیں ”وعليهِ السّلام“ اور ”ورحمة الله وبركاته“ بڑھادیں تو افضل ہے؛ بل کہ سلام پہنچانے والے کے احسان کا بدلہ بھی دیں اور یوں کہیں ”عَلَيْهِ وعَلَيْكَ السَّلام“۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے ایک بار نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ جبریلؑ ہیں جو تجھے سلام کر رہے ہیں“ تو حضرت عائشہؓ نے کہا: ”وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“۔

کسی کو سلام کیا، پھر رخصت ہو گئے، دوبارہ ملاقات پر خواہ وہ عنقریب ہی ہو سلام کرنا چاہیے، اسی طرح دو شخصوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار حائل ہو جائے پھر ملیں تو سلام کریں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”جب تم اپنے بھائی سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو، اگر دونوں کے درمیان درخت یا دیوار حائل ہو جائے پھر ملاقات ہو تو دوبارہ سلام کرو“۔[ابوداؤد]

سنت یہ ہے کہ بات شروع کرنے سے پہلے سلام کرو، جو شخص سلام کرنے

میں پہَل کرے گا اسے ثواب زیادہ ملے گا۔ حدیث میں ہے:

«وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلاَمِ». ''دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے''۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو سلام کا حکم

مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کے سلسلہ میں شریعت کا حکم بالکل واضح ہے، وہ یہ ہے کہ چوں کہ سلام ایک مقدس کلمہ ہے، ایک عظیم دعا ہے، لہٰذا اس کا جو مستحق ہو گا اسی کو سلام کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے اور ہماری شریعت کا انکار کرنے والے اس کے مستحق نہیں ہیں؛ اس لیے ان کو سلام کرنے میں پہل کرنے سے منع کیا گیا ہے، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو''۔ [مسلم شریف]

البتہ اگر ان میں سے کوئی سلام کرے تو فقط ''وعلیکم'' جواب میں کہنا چاہیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اگر اہل کتاب تمھیں سلام کریں تو تم 'وعلیکم' کہو''۔ [متفق علیہ]

اگر ایسی جماعت پر گزر ہو جس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں ہوں تو سنت یہ ہے کہ نیت مسلمانوں کی کر کے سلام کرے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جس میں مسلمان، یہود اور بت پرست مشرکین ایک ساتھ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سلام کیا''۔ [متفق علیہ]

جب گھر میں داخل ہو تو سلام کر کے داخل ہو، یہ خود اس کے لیے اور اس کے اہل خانہ کے لیے باعث خیر وبرکت ہے؛ لیکن اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو سلام کا طریقہ یوں ہو گا:

«السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ» یہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔

السلام علیکم کے معنی کیا ہیں؟

امام نوویؒ نے مسلم شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ "السلام" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے، لہٰذا جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو السلام علیکم کہتا ہے تو اس کے معنی ہیں: تم اللہ کے حفظ وامان میں رہو، اللہ تمھارے ساتھ ہے۔ دوسرے معنی ہیں سلامتی کے، یعنی تمھارے اوپر سلامتی ہو؛ دونوں صورتوں میں حفاظت کی دعا کے مفہوم میں ہے۔

سلام کے آداب

سلام کے آداب میں سے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیٹھا ہوا ہے تو اس کے پاس سے گزرنے والا اسے سلام کرے گا، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اسی طرح گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا سنت ہے، خواہ داخل ہونے والا چھوٹا ہو یا بڑا، سلام اس کو کرنا ہو گا نہ کہ گھر والے اسے کریں گے۔ راستے میں دو شخص مل گئے، ایک سوار تھا دوسرا پیادہ، تو سوار شخص کی ذمہ داری ہے کہ پیادہ کو سلام کرے؛ البتہ اگر دونوں

ایک ہی حالت میں ہیں، تو ہر ایک سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرے۔ حدیث شریف میں ہے:

"سوار شخص سلام کرے گا پیدل چلنے والے کو، پیدل چلنے والا سلام کرے گا بیٹھے ہوے کو، اور کم لوگ سلام کریں گے زیادہ لوگوں کو"۔

دوسری روایت میں ہے:

"چھوٹا بڑے کو سلام کرے، چلنے والا بیٹھے ہوے کو اور قلیل، کثیر کو"۔

شرعی اصول وضابطہ تو وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا؛ لیکن اگر اس کے خلاف کیا گیا تو جائز ہے؛ لیکن خلاف سنت ہے؛ ہاں بعض صورتوں میں اتباع سنت ہے، مثلاً اگر بچوں کو بڑے سلام کریں تو اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں، بل کہ عین سنت کے مطابق ہے، جیسا کہ صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ بچوں کے پاس سے گزرے تو انھیں آپؐ نے سلام کیا۔

سلام کو عام کیجیے، اس کو خوب پھیلایئے، اجر وثواب کے مستحق بنیے، یقین مانیے کہ دنیا کے کسی مذہب میں ملاقات کے وقت کے لیے اس سے حسین، بامعنی اور اچھے دعائیہ کلمات نہیں ہیں، یہ باعثِ فخر اور موجب شکر ہے، بہ جا طور پر ہمیں اس پر فخر ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے دین سے نوازا جس کا ہر پہلو مبارک، ہر عمل اعلیٰ وارفع اور ہر حکم حکمتوں سے بھرپور اور ساری انسانیت کے لیے خیر وبھلائی اور دنیا وآخرت کی سعادت کا ضامن ہے۔

❊ ❊ ❊

۲۹/ رجب/۱۴۲۹ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

پڑوسی کا مقام اور اس کے حقوق

اسلامی سوسائٹی کی اہم خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں پڑوسی کو امتیازی مقام دیا گیا ہے، ہم سایہ خواہ کیسا بھی ہو، بہ ہر حال اسلام میں اس کا اکرام اور اس کی تعظیم اور اس کے حقوق ہیں، قرآن کریم کی جس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے حقوق، والدین کے اور رشتے داروں کے حقوق ذکر کیے گئے ہیں اسی میں ہم سایوں کے حقوق بھی ذکر کیے گئے ہیں:

﴿ وَٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَلَا تُشۡرِكُواْ بِهِۦ شَيۡـٔٗاۖ وَبِٱلۡوَٰلِدَيۡنِ إِحۡسَٰنٗا وَبِذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱلۡجَارِ ذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡجَارِ ٱلۡجُنُبِ وَٱلصَّاحِبِ بِٱلۡجَنۢبِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡۗ ﴾ [النساء: ٣٦]

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہم سایہ سے اور اجنبی ہم سایہ سے اور پہلو کے ساتھی

سے اور مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمھارے ہاتھ ہیں"۔[سورۂ نسا:۳۶]

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ». [متفق عليه]

"جبریلؑ مجھے پڑوسی کے بارے میں اتنی وصیت کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ اس کو وارث بنادیں گے"۔[متفق علیہ]

ہم سایہ کی تین قسمیں

تین طرح کے ہم سایے ہوتے ہیں:

- ایک وہ جو رشتہ دار مسلمان ہو۔
- دوسرے وہ جو رشتہ دار تو نہیں؛ لیکن مسلمان ہے۔
- تیسرے جو غیر مسلم ہو۔

جو ہم سایہ رشتہ دار مسلمان ہو اس کے تین حقوق ہیں:

- ایک حق ہم سایگی۔
- دوسرے حق اسلام۔
- تیسرے حق قرابت۔

جو ہم سایہ مسلمان ہو؛ لیکن رشتہ دار نہ ہو تو اس کے دو حقوق ہیں:

- ایک حق اسلام۔
- دوسرے حق ہم سایگی۔

اور جو ہم سایہ غیر مسلم ہو اس کا ایک حق ہے، وہ ہے:

- حق ہم سایگی۔

ہم سایہ کے ساتھ حسنِ سلوک ایمان کی علامت ہے

حدیث پاک میں ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ».

[متفق عليه]

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے پڑوسی کا اکرام کرنا چاہیے"۔[متفق علیہ]

ایک روایت میں ہے: «فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِه».

دوسری میں ہے: «فَلْيَحْفَظْ جَارَهُ» [احمد]

ان تمام روایتوں سے پڑوسی کے ساتھ حسن معاملہ کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔

حسنِ سلوک کے مختلف انداز

حدیثِ پاک میں پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو مطلقا ہے اور اپنے اندر نہایت وسیع معانی رکھتا ہے؛ لہٰذا جتنی چیزیں اکرام کے خلاف ہوں گی وہ سب ہم سایے سے دور رکھی جائیں گی۔

اکرام کا تعلق انسان کے قول سے بھی ہے اور فعل سے بھی، قول کے ذریعہ اکرام میں ہم سایہ کو سلام میں پہل کرنا، اس کے احوال دریافت کرنا اور اس کے

ساتھ نرم گفتاری سے پیش آنا ہے۔ اپنے فعل کے ذریعہ اکرام میں ان کو ہدایا تحائف پیش کرنا، خواہ وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا کوئی اور چیز ہو، ان کی دعوت قبول کرنا، اگر بیمار ہوں تو عیادت کرنا، ان کے اہل وعیال کے ساتھ شفقت ومہربانی کا معاملہ کرنا، اگر گھر کا مالک نہ ہو تو اس کے اہل خانہ کے احوال کا جائزہ لیتے رہنا، خواہ وہ براہِ راست ہو یا اپنے اہل خانہ کے ذریعہ ہو، اگر ہم سایہ تنگ دست ہو اور محتاج ہو تو اپنی استطاعت کے بقدر اس کی ضروریات کا تکفل کرنا، احسان جتلائے بغیر اللہ کی رضا کے لیے اس پر اپنا مال خرچ کرنا۔

عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ، وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ». [رواه الحاكم وصححه الذهبي]

"وہ (کامل) مومن نہیں جو سیر ہو کر کھالے اور اس کے پڑوس میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے"۔[حاکم]

حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً، فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ». [مسلم]

"ابو ذر! جب تم سالن پکاؤ تو پانی زیادہ کر دو اور اپنے پڑوسیوں کی نگہ داشت کرو" یعنی ان کو بھیجا کرو۔[مسلم شریف]

اور اگر ہم سایہ غنی و مال دار ہے تو اس کی خدمت میں وقتاً فوقتاً ہدایا بھیجنے چاہئیں، کوئی عمدہ اور لذیذ چیز گھر میں پکی ہو تو ہم سایوں کو نہ بھولیں، اگرچہ وہ محتاج نہ

ہوں، اس سے باہمی روابط مضبوط ہوں گے، الفت و محبت میں اضافہ ہو گا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے:

«مِنْ حَقِّ الْجَارِ أَنْ تَبْسُطَ إِلَيْهِ مَعْرُوْفَكَ».

''پڑوسی کا حق یہ بھی ہے کہ اس کی طرف احسان و بھلائی کا ہاتھ پھیلا کر رکھیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا یہودی پڑوسی کے ساتھ برتاؤ

اسلام نے جو حسنِ اخلاق اور حسنِ جوار کا خوب صورت نظام عطا کیا ہے وہ صرف مسلمان کے لیے نہیں ہے؛ بل کہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو آپ کا پڑوسی ہو، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس تھا، اسی وقت ان کا ایک لڑکا بکری ذبح کر کے اس کی کھال اتار رہا تھا، حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا: بیٹے! جب کھال اتار لینا تو سب سے پہلے ہمارے یہودی ہم سایہ کو اس میں سے گوشت پہنچانا، انھوں نے بار بار یہ بات فرمائی، اتنی بار کہی کہ بچہ بھی کہنے لگا کہ آپ کتنی بار کہیں گے؟ تو حضرت عبد اللہؓ نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کی اتنی وصیت فرمائی کہ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ اس کو وراثت کا حق دار نہ بنادیں''۔

[ابو داؤد والترمذی]

وہ ایسا کیوں نہ کرتے، رسول اکرم ﷺ کی ہم سایہ کے سلسلہ کی واضح

ہدایات ان کی نگاہوں کے سامنے تھیں، ایک روایت میں ہے:

«خَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ» [سنن الترمذی]

"ہم سایوں میں سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ہم سایہ کے لیے بہتر ہو"۔[ترمذی]

انسان کی خیریت اور اس کی بہتری اس پر موقوف ہے کہ اپنے ہم سایے کے لیے بہتر ہو اور باعث خیر ہو۔

ہم سایہ کا اعلیٰ ترین اکرام

سب سے اعلیٰ اکرام یہ ہے کہ ہمارا ہم سایہ اگر دینی امور میں سست روی کا شکار ہے تو اس کو محبت کے ساتھ دین پر لائیں، غافل کو یاد دلائیں، گم راہ کو راہ راست پر لانے کی سعی کریں، غیر مسلم ہو تو دین کی دعوت دیں، اسلام کی حقانیت سے روشناس کریں، مسلمان اگر فرائض کا تارک ہے تو اسے فرائض کی اہمیت بتائیں، اللہ کے قریب کرنے کی کوشش کریں، خدانخواستہ کسی حرام کام کا مرتکب ہے تو نہایت پردہ پوشی کے ساتھ اس کو نصیحت کریں، اس کی کمی کوتاہی کو لوگوں سے بیان کرکے اس کو رسوا نہ کریں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اپنے موچی پڑوسی کے ساتھ معاملہ

خطیب بغدادی نے حضرت عبد اللہ رجا الغدانی سے نقل کیا ہے کہ کوفہ میں امام ابو حنیفہؒ کا ایک ہم سایہ تھا جو پیشے سے موچی تھا، دن بھر کام کرتا تھا اور جب رات

ہوتی تھی تو اپنے ساتھ گوشت یا مچھلی لیے ہوے آتا تھا، اسے بھونتا تھا اور کھا کر شراب پیتا تھا، پیتے پیتے جب نشہ آنے لگتا تو اونچی آواز سے یہ گانا شروع کر دیتا:

أَضَاعُوْنِي وَأَيَّ فَتَىً أَضَاعُوا

لِيَوْمِ كَرِيْهَةٍ وَسَدَادِ ثَغْرٍ

"لوگوں نے مجھے برباد کر دیا، اور کس نوجوان کو برباد کیا؟ جو جنگ کے میدان میں اور سرحد کی حفاظت میں ان کے کام آسکتا تھا"۔

شراب پیتا اور یہ شعر بآواز بلند پڑھتے، گاتے سو جاتا تھا، حضرت امام ابو حنیفہؒ ہر رات اس کی یہ آواز سنتے تھے اور یقیناً اذیت بھی محسوس کرتے تھے، کیوں کہ وہ تہجد کی نماز ادا فرماتے تھے جس میں اس کی آواز مُخِل ہوتی تھی (لیکن ہم سایگی کے احترام میں اسے برداشت کرتے اور صبر کرتے تھے) چند راتیں گزریں اور امام صاحب نے اس کی آواز نہ سنی تو لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو پتہ چلا کہ چند روز قبل پولس نے اسے گرفتار کر لیا تھا، اور وہ اس وقت قید خانے میں ہے۔ امام صاحبؒ نے فجر کی نماپڑھی اور اپنے خچر پہ سوار ہو کر امیر صاحب (گورنر شہر) کے ہاں اجازت لے کر پہنچ گئے، گورنر صاحب نے دریافت کیا کہ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا کہ میرا ایک موچی پڑوسی تھا جسے آپ کے لوگوں نے گرفتار کر لیا ہے، اگر آپ اس کی رہائی کا حکم دیں تو نوازش ہو گی، گورنر نے کہا کہ میں نہ صرف اس کی رہائی کا حکم دیتا ہوں؛ بل کہ جس رات اس کو گرفتار کیا گیا اس وقت سے اب تک کے تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم دیتا ہوں، چناں چہ اس کو رہا کرا کے امام صاحب واپس لے آئے، گھر پہنچ کر اس سے

فرمایا: «يَا فَتى! أَضَعْنَاكَ؟» او نوجوان! کیا ہم نے تجھے ضائع اور برباد کیا؟ تو وہ نم دیدہ ہو کر کہنے لگا: ہر گز نہیں، آپ نے تو میری حفاظت کی، میرے اوپر مہربانی کی، ہم سایگی کے احترام اور اس کے حق کی ادایگی پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ امام صاحبؒ کے اس حسنِ معاملہ اور احسان کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے شراب اور معصیت کی زندگی سے توبہ کرلی اور صالح انسان بن گیا۔

ہم سایہ کا تعاون کریں

پڑوسی اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کی تعزیت کریں، حتی الامکان اس کی مصیبت کے وقت اس کے کام آئیں، خوشی کا موقع ہو تو مبارک باد پیش کریں، اس کی کمی کوتاہی اور برائی پر پردہ پوشی کریں، اس کے گھر کی عزت وآبرو کو اپنی عزت وآبرو سمجھیں، اس کی گزرگاہ میں کوئی رکاوٹ ہو تو دور کریں، اس کے گھر کے سامنے کسی طرح کی گندگی یا غلاظت نہ پھینکیں، اس کے ساتھ ہم دردی اور تعاون کا معاملہ رکھیں۔

پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی پر وعید

اسلام نے ایک طرف تو ہم سایہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا اور اسے کمال ایمان کی شرط قرار دیا، دوسری طرف اس کے ساتھ بدسلوکی اور بدمعاملگی پر سخت وعید بیان کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا:

«وَاللهِ لاَ يُؤْمِنُ» اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا، عرض کیا

گیا: وہ کون شخص ہے؟ تو فرمایا: «الَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ» ”جس شخص کے پڑوسی اس کے شرور سے محفوظ نہ ہوں“۔ [مسلم شریف]

جب حضور ﷺ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فلاں عورت بہت نمازیں پڑھتی ہے، روزے رکھتی ہے، خوب صدقات وخیرات کرتی ہے؛ لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے اذیت دیتی ہے تو آپؐ نے فرمایا: ”یہ جہنمی ہے“۔[احمد، ابن حبان والحاکم، وقال: صحیح الاسناد]

عزت وآبرو تو ہر مسلمان؛ بل کہ ہر انسان کی عزیز ہوتی ہے، مسلمان اس کی حفاظت ونگہ بانی اپنی اخلاقی اور مذہبی ذمہ داری سمجھتا ہے، لیکن اس ذمہ داری کی اہمیت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب اس کا تعلق اپنے پڑوسی سے ہو۔

رسول کریم ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا:

«مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ الزِّنَا». ”زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟“

صحابہ نے عرض کیا: وہ تو حرام ہے، اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا وہ قیامت تک حرام ہی رہے گا۔ آپ ﷺ نے اس کے بعد فرمایا:

«لَأَنْ يَزْنِيَ الرَّجُلُ بِعَشْرِ نِسْوَةٍ أيسرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَزْنِيَ بِامْرَأَةِ جَارِهِ». [رواه أحمد واللفظ له، ورواته ثقات، والطبراني في الأوسط والكبير]

”ایک شخص دس عورتوں کے ساتھ منھ کالا کرے یہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اپنے پڑوسی کی عورت کے ساتھ منھ کالا کرے“ (یعنی بدکاری کرے)، بالکل اسی طرح چوری کے سلسلے میں بھی فرمایا۔[مسند احمد]

شریعت میں پڑوسی کسے کہتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ سے اس کی تحدید و تعیین کے سلسلے میں کوئی روایت منقول نہیں ہے، البتہ بعض صحابۂ کرامؓ سے آثار مروی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَهُوَ جَارٌ». ''جو اذان کی آواز سنے وہ پڑوسی ہے''۔

یعنی بغیر مائکروفون کے مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہو وہ سارے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آپ کے گھر کے ہر طرف سے چالیس گھرانے پڑوسی میں شامل ہیں، امام اوزاعی سے بھی یہی منقول ہے، امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں حضرت حسنؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

تاہم جو پڑوسی جتنا قریب ہوگا اس کے حقوق زیادہ ہوں گے، یعنی مقام و مرتبے میں اولویّت کا دار و مدار قربِ جوار کے ساتھ وابستہ ہے۔ امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت ذکر کی ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں، تو میں ہدیہ کس کو دوں؟ یعنی ان دونوں میں اولویّت کس کو ہوگی؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا:

«إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا». ''ان دونوں میں جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو اسے دو''۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ معاملہ اور احسان و ہم دردی کی یہ اسلامی تعلیمات

صرف پڑھنے اور سننے کے لیے نہیں ہیں؛ بل کہ عمل میں لانے کے لیے ہیں، اس پر عمل کرنے سے نہ صرف باہمی الفت ومحبت اور ہم دردی وغم خواری میں اضافہ ہو گا؛ بل کہ ایک صالح اور مضبوط معاشرہ وجود میں آئے گا۔

❊ ❊ ❊

۱۲/ صفر/۱۴۴۱ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

بدگمانی

آج کے خطبے کا موضوع ایک ایسی اندرونی بیماری ہے جس سے دل کی دنیا اُجڑ جاتی ہے، دل سخت ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے دل میں نفرت، عداوت اور کینہ وحسد جیسی بدترین بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ کا ایک طرف اپنے خالق ومالک کے اوپر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے دوسری طرف اللہ کے بندوں کے ساتھ بدمعاملگی شروع کر دیتا ہے: یہ بیماری ہے "بدگمانی" کی، بدگمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور جاہلوں کے اوصاف میں سے ہے۔

بدگمانی کی تعریف

علامہ ابن قیمؒ نے فرمایا:

"بدگمانی یہ ہے کہ دل لوگوں کے تئیں برے تصورات سے بھر جائے اور اس کے آثار جسم کے دیگر اعضا اور زبان پر ظاہر ہونے لگیں"۔

نیز اس کی تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ کسی شئ میں خیر وشر دونوں طرح کے

احتمالات ہوں، ان میں سے شر کے پہلو کو اختیار کرنا اور خیر کے پہلو کو نظر انداز کر دینا بد گمانی ہے۔

بد گمانی کی دو قسمیں

(۱) ایک بد گمانی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ، وہ اس طرح کہ اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کی ذاتِ عالی کے لائق اور شایانِ شان نہیں، یا اس کے لیے ایسے اوصاف بیان کرے جس سے وہ منزّہ اور پاک ہے، یا اسے چھوڑ کر کسی اور کو مشکل کشا سمجھنے لگے، یا اس کی ذات سے نا اُمید ہو جائے۔

سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت منافقوں اور مشرکوں کی بیان فرمائی ہے اور ان کے لیے عذاب کی وعید سنائی ہے:

﴿ وَيُعَذِّبَ ٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱلْمُنَٰفِقَٰتِ وَٱلْمُشْرِكِينَ وَٱلْمُشْرِكَٰتِ ٱلظَّآنِّينَ بِٱللَّهِ ظَنَّ ٱلسَّوْءِ ۚ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ ٱلسَّوْءِ ۖ وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿٦﴾ ﴾

[الفتح: ٦]

ترجمہ: ”اور تاکہ ان منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بد گمانیاں رکھنے والے ہیں، برائی حقیقت میں ان ہی پر لوٹ کر جائے گی، اللہ ناراض ہوا، اور ان کے اوپر لعنت کی اور ان کے لیے دوزخ تیار کی اور وہ بری لوٹ کر جانے کی جگہ ہے“۔

[سورۂ فتح:٦]

اسی طرح مشرکوں کے بارے میں بھی فرمایا: ''تم محض اپنے ظن و گمان کی پیروی کرتے ہو''۔

اس لیے مرد مؤمن کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھے؛ کیوں کہ یہی فلاح و نجات کا راستہ ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو وفات سے تین روز قبل یہ فرماتے ہوے سنا:

''جب تم میں سے کسی کی موت آئے تو اس وقت اللہ کے ساتھ حسن ظن ضرور رکھے''۔[مسلم]

ایک حدیث قدسی میں ہے:

''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں؛ لہٰذا اب اس کی مرضی ہے کہ میرے ساتھ جیسا چاہے گمان رکھے''۔[احمد وابن حبان]

دوسری روایت میں ہے:

''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، اگر اچھا گمان رکھتا ہے تو اچھا معاملہ ہوتا ہے، اور اگر برا گمان رکھتا ہے تو معاملہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے''۔[احمد، ابن حبان]

بدگمانی کی دوسری قسم

دوسری قسم یہ ہے کہ انسان کسی بندے کے ساتھ بدگمانی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بدگمانی سے منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ یہ ایک

عظیم گناہ ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجْتَنِبُواْ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ... ﴾ [الحجرات: ۱۲]

''اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو؛ کیوں کہ بعض گمان گناہ ہیں''۔[سورۂ حجرات:۱۲]

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم گمان سے پرہیز کرو؛ کیوں کہ (بد) گمانی نہایت جھوٹی بات ہے، کسی کی تاک میں نہ لگو، آپس میں دشمنی نہ رکھو، قطع تعلق نہ کرو، اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو''۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دوسروں سے بدگمان رہتا ہے اور اس بدگمانی کی بنیاد پر ان کے عیوب اور ان کی برائیاں بیان کرتا پھرتا ہے تو یہ دراصل اس کی باطنی خرابی اور طبعی خباثت کی علامت ہے؛ کیوں کہ ایمان والا بندہ اپنے بھائی کے لیے عذر تلاش کرتا ہے اور اس کی کسی کمی کوتاہی کو کسی عذر پر محمول کرتا ہے۔

بدگمانی کے نتائج

بدگمانی کی وجہ سے آدمی بداخلاق ہو جاتا ہے، بری عادتوں اور خصلتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا: ''بزدلی، بخالت اور لالچ یہ سب بدترین خصلتیں ہیں جن کی بنیاد اللہ تعالیٰ سے بدگمانی ہے''۔[الآداب الشرعیۃ لابن المفلح]

حضرت مہلب فرماتے ہیں:

"بغض وعناد اور حسد وجلن کی بنیاد بدگمانی ہے؛ کیوں کہ حاسد اور معاند شخص اپنی بدگمانی کی وجہ سے اپنے مدمقابل کے ہر عمل اور ہر بات کی بدترین تشریح کرتا ہے"۔[شرح صحیح البخاری لابن بطال]

بدگمانی کی وجہ سے دلوں میں کینہ، عداوت اور باہمی نزاع جنم لیتے ہیں؛ کیوں کہ بدگمانی، بھائی چارے کی رسی کو کاٹ ڈالتی ہے، آپسی پیار ومحبت کی جڑیں اکھیڑ دیتی ہے۔

ایک فیملی میں پیدا ہونے والی مشکلات اور ایک خاندان میں ہونے والے جھگڑوں کی اکثر وجہ یہ بدگمانی ہی بنتی ہے، یہاں تک کہ اس بدگمانی کی وجہ سے بعض دفعہ دوستوں اور رشتے داروں میں جدائی پیدا ہو جاتی ہے، ایک دوسرے کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے، حالاں کہ کچھ ہی وقفہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا جس کا گمان کیا گیا تھا۔

بدگمانی کی وجہ سے اسلامی معاشرے کے اعتماد پہ ضرب پڑتی ہے، ایک دوسرے کا اعتماد واعتبار ختم ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ جس معاشرے میں بدگمانیاں پھیل جاتی ہیں، اس معاشرے کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ مربوط تعلقات کے تانے بانے ٹوٹ جاتے ہیں۔

کسی بھی ایمان والے کے قول وفعل کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اس کے تصرفات کو خیر وبھلائی اور حسنِ نیت پہ محمول کیا جائے، ہاں اگر شرعی دلیل سے اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو یہ الگ بات ہے ـــــ لہٰذا ان اصولوں پر عمل کرنے سے ہم ان شرور وفتن کی راہوں کو بند کر سکتے ہیں، جن کے ذریعہ شیطان داخل ہو کر دلوں

میں بغض وعناد اور دشمنیاں پیدا کرتا ہے اور آپس کے تعلقات کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔

حسنِ ظن قائم رکھنے اور بدگمانی وسوء ظن سے بچنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح حکم دیا ہے، یہاں تک کہ اس نو مسلم شخص کے بارے میں بھی حسن ظن کا حکم دیا ہے جس نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا ہے اور چند لمحے قبل معرکے میں دشمنوں کی طرف سے ہمارے خلاف برسرپیکار تھا۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُواْ وَلَا تَقُولُواْ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ﴾ [النساء: ٩٤]

ترجمہ: ”اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں جارہے ہو تو تحقیق کرلیا کرو! اور جو تم سے سلام کرے، تم اس کو یہ نہ کہو کہ تم ایمان والے نہیں ہو“۔[سورۂ نساء:۹۴]

دل، دراصل نظر الٰہی کی جگہ ہے، ”اللہ تعالیٰ تمھاری شکلوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے؛ بل کہ تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتے ہیں“۔

لہٰذا یہ دل صاف ستھرا اور سلیم رہنا چاہیے، اس میں نفرت، عداوت، حسد، کینہ اور بدگمانی کو جگہ نہیں دینی چاہیے۔

کس طرح حسنِ ظن پیدا کریں اور سوءظن سے بچیں؟

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی ذات اقدس پر ایمان ویقین کو مضبوط کیا جائے، اس کے جلال وکمال کا تصور کیا جائے، اس

سے محبت و تعلق پیدا کیا جائے اور حسن اعتماد و توکل پیدا کیا جائے، اس کی کتاب کی تلاوت اور اس کے معانی پر غور کیا جائے، اس کائنات کے ذرّے ذرّے میں بکھری ہوئی اس کی نشانیوں پر نظرِ عبرت ڈالی جائے، اور اس کی بیش بہا نعمتوں کا استحضار کیا جائے، اس طرح دلوں میں اللہ کی محبت، خشیت اور ہیبت پیدا ہو گی اور پھر حسنِ ظن بھی پیدا ہو گا۔

بندوں کے ساتھ حسنِ ظن پیدا کرنے کے متعدد طریقے

(۱) کسی کے ظاہری امر سے برائی معلوم ہو رہی ہو تو اس کی حتی الامکان تاویل کرنے کی کوشش کریں یہاں تک کہ اس میں سے اچھائی کا پہلو نکل آئے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

"کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ اپنے بھائی سے کوئی بات سن کر اسے برائی اور شر سمجھے حالاں کہ اس بات کا دوسرا خیر کا مفہوم بھی نکل سکتا تھا"۔

[آداب شرعیہ: ابن المفلح]

لہٰذا کسی کی طرف سے تم تک کوئی ایسی بات پہنچے جو تمھیں رنجیدہ کرے یا دل آزاری کا سبب بنے تو اس کے لیے عذر تلاش کرنے کی کوشش کرو اور ان صلحائے امت کے حالات کو سامنے رکھو جو حسن ظن کے خوگر تھے اور دوسروں کے لیے اعذار تلاش کرتے تھے، یہاں تک کہ بعض نے یہ کہا کہ:

"اپنے بھائی کے لیے ستّر بار بھی اگر ضرورت پڑ جائے تو اسے معذور سمجھو"۔

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں:

"تمھارے بھائی کی طرف سے کوئی ناگوار بات تمھیں پہنچے تو اس کے لیے عذر تلاش کرلو؛ لیکن اگر کوئی عذر سمجھ میں نہ آئے تو خود کو مخاطب کرکے یہ کہو: شاید کوئی ایسا عذر ہو جو مجھے معلوم نہیں"۔

اگر آپ بتکلف اپنے بھائی کے لیے عذر تلاش کرنے کی کوشش کریں گے تو ایک طرف اپنے آپ کو بدگمانی کی لعنت سے بچالیں گے دوسری طرف اپنے بھائی کو بھی طعن و تشنیع اور ملامت سے بچالیں گے۔

اپنے دل کو اگر راحت و سکون دینا چاہتے ہیں تو اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں ہے کہ اسے بدگمانی سے بچائیں اور حسنِ ظن کا خوگر بنائیں؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ پریشان کن اور دل آزار تخیلات سے بچ جائیں گے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے:

"حسن ظن کی وجہ سے اگر کسی غیر صحیح نتیجہ تک پہنچیں، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ سوء ظن کے ذریعہ کسی صحیح نتیجے تک پہنچیں"۔

لہٰذا بدگمانی سے بچیے؛ کیوں کہ بدگمانی انسان کو گناہوں میں مبتلا کرتی ہے، دل کو شکوک و شبہات میں ڈال کر بیماری، ذہنی کشیدگی اور حیرانی و پریشانی کا سبب بنتی ہے۔

خوش گمان بنیے؛ کیوں کہ خوش گمانی سے دل کو راحت و سکون ملتا ہے اور آپسی بھائی چارہ، محبت اور الفت کو فروغ ملتا ہے۔

❊ ❊ ❊

۱۶/ ۵/ ۱۴۳۱ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

خوابوں کی حقیقت

امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ سول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ» قَالُوا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: «الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ».

ترجمہ: ”نبوت تو ختم ہوگئی لیکن اس میں سے مبشّرات رہ گئے، صحابہؓ نے عرض کیا: مبشرات کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اچھے خواب“۔

امام مسلمؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا، يَرَاهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوْ تُرَى لَهُ».. [صحيح مسلم]

ترجمہ: ”نبوت کی بشارتوں میں سے اب صرف سچے خواب باقی رہ گئے ہیں جو نیک مسلمان خود دیکھے گا یا اس کے لیے (کسی دوسرے کو) دکھایا جائے گا“۔

[صحیح مسلم]

خواب کی فضیلت

اسلام کے آنے کے بعد اور پہلے بھی خواب کا ایک بلند مقام و مرتبہ رہا ہے، چناں چہ اللہ کی توفیق، پھر خواب کے توسط سے حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے نکلے اور بادشاہِ وقت کے پاس اونچا منصب و مقام پایا، نیز اللہ کے فضل و کرم اور پھر خواب ہی کے واسطے سے وہ عظیم واقعہ رونما ہوا جس کا تعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ہے اوران کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی قربانی سے ہے جسے قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا:

﴿ قَالَ يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ فَٱنظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ .... ﴾ [الصافات: ۱۰۲]

ترجمہ: ”تو (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا: میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟“۔[سورۂ صافات:۱۰۲]

اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خواب کی خبر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر دی ہے۔

﴿ لَّقَدْ صَدَقَ ٱللَّهُ رَسُولَهُ ٱلرُّءْيَا بِٱلْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ إِن شَآءَ ٱللَّهُ ءَامِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۖ ﴾ [الفتح: ۲۷]

ترجمہ: ”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خواب سچا دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن وامان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوگے، سر منڈواتے

ہوے اور سر کے بال کتر واتے ہوے، بے خوف ہو کر"۔[سورۂ فتح:۲۷]

خواب کی حقیقت کیا ہے؟

خوابوں کی حقیقت بیان کرنے والوں کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے؛ بل کہ ان میں آپس میں تناقض بھی ہے، چناں چہ بعض غیرمسلم ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ خواب ان تخیلات وتصورات کا نام ہے جو انسان کی جنسی یا وجدانی کشمکش کی عکاسی کرتے ہیں، جن سے خواب دیکھنے والا گزر رہا ہوتا ہے ـــــ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خواب دراصل انسان کی جسمانی بے چینی یا درد وألم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کیفیت کا نام ہے جسے وہ نیند کی حالت میں محسوس کرتا ہے، مثال کے طور پر بد ہضمی یا دماغ کے کسی خاص خلیے میں پیدا ہونے والی ہیجانی کیفیت ـــــ بعض حضرات کہتے ہیں کہ انسان کے اندر فطری اور موروثی طور پر موجود چیزوں کی وضاحت خواب کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

لیکن ہمارے اسلام میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوئے ہوے شخص کے دل پر کچھ باتوں کا ورود ہوتا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے بیدار شخص کے دل پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں، ان کے لیے سویا ہوا اور بیدار دونوں برابر ہیں؛ لہٰذا یہ باتیں جو اس کے قلب پر وارد ہوتی ہیں وہ کبھی کبھی آئندہ یا گزشتہ واقعات کی طرف رہنمائی کر رہی ہوتی ہیں، تاہم یہ ذہن میں رہے کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں؛ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ: فَبُشْرَى مِنَ اللهِ، وَحَدِيثُ النَّفْسِ،

وَتَخْوِيفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ». [سنن ابن ماجه]

ترجمہ: ''خواب تین طرح کے ہوتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت، اپنے دل کی باتیں اور شیطانی تخویف ووساوس''۔[سنن ابن ماجہ]

خواب دیکھنے والوں کی قسمیں

خواب دیکھنے والوں کی مختلف قسمیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) **انبیائے کرام علیہم السلام:** ان کے خواب سارے ہی سچے ہوتے ہیں، البتہ بعض دفعہ کا خواب محتاج تعبیر بھی ہوتا ہے۔

(۲) **صالحین ونیکوکار:** ان کے اکثر خواب سچے ہوتے ہیں، بعض خواب ان کے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) **پوشیدہ حال مسلمان:** ان کے خواب سچے اور جھوٹے دونوں طرح کے مساوی ہوتے ہیں۔

(۴) **اہل فسق وفجور:** ان کے خوابوں میں صداقت بہت کم ہوتی ہے۔

(۵) **اہل کفر ونفاق:** شاذ ونادر ہی کوئی سچا خواب دیکھتے ہیں، ان کے اکثر خواب شیطانی الہام کے قبیل سے ہوتے ہیں۔

تو خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی، سچے خواب کو عربی میں ''رؤیا'' اور جھوٹے کو ''حُلم'' کہتے ہیں، حدیث شریف میں ہے:

«الرُّؤْيَا مِنَ الله، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ». [مسلم]

ترجمہ: ''رؤیا، اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور حُلم شیطان کی طرف سے''۔

[مسلم شریف]

لیکن ہم ان دونوں طرح کے خوابوں کی پہچان کیسے کریں اور دونوں خوابوں کے سلسلے میں اسلام ہماری کیار ہنمائی کرتا ہے؟

اچھے اور برے خواب کی پہچان

برے اور فاسد خواب کی علامت یہ ہے کہ خواب دیکھنے والا ایسے مناظر دیکھے جو ایک دوسرے کی نقیض اور ضد ہیں، یا وہ آپس میں ایسے خلط ملط ہوں کہ ان کی ابتدا اور انتہا کا پتہ نہ ہو۔

ایک علامت یہ ہے کہ بعض لوگ کسی خاص بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور خواب میں ایسی باتیں دیکھتے ہیں جو بیماری کے ساتھ موافقت رکھتی ہوں۔ علامہ ابن صلاحؒ نے اس کی مثال دی ہے: کہ کسی شخص کو ٹھنڈ لگنے کی وجہ سے بیماری ہوئی ہو اور وہ خواب میں نہریں، برف اور سمندر دیکھے، یا شدید بخار میں مبتلا ہو اور خواب میں سورج، آگ یا چنگاری دیکھے تو اغلب یہ ہے کہ اس طرح کا خواب ''اضغاث احلام'' کے قبیل سے ہے۔

ابن صلاح نے اس کی علامات میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ایسے امور کو خواب میں دیکھے جو محال اور ناممکن ہوں، یا کسی نبی کو فرعونی عمل کرتے ہوئے دیکھے، یا ایسی بات زبان سے کہہ رہا ہو جو زبان پہ لائی نہیں جاتی ـــــ اسی طرح انھوں نے ذکر کیا ہے کہ بیداری میں جو تخیلات اس کے ذہن و دماغ میں تھے وہی خواب میں بھی نظر آئیں تو اس طرح کے خواب ''احلام'' ہیں جن کی طرف نہ تو دھیان دینا چاہیے اور نہ ہی ان کی تعبیرات معلوم کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

سچے خواب وہ ہیں جن میں اوپر ذکر کی گئی علامات میں سے کوئی نہ ہو، نیز دیکھنے والا سچائی اور پرہیز گاری میں مشہور و معروف ہو، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

«أَصْدَقُكُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُكُمْ حَدِيثًا». [مسلم]

ترجمہ: ''تم میں سے سب سے زیادہ سچا خواب اس کا ہو گا جو سب سے زیادہ سچی زبان رکھتا ہو''۔[مسلم]

اکثر یہی ہوتا ہے، تاہم کبھی کبھی ''غیر صادق'' شخص بھی سچا اور اچھا خواب دیکھتا ہے، جس میں اس کو تنبیہ ہوتی ہے یا کسی غفلت سے بیداری مقصود ہوتی ہے۔

اچھے خواب کی علامات میں یہ بھی ہے کہ اس کی ابتدا اور انتہا معلوم ہو، اس کے اجزاء ایک دوسرے سے مربوط ہوں۔

ایک علامت یہ ہے کہ خواب میں نیکی کے کام کرنے پر ثواب کی بشارت اور برائی کے کام کرنے پر وعید دیکھے یا سنے، بہ شرطے کہ کسی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔

سچے خواب کی ایک علامت یہ ہے کہ قربِ قیامت کے زمانے میں خواب دیکھا گیا ہو، متفق علیہ روایت میں ہے:

«إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ تَكْذِبُ».

''جب (قیامت) کا زمانہ قریب ہو جائے تو مردِ مسلم کا خواب جھوٹا نہ ہو گا''۔

خواب کے شرعی آداب

شریعت میں دونوں طرح کے خوابوں کے سلسلے میں کچھ آداب بیان کیے گئے ہیں، جن کی رعایت خواب دیکھنے والوں کو کرنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص برا خواب دیکھے

تو اس کے لیے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اس کے اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے (یعنی یہ کہے: «أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ الشَّيْطَانِ» اور بائیں طرف تین بار تھوتھو کرے اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرے"۔ (متفق علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ» پڑھے اور کروٹ بدل دے"۔ [مسلم]

ایک روایت میں ہے کہ:

"جب کوئی برا خواب دیکھے تو نہ اس کی تفسیر و تعبیر کے پیچھے پڑے اور نہ کسی سے بیان کرے"۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ:

جب کوئی برا خواب دیکھے تو اٹھ کھڑا ہو اور نماز ادا کرے، اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرے"۔

لیکن اگر اچھے خواب نظر آئیں تو اللہ کا شکر ادا کرے اور اپنے خیر خواہ یا جن سے محبت ہو ان سے بیان بھی کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"تم میں سے جب کوئی اچھا خواب دیکھے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اس پر اس کا شکر ادا کرے، اور اس کو بیان بھی کرے"۔ [بخاری شریف]

مسلم شریف کی روایت میں ہے "اس کو صرف اسی سے بیان کرے جس سے محبت کرتا ہو"۔

خواب کی ایک اور قسم

یہ بھی سمجھتے چلیں — اللہ آپ کو اپنی رحمت کے آغوش میں رکھے — کہ خواب کی ایک قسم ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں «تَوَاطُؤُ الرُّؤْيَا» کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک ہی امر سے متعلق چند لوگ ایک ہی خواب دیکھیں تو عام طور پر یہ خواب بھی سچا اور امر واقع کے مطابق ہوتا ہے، بشرطے کہ کسی شرعی نص کے خلاف نہ ہو۔

اسی لیے امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے: «بَابُ التَّوَاطُؤِ عَلَى الرُّؤْيَا» پھر انھوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ کئی صحابہؓ نے خواب میں دیکھا کہ شب قدر رمضان کی آخری سات راتوں میں ہوگی، تو حضور ﷺ نے فرمایا:

> ”میں سمجھتا ہوں کہ رمضان کی آخری سات راتوں کے اوپر تم سب کا خواب متفق ہو گیا ہے، لہٰذا جسے شب قدر کی تلاش ہو وہ آخر کی سات راتوں میں تلاش کرے“۔

خواب بنا کر بیان کرنے پر وعید

خوابوں سے متعلق اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ خواب میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ یا خواب گھڑ کر بیان کرنا بڑے گناہ کا کام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ”جو شخص بغیر دیکھے ہوئے خواب بنا کر بیان کرے تو قیامت کے روز اس

کو اس بات کا پابند کیا جائے گا کہ جَو کے دو دانوں کے درمیان گِرَہ لگائے جو وہ ہر گز نہیں کر سکے گا"۔[بخاری]

امام طبریؒ نے فرمایا ہے کہ بیداری کی حالت میں جھوٹ بولنے کا وبال زیادہ ہوتا ہے، حالاں کہ نیند کی حالت میں جھوٹ پر اتنی سخت وعید ذکر کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب کا جھوٹ دراصل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا ہے کہ اللہ نے اسے خواب میں یہ دکھایا ہے، اور یہ بات تو واضح ہے کہ اللہ پر جھوٹ بولنا بہ نسبت مخلوق پر جھوٹ بولنے کے زیادہ بڑا گناہ ہے۔

آخری بات

اگر کسی کو پریشان کن خواب نظر آتے ہوں تو ان کی وجہ سے اپنے آپ کو اذیت میں مبتلا نہ کرے؛ بل کہ کوشش کرے کہ اس طرح کے خوابوں کو نظر انداز کرے، کسی سے تذکرہ بھی نہ کرے، بالخصوص اگر "اضغاث احلام" یا شیطانی خواب ہوں (جن کی علامتیں گزر چکی ہیں) تو ان کی طرف بالکل توجہ نہ کرے؛ بل کہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر بائیں طرف تھوک کر کروٹ بدل دے جیسا کہ گزرا۔ اور اگر خواب اچھے ہوں تو اللہ کی ذات سے خیر کی امید رکھے، اللہ کا شکر ادا کرے اور عُجب وخود پسندی میں مبتلا نہ ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے: "اچھے خواب سے مومن کو خوشی ہوتی ہے؛ لیکن خود پسندی میں مبتلا نہیں ہوتا"؛ لیکن اس خواب کی تعبیر ہر کس وناکس سے نہ پوچھے؛ بل کہ کسی عالم یا اپنے خیر خواہ سے معلوم کرے۔ حدیث شریف میں ہے:

"تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو کسی عالم یا خیر خواہ کے سوا کسی سے بیان نہ کرے"۔[اخرجہ الحاکم وصححہ ووافقہ الذہبی]

اگر کسی کو نامناسب یا شیطانی خواب نظر آتے ہوں اور وہ ان سے بچنا چاہے اور اچھے خواب کا متمنی ہو تو چند باتوں کا اہتمام کرے: باوضو ہو کر ابتداءً داہنی کروٹ لیٹے، سوتے وقت کی دعا پڑھے، آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخر کی دو آیتیں اور سورۃ الفلق والناس پڑھ کر سوئے۔

* * *

۲۰/ محرم/۱۴۳۸ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

حصولِ جنت کے راستے
(پہلی قسط)

آخرت کی کامیابی یہ ہے کہ جہنم سے خلاصی نصیب ہو جائے اور جنت میں داخلہ میسر آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَمَن زُحۡزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدۡخِلَ ٱلۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَۗ ﴾

[آل عمران: ۱۸۵]

”پس جو شخص جہنم سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے وہی کامیاب ہوا“۔[سورۂ آل عمران:۱۸۵]

جنت اور اہل جنت کے چند اوصاف

آخرت کی یہ کامیابی عارضی نہیں ہوگی؛ بل کہ دائمی ہوگی، جو خوش نصیب جنت میں داخل ہوں گے وہ کبھی وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے، ہمیشہ ہمیش وہاں رہیں گے۔

﴿ وَفِيهَا مَا تَشۡتَهِيهِ ٱلۡأَنفُسُ وَتَلَذُّ ٱلۡأَعۡيُنُۖ وَأَنتُمۡ فِيهَا

خَٰلِدُونَ ﴿٧١﴾ [الزخرف: ۷۱]

ترجمہ: ''اور ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں گے اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں گی، سب وہاں ہو گا، اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے''۔

[سورۂ زخرف: ۷۱]

جنتی، جنت میں ہمیشہ زندہ رہیں گے، کبھی مریں گے نہیں، ہمیشہ تندرست رہیں گے، کبھی بیمار نہیں ہوں گے، ہمیشہ جوان رہیں گے، کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے، ہمیشہ خوش رہیں گے، کبھی مایوس نہیں ہوں گے، انھیں ان کے رب کی رضا نصیب ہو جائے گی جو کبھی ان سے ناراض نہیں ہو گا۔

جنت کی کیاریاں آپس میں محبت کرنے والوں کی اجتماع گاہیں ہوں گی، اس کے باغات، مشتاقانِ جنت کی تفریح گاہیں ہوں گی، نہروں کے کنارے لگے ہوئے موتیوں کے خیمے ناظرین کو سرور بخش رہے ہوں گے، رحمان کا عرش اس کی چھت ہے، اس کی مٹی مشک وزعفران کی ہے، اس کا گارا موتی، یاقوت اور جواہر کا ہے، اس کی اینٹیں سونے اور چاندی کی ہیں۔

﴿ غُرَفٌ مِّن فَوۡقِهَا غُرَفٞ مَّبۡنِيَّةٞ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُۖ ﴾

[الزمر: ۲۰]

''بالا خانے ہیں، جن کے اوپر بھی بالا خانے بنائے ہوئے ہیں، اس کے نیچے نہریں جاری ہیں''۔ [سورۂ زمر: ۲۰]

اس میں پاکیزہ بیویاں ہیں جو حسن وجمال کا پیکر ہیں، ظاہری اور باطنی ہر طرح کے حسن وجمال سے اللہ نے انھیں آراستہ کیا ہے:

﴿ عُرُبًا أَتۡرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّأَصۡحَٰبِ ٱلۡيَمِينِ ﴿٣٨﴾ ﴾ [الواقعة: ٣٧–٣٨]

"محبت والیاں اور ہم عمر ہیں دائیں ہاتھ والوں کے لیے"۔[سورۂ واقعہ:۳۷-۳۸]

اہل جنت باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوے ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، انھیں سونے اور موتی کے کنگن پہنا کر سجایا جائے گا، وہ خوش طبعی کے ساتھ سربمہر شراب، تسنیم اور سلسبیل کے پیالوں کو لے کر چھینا جھپٹی کریں گے، ان کے دل کینے اور بغض سے پاک ہوں گے، نہ انھیں کوئی غم ستائے گا نہ کوئی ذہنی الجھن پیش آئے گی۔

﴿ وَقَالُواْ ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ ٱلَّذِيٓ أَذۡهَبَ عَنَّا ٱلۡحَزَنَۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٞ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ ﴾ [فاطر: ٣٤]

"اور کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم سے غم کو دور کیا، بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا، بڑا قدر دان ہے"۔[سورۂ فاطر:۳۴]

چین سکون، راحت واطمینان اور بے فکری کا ماحول ہوگا، سلام، محبت، امن وامان اور حسنِ استقبال اور حسنِ ضیافت کے سایے میں وقت بسر کریں گے۔

﴿ سَلَٰمٞ قَوۡلٗا مِّن رَّبّٖ رَّحِيمٖ ﴿٥٨﴾ ﴾ [يس: ٥٨]

"مہربان پروردگار کی طرف سے انھیں سلام کہا جائے گا"۔ [یس:۵۸]

﴿ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُونَ عَلَيۡهِم مِّن كُلِّ بَابٖ ﴿٢٣﴾ سَلَٰمٌ عَلَيۡكُم بِمَا صَبَرۡتُمۡۚ فَنِعۡمَ عُقۡبَى ٱلدَّارِ ﴿٢٤﴾ ﴾ [الرعد: ٢٣ – ٢٤]

"ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے، کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، صبر کے بدلے، کیا ہی اچھا بدلہ ہے اس دار آخرت کا"۔[سورۂ رعد:۲۳-۲۴]

مجھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ ان خوش بخت جنتیوں میں شامل فرمائے۔

دخولِ جنت کا سب سے عظیم وسیلہ اور سبب

سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا سطروں میں جس جنت کا تذکرہ کیا گیا اور جس کی چند نعمتوں کو بیان کیا گیا، اس کے حصول کا کیا راستہ ہے؟

قرآنِ کریم کی مبارک آیات اور احادیثِ مبارکہ کے ذخیرے میں دخولِ جنت کے متعدد اسباب ذکر کیے گئے ہیں، ان میں سے کچھ بنیادی اسباب کو اس خطبے میں بیان کیا جائے گا، تاکہ اللہ پر توکل کرکے ہم انھیں اختیار کریں، ان پر عمل کریں اور ضیافتِ الٰہی کے مستحق ہو سکیں۔

دخول جنت کا سب سے اہم اور اعظم سبب توحید ہے، توحید کے بغیر جنت میں داخلہ ناممکن ہے؛ بل کہ جو مشرک ہو گا، اس پر اللہ کی جنت حرام کر دی جائے گی۔

﴿ إِنَّهُۥ مَن يُشۡرِكۡ بِٱللَّهِ فَقَدۡ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ ٱلۡجَنَّةَ ... ﴾

[المائدة: ۷۲]

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ فَمَن كَانَ يَرۡجُواْ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلٗا صَٰلِحٗا وَلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدَۢا ١١٠ ﴾ [الكهف: ۱۱۰]

”تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو تو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے“۔ [الکہف:۱۱۰]

حدیث پاک میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

«فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ، وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ، فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ». [مسلم]

"جو شخص یہ چاہے کہ اسے دوزخ سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو پھر اس کی موت اس حال میں آنی چاہیے کہ وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو..."۔[مسلم]

دائمی طہارت

دخولِ جنت کا ایک سبب دونوں حَدَثُوں سے طہارت ہے، یعنی ہمیشہ پاک اور باوضو رہنے کا اہتمام کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾﴾

[البقرة: ٢٢٢]

"بلاشبہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔ [سورۂ بقرہ:۲۲۲]

حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر بیان فرماتے ہوئے پایا، آپؐ کی حدیث کا یہ حصہ میں نے سنا:

"جو مسلمان بھی وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ اپنے دل اور چہرے سے نماز کی طرف پورا دھیان رکھے تو جنت اس پر واجب ہو جاتی ہے"۔

حضرت عقبہ کا بیان ہے:

میں نے یہ سن کر کہا: کیا ہی عمدہ بات ہے، پھر کیا دیکھتا ہوں کہ میرے

سامنے بیٹھا ہوا ایک شخص کہہ رہا ہے: ''اس سے پہلے جو بات بیان فرمائی ہے حضور ﷺ نے وہ اس سے زیادہ عمدہ تھی''۔ میں نے نظر اٹھا کر غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر ہیں جو کہہ رہے ہیں: ''میں نے تمھیں دیکھا کہ تم ابھی آئے ہو''، حضور ﷺ نے اس سے پہلے فرمایا تھا: ''تم میں سے کوئی بھی وضو کرے، اور مکمل وضو کرے، پھر کہے: «أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ». تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، ان میں سے جس دروازے سے چاہے داخل ہو''۔ [مسلم شریف]

فرض نمازوں کی پابندی

دخول جنت کے اسباب میں ایک اہم سبب نمازِ پنجگانہ کی پابندی ہے، ''جو شخص پابندی سے پانچوں نمازیں ادا کرے گا اس کے لیے قیامت کے دن نور، برہان اور نجات ہے، جو شخص ان کی پابندی نہیں کرے گا، اس کے لیے قیامت کے دن نہ تو نور ہے، نہ برہان ہے اور نہ ہی نجات''۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون کے شروع میں کامیاب ایمان والوں کے اوصاف ذکر کیے ہیں، ان اوصاف کی ابتداء نماز میں خشوع سے کی ہے اور انتہاء نماز کی پابندی پر ہے، پھر فرمایا:

﴿ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْوَٰرِثُونَ ﴿١٠﴾ ٱلَّذِينَ يَرِثُونَ ٱلْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿١١﴾ ﴾ [المؤمنون: ۱۰ – ۱۱]

''یہی وارث ہیں، جو فردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں

گے"۔[سورۂ مؤمنون:۱۰-۱۱]

حدیث شریف میں ہے:

"جو شخص صبح کے وقت یا شام کے وقت مسجد جاتا ہے، تو جب جب وہ مسجد جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ضیافت گاہ تیار فرماتے ہیں"۔[متفق علیہ]

تحیۃ الوضوء کی ادائیگی

ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو کی ادائیگی بھی جنّت میں لے جائے گی، ایک روز حضور کریم ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد حضرت بلالؓ سے فرمایا:

"بلال! حالتِ اسلام میں اپنا کیا ہوا سب سے اچھا عمل بتاؤ؛ کیوں کہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمھارے جوتوں کی آواز سنی ہے، عرض کیا: میرے نزدیک اس سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ عمل اور کوئی نظر نہیں آتا کہ میں نے دن یا رات میں جب بھی طہارت حاصل کی ہے تو اس طہارت سے نماز ضرور پڑھی ہے، جتنی نماز کی توفیق ملی"۔[بخاری شریف]

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلۂ رحمی

خلدِ بریں کے استحقاق کے لیے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور اعزہ واقارب کے ساتھ صلۂ رحمی نہایت اہم امور میں سے ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يَصِلُونَ مَآ أَمَرَ ٱللَّهُ بِهِۦٓ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوٓءَ ٱلْحِسَابِ ﴿٢١﴾ وَٱلَّذِينَ صَبَرُوا۟ ٱبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا۟

ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُواْ مِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ سِرّٗا وَعَلَانِيَةٗ وَيَدۡرَءُونَ بِٱلۡحَسَنَةِ ٱلسَّيِّئَةَ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عُقۡبَى ٱلدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنَّٰتُ عَدۡنٖ يَدۡخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنۡ ءَابَآئِهِمۡ وَأَزۡوَٰجِهِمۡ وَذُرِّيَّٰتِهِمۡۖ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُونَ عَلَيۡهِم مِّن كُلِّ بَابٖ ﴿٢٣﴾ سَلَٰمٌ عَلَيۡكُم بِمَا صَبَرۡتُمۡۚ فَنِعۡمَ عُقۡبَى ٱلدَّارِ ﴿٢٤﴾ [الرعد: ٢١ – ٢٤]

ترجمہ: ”اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں (یعنی رشتے داریوں کو) اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں، اور وہ اپنے رب کی رضامندی کی طلب کے لیے صبر کرتے ہیں، اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اسے چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں، اور برائی کو بھلائی سے ٹالتے ہیں، ان ہی کے لیے عافیت کا گھر ہے، ہمیشہ رہنے کے باغات جہاں یہ خود جائیں گے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے جو نیکوکار ہیں، ان کے پاس فرشتے ہر دروازے سے آئیں گے، کہیں گے تم پر سلامتی ہو صبر کے بدلے، کیا ہی اچھا بدلہ ہے اس دارِ آخرت کا“۔ [سورۂ رعد: ۲۱-۲۴]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے نبی! کون سا عمل جنت کے زیادہ قریب ہے؟ (یعنی جنت میں لے جانے والا ہے) تو حضور ﷺ نے فرمایا: «الصَّلَاةُ عَلَى مَوَاقِيتِهَا» نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا۔ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: اور کون سا عمل؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «بِرُّ الْوَالِدَيْنِ» والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ [مسلم]

ایک روایت میں ہے:

«الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَاحْفَظْ، وَإِنْ

شِئْتَ فَضَيِّعْ». [شعب الإيمان]

"یعنی باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، لہٰذا تم چاہو تو اس دروازہ کی حفاظت کرو اور چاہو تو ضائع کر دو"۔[شعب الایمان]

حضرت معاویہ بن جاہمہؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور آپؐ سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اجازت طلب کی تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمھاری ماں حیات سے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ جی! آپؐ نے فرمایا: ان ہی کے ساتھ رہو؛ کیوں کہ جنت ان کے پاؤں کے نیچے ہے"۔[نسائی شریف]

جہاد فی سبیل اللہ اور علم شریعت

اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے راہِ خدا میں جہاد کرنا موجبات جنت میں سے ہے، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَاعْلَمُوا أَنَّ الجَنَّةَ تَحْتَ ظِلاَلِ السُّيُوفِ». [بخاري]

ترجمہ: "یہ جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے کے نیچے ہے"۔[بخاری]

قرآن کریم میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے سلسلہ میں یہ آیت ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتًۢا ۚ بَلْ أَحْيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ... ﴾ [آل عمران: ١٦٩ – ١٧٠]

ترجمہ: "جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ان کو ہر گز مردہ نہ سمجھو؛ بل کہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دیے

ہوے فضل سے وہ خوش ہیں...“۔[سورۂ آل عمران:۱۶۹-۱۷۰]

علمِ شریعت حاصل کرنا بھی باعث دخولِ جنت ہے، ارشادِ نبوی ہے:

«مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ». [صحيح مسلم]

”جو شخص حصولِ علم کے لیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان فرمادیتے ہیں“۔[مسلم شریف]

خلوت وجلوت میں اللہ کا خوف

طالبِ جنت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ سے ڈرے، خواہ مجمع میں ہو یا تنہائی میں، اسے کوئی انسان دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو؛ کیوں کہ جو شخص محض اللہ کے خوف سے گناہ کرنے سے باز آئے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا وعدہ فرماتے ہیں۔

﴿ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ وَنَهَى ٱلنَّفْسَ عَنِ ٱلْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾ فَإِنَّ ٱلْجَنَّةَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾ ﴾ [النازعات: ٤٠ – ٤١]

”ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہو گا اور اپنے نفس کو (ناجائز) خواہش سے روکا ہو گا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے“۔

[سورۂ نازعات:۴۰-۴۱]

زبان اور شرم گاہ کی حفاظت

بشارت ہو ان خوش نصیب لوگوں کو جو اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت

کرتے ہیں، زبانِ رسالت سے ایسے لوگوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

زبان کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ غیبت، چغل خوری، دروغ گوئی، بدکلامی، سبّ وشتم اور فحش گوئی وغیرہ سے اپنی زبان گندی نہ کرے۔ شرم گاہ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ زنا اور بدفعلی وغیرہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔

حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَوَكَّلَ لِي مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَمَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ، تَوَكَّلْتُ لَهُ بِالْجَنَّةِ». [بخاری] وفي رواية أخرى: «مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ».

ترجمہ: ”جو شخص مجھے ضمانت دے اس چیز کی جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (زبان) اور اس کے دونوں پیروں کے درمیان ہے (شرم گاہ) تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں“۔ [بخاری شریف]

مصائب پر صبر

انسان کے اوپر مختلف قسم کے مصائب وآلام آتے رہتے ہیں، کبھی جسمانی مصیبت آتی ہے، کبھی مالی مصیبت، کبھی اہل وعیال کی طرف سے اور کبھی عزت وآبرو کے حوالے سے اور کبھی کسی دوسرے انداز سے، پس جو شخص ان مصیبتوں پر صبر کرتا ہے تو اس کے لیے جنت کی خوش خبری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَجَزَىٰهُم بِمَا صَبَرُوا۟ جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾ ﴾ [الإنسان: ١٢]

''اور انھیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے''۔

[سورۃ الدہر:۱۲]

رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«اصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوُا اللهَ وَرَسُولَهُ، فَإِنِّي عَلَى الحَوْضِ».

[بخاري]

''تم صبر کرو یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول سے جاملو؛ کیوں کہ میں حوض کوثر پر تمھارا انتظار کروں گا''۔[بخاری]

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو جنتیوں میں شامل فرمائیں اور رسول کریم ﷺ کے دست مبارک سے جامِ کوثر نصیب فرمائیں۔

❊ ❊ ❊

۲۷/ محرم/۱۴۳۸ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

حصولِ جنت کے راستے

(دوسری قسط)

تقویٰ شعار ایمان والوں کو بارگاہِ الٰہی میں وفود کی شکل میں لایا جائے گا، وہ جنت میں گروہ در گروہ اور جوق در جوق داخل کیے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیے ہوئے سارے وعدے پورے کیے جائیں گے، اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ باری تعالیٰ فرمائے گا:

﴿ يَٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ ٱلۡيَوۡمَ وَلَآ أَنتُمۡ تَحۡزَنُونَ ﴿٦٨﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِـَٔايَٰتِنَا وَكَانُواْ مُسۡلِمِينَ ﴿٦٩﴾ ٱدۡخُلُواْ ٱلۡجَنَّةَ أَنتُمۡ وَأَزۡوَٰجُكُمۡ تُحۡبَرُونَ ﴿٧٠﴾ ﴾ [الزخرف: ٦٨ – ٧٠]

ترجمہ: ”اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف وہراس ہے نہ تم غم زدہ ہوگے، جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرماں بردار تھے، تم اور تمھاری بیویاں راضی خوشی جنت میں چلے جاؤ“۔ [سورۂ زخرف:۶۸ – ۷۰]

سب سے پہلے جو گروہ جنت میں داخل ہوگا ان سب کے چہرے چاند کی طرح

چمک رہے ہوں گے، ان کے بعد جو لوگ داخل ہوں گے ان کے چہرے روشن ترین چراغ کی طرح دمک رہے ہوں گے، نیز سب کی شکلیں ان کے باپ آدم علیہ السلام کی شکل کے مانند ہوں گی، ان کے درمیان کوئی اختلاف ہو گا نہ کوئی بغض وعداوت، سب کے دل فردِ واحد کے دل کی طرح ہوں گے، صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے۔

﴿ دَعۡوَىٰهُمۡ فِيهَا سُبۡحَٰنَكَ ٱللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيهَا سَلَٰمٌۚ وَءَاخِرُ دَعۡوَىٰهُمۡ أَنِ ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ١٠ ﴾ [یونس: ۱۰]

ترجمہ: ”ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی ”سبحان اللہ“ اور ان کا باہمی سلام یہ ہو گا ”السلام علیکم“ اور ان کی اخیر بات یہ ہو گی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہاں کا پروردگار ہے“۔[سورۂ یونس، آیت:۱۰]

ان تمام نعمتوں کے باوجود ابھی ایک ایسی نعمت باقی رہے گی جو ملتے ہی جنّتیوں کو پچھلی نعمتیں بھلا دے گی، اس نعمت کو قرآنِ کریم نے ”زیادۃ“ سے تعبیر کیا ہے، اور اس دن کو ”یوم المزید“ کہا گیا ہے، چناں چہ منادی پکارے گا: اے اہل جنت! آپ کا رب آپ سے ملنا چاہتا ہے؛ لہٰذا آیئے اپنے رب کی زیارت کو چلیے، یہ سنتے ہی جنتی اٹھ کھڑے ہوں گے، ان کے سامنے سواریاں تیار ہوں گی ان پر سوار ہوں گے، جب ”وادیٔ افیح“ پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کے لیے نور، موتی اور زمُرّد کے منبر لگائے گئے ہیں، پھر وہ مشک کے ٹیلوں پر بیٹھیں گے، اس کے بعد انھیں آواز آئے گی «يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ ! سَلَامٌ عَلَيْكُم» ”اے جنتیو! السلام علیکم“۔ اس کے بعد رب ذوالجلال اپنے پردے ہٹادیں گے، ان کے سامنے اپنی تجلّی ظاہر فرمائیں گے، چناں چہ جنتیوں پر نور کا بادل سایہ

فگن ہو جائے گا۔ متقیوں اور نیکو کاروں کی آنکھوں میں ٹھنڈک اور لذت و سرور اور کیف و مستی کا کیا کہنا جو انھیں دیدارِ الٰہی کے وقت محسوس ہو گی۔

﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ ﴾

[القيامة: ٢٢ – ٢٣]

ترجمہ: ”اس روز بہت سے چہرے تر و تازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے“۔[سورۂ قیامۃ:۲۲-۲۳]

یہ وہ خوش بخت اور سعادت مند لوگ ہوں گے جنھوں نے دنیا میں اپنی زندگی کا مقصد سمجھا تھا، اپنی آخری منزل خوش گوار بنانے کی تیاری کی تھی، اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیا تھا۔

حصولِ جنت کے لیے مطلوبہ اوصاف

پچھلے خطبے میں دخولِ جنت کے چند اسباب ذکر کیے گئے تھے، مثلاً: توحید، نماز کی پابندی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، مجمع اور تنہائی میں خشیتِ الٰہی، نمازِ تحیۃ الوضوء، اور زبان و شرم گاہ کی حفاظت۔

سچائی

اہل جنت کے اوصاف میں یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ سچائی کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، اپنے خالق و مالک کے ساتھ صدق و وفا کا معاملہ کرتے ہیں:

﴿ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ ﴾

[الأحزاب: ٢٣]

ترجمہ: ''ایمان والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوے عہد کو سچا کر دکھایا''۔[سورۂ احزاب:۲۳]

وہ اپنی ذات کے ساتھ بھی صداقت وامانت کا معاملہ کرتے ہیں، اخلاق ودیانت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں، گھٹیا سطح پر اتر کر اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتے، اسی طرح لوگوں کے ساتھ بھی سچائی اور امانت داری کا معاملہ کرتے ہیں، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا». [متفق عليه]

ترجمہ: ''بلاشبہ سچائی، نیکوکاری تک پہنچاتی ہے، اور نیکوکاری جنت تک پہنچادیتی ہے، آدمی سچ بولتا ہے اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک 'صدیق' لکھ دیا جاتا ہے''۔[متفق علیہ]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن

اہل جنت جن اوصاف وکمالات کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے، ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ حسن ظن ہے، حدیث قدسی ہے:

''میں اپنے بندے کے اُس گمان کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، لہٰذا اگر وہ مجھے آہستہ یاد کرتا ہے تو میں بھی آہستہ یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد

کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ آگے بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف تیز چل کر آتا ہوں"۔[مسلم شریف]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا تو عمومی حالات میں اور ہمیشہ مطلوب ہے؛ لیکن جب موت کا وقت قریب ہو جائے تو حسن ظن کی اہمیت اور تاکید بڑھ جاتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو وفات سے تین روز قبل یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللهِ الظَّنَّ». [مسلم]

ترجمہ: "تم میں سے کسی کی بھی ہرگز موت نہ آئے مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو"۔[مسلم شریف]

ایک بدّو مرض الموت میں مبتلا ہوا، کسی نے کہا کہ تم تو اب مر جاؤ گے، اس نے پوچھا کہ مر کر کہاں جاؤں گا؟ کہا کہ اللہ کے پاس، بدّو نے کہا کہ پھر کیا خوف ہے، وہ تو ارحم الراحمین ہے اور اس کی طرف سے میں نے خیر ہی خیر دیکھی ہے۔

یتیم کی کفالت اور بچیوں کی تربیت

موجباتِ دخولِ جنت میں یتیم کی کفالت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے یتیموں، مسکینوں اور قیدیوں کا خیال رکھنے والوں کی تعریف فرمائی ہے:

﴿ وَيُطْعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ ﴾

[الإنسان: ٨]

ترجمہ: ''اور اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو''۔

[الدہر:۸]

حضور اکرم ﷺ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلیوں کو ملا کر اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں اس طرح ہوں گے۔

یتیم وہ بچہ یا بچی ہے جس کے سن بلوغ سے پہلے ہی والدین یا ان دونوں میں سے ایک کی وفات ہو گئی ہو۔

بچیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور ان کی اچھی تربیت کرنا بھی جنت میں جانے کا سبب ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت اپنی دو بچیوں کو لیے ہوئے آئی اور اس نے سوال کیا، یعنی کچھ طلب کیا، میرے پاس صرف ایک ہی کھجور تھی جو میں نے اسے دے دی، اس عورت نے اس کے دو حصے کیے اور ایک ایک دونوں بچیوں کو دے دیا، خود کچھ نہیں کھایا، پھر اٹھ کر چلی گئی، اس کے بعد نبی ﷺ تشریف لائے تو میں نے اس عورت کا قصہ سنایا، آپ ﷺ نے سن کر فرمایا:

«مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ، فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ». [متفق عليه]

ترجمہ: ''جس شخص کے مقدر میں بچی آجائے، پھر وہ اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے (اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرے) تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے آڑے آجائے گی''۔ [متفق علیہ]

ایک روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس شخص نے دو بچیوں کی کفالت کی، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو وہ قیامت کے روز میرے ساتھ اس طرح ہو گا، (آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اس کی طرف اشارہ فرمایا)۔[مسلم شریف]

اللہ کے لیے مسلمان بھائی کی زیارت اور بیمار کی عیادت

محض اللہ کی رضا کے لیے کسی مسلمان کی زیارت کرنا، جس میں کوئی دنیوی غرض یا کوئی ذاتی مفاد نہ ہو یہ بھی موجباتِ جنت میں سے ہے، اسی طرح کسی مریض کی عیادت کرنے سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں اور جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ عَادَ مَرِيضًا لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَ» وفي روايةٍ: قِيلَ يَا رَسُولَ الله! وَمَا خُرْفَةُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: «جَنَاهَا».

ترجمہ: ''جس شخص نے کسی مریض کی عیادت کی تو جب تک واپس نہ ہو اس وقت تک وہ جنت کے 'خُرْفَة' میں رہا''، دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! 'خُرْفَة' کیا چیز ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''جنت کے پھل'' یعنی جب تک عیادت کرتا رہا اس وقت تک گویا کہ جنت کے پھل توڑتا رہا اور کھاتا رہا۔

ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي الله نَادَاهُ مُنَادٍ أَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الجَنَّةِ مَنْزِلًا» [الترمذی]

ترجمہ: ”جو شخص کسی بیمار کی مزاج پرسی کرتا ہے، یا کسی اپنے مسلمان بھائی کی اللہ کے لیے زیارت کرتا ہے تو آواز دینے والا (فرشتہ) آواز دیتا ہے: تو بھی مبارک، تیرا چلنا بھی مبارک، اور جنت میں تیرا ٹھکانا بنے“۔ [ترمذی شریف]

تعمیر مسجد

دخول جنت کے اسباب میں سے تعمیر مسجد بھی ہے، جو شخص اللہ کی رضا اور اس کی خوش نودی کے لیے مسجد تعمیر کراتا ہے گویا کہ وہ اپنے لیے جنت میں گھر تعمیر کراتا ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لله ، بَنَى اللهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ». [مسلم]

ترجمہ: ”جس نے اللہ کے لیے کوئی مسجد بنائی تو اللہ نے اس کے لیے اسی کے مثل جنت میں گھر بنادیا“۔[مسلم شریف]

ایک روایت میں ہے:

«مَنْ بَنَى مَسْجِدًا يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ، بَنَى اللهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ». [صحيح البخارى]

ترجمہ: ”جس شخص نے اللہ کی رضا کے حصول کے لیے مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی کے مثل جنت میں (گھر) بنائیں گے“۔[بخاری شریف]

یہ اجر اور یہ انعام بہت پر شکوہ اور عظیم الشان مسجد کی تعمیر پر منحصر نہیں ہے، بل کہ چھوٹی مسجد ہو یا کسی مسجد کی تعمیر میں اخلاص کے ساتھ تھوڑی سی حصہ داری ہو

تب بھی اللہ اپنی رحمت سے جنت میں گھر بناتے ہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ بَنَى لله مَسْجِدًا وَلَوْ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ، بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ». [ترمذی]

ترجمہ: ”جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنائے، اگرچہ پرندے کے گھونسلے کے برابر ہی کیوں نہ ہو تو اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے“۔[ترمذی شریف]

اخلاقِ حسنہ

حسنِ اخلاق ان اعلیٰ صفاتِ انسانی میں سے ہے کہ جس کی وجہ سے مؤمن جنت کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، جو اس کے لیے دخولِ جنت کا سبب بنتا ہے۔

حسنِ اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور اکرم ﷺ کو حسین اخلاق سے آراستہ فرما کر خود ہی تعریف فرمائی۔

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿٤﴾ ﴾ [القلم: ٤]

ترجمہ: ”اور بیشک آپ بڑے اخلاق پر ہیں“۔ [سورۃ القلم:۴]

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”میں ضامن ہوں جنت کے اطراف میں ایک گھر کا اس شخص کے لیے جو حق پر ہونے کے باوجود لڑائی چھوڑ دے، اور ضامن ہوں جنت کے درمیان میں گھر کا اس کے لیے جو جھوٹ کو ترک کر دے، اگرچہ مذاق میں ہی کیوں نہ ہو، اور ضامن ہوں جنت کے اعلیٰ مقام میں گھر کا اس کے لیے جس کے اخلاق

اچھے ہوں"۔[ابوداؤد]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الجَنَّةَ، تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الخُلُقِ»

[ترمذی]

ترجمہ: "سب سے زیادہ جو چیز لوگوں کو جنت میں لے جائے گی وہ اللہ کا تقویٰ اور حُسنِ اخلاق ہے"۔[ترمذی شریف]

اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے روز انسان کے نامۂ اعمال جب وزن کیے جائیں گے تو ہر شے سے زیادہ وزنی حسنِ اخلاق ہو گا، حالاں کہ بہت لوگ اس سے غافل ہیں، بل کہ حد تو یہ ہے کہ جو بڑے عابد زاہد نظر آتے ہیں، وہ بھی حسنِ اخلاق سے عاری یا یہ کہیے کہ پیکرِ سوئے اخلاق نظر آتے ہیں، الا من رحم اللہ۔

حدیث پاک میں ہے:

«أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي مِيزَانِ الْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُسْنُ الْخُلُقِ».

"قیامت کے روز بندے کے نامۂ اعمال کے ترازو میں سب سے زیادہ وزنی حسنِ اخلاق ہو گا"۔

ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنا، سلام کو عام کرنا

ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت کرنا بھی دخولِ جنت کا سبب ہو گا، رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَحُلْ بَيْنَه وَبَيْنَ

دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا المَوْتُ». [النسائي]

”جو شخص ہر (فرض) نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا تو اس کے اور جنت میں داخلے کے درمیان سوائے موت کے اور کوئی چیز حائل نہیں ہو گی“۔

[نسائی شریف]

ایک روایت میں دخولِ جنت کے اسباب میں سلام کو عام کرنا، کھانا کھلانا، صلۂ رحمی کرنا اور قیام اللیل کا ذکر ہے، ارشاد نبوی ہے:

«أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ».

[سنن ابن ماجه]

”ترجمہ: لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، اور جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے“۔[ابن ماجہ]

ابن خزیمہ اور ابن حبان نے ایک دوسری روایت میں چھ امور ذکر کیے ہیں، جو انھیں انجام دے گا اس کے لیے جنت کی ضمانت ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«اضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اصْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَوْفُوا إِذَا وَعَدْتُمْ، وَأَدُّوا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ، وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ، وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ».

[مسند أحمد]

ترجمہ: ”تم اپنی ذات سے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو، میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: سچ بولو جب تم بات کرو، پورا کرو جب تم وعدہ کرو، امانت ادا کرو

جب تمھارے پاس امانت رکھی جائے، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، اپنی نگاہیں نیچی رکھو، اور اپنے ہاتھوں کو (شر سے) روکے رکھو"۔[مسند احمد]

بارہ رکعتیں سُنَنِ رواتب کی

جو شخص دن رات میں سنن رواتب (سنن مؤکدہ) کی بارہ رکعتوں کی پابندی کرے گا، اس کے لیے جنت میں گھر بنے گا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو شب و روز میں بارہ رکعتیں ادا کرے گا، اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا: چار رکعتیں ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے"۔

مقبول حج اور سید الاستغفار

اللہ کی رضا کے لیے حج کرنا جو شرف قبولیت سے نوازا جائے، اس کی جزا بھی جنت ہے، حدیث پاک میں وارد ہے:

«الْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ». [مسند أحمد]

ترجمہ: "مقبول حج کی جزاء جنت کے سوا کچھ نہیں"۔[مسند احمد]

بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت سے سید الاستغفار ذکر کیا ہے، اس کے بعد حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ جو شخص اسے پورے یقین کے ساتھ دن میں پڑھے گا اور شام سے پہلے اس کی موت

واقع ہو جائے تو وہ جنتی ہو گا، اسی طرح جو رات میں پورے یقین کے ساتھ اسے پڑھے گا اور صبح سے پہلے اس کی وفات ہو جائے تو وہ بھی جنتی ہو گا۔

سید الاستغفار یہ ہے:

«اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لاَ إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ». [صحيح البخاري]

ترجمہ: ”اے اللہ! آپ میرے رب ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، آپ نے مجھے پیدا کیا، اور میں آپ کا بندہ ہوں، اور بقدر استطاعت میں آپ سے کیے ہوئے عہد وپیمان اور وعدے پر قائم ہوں، میں اپنے کرتوتوں کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، میں اعتراف کرتا ہوں ان نعمتوں کا جو آپ نے مجھے عطا فرمائی ہیں، اور میں اقرار کرتا ہوں اپنے گناہوں کا، لہٰذا آپ میری مغفرت فرمادیجیے، بیشک آپ ہی گناہوں کو معاف فرمائیں گے“۔[بخاری شریف]

سورۂ مؤمنون کے شروع کی دس صفتیں

اللہ تعالیٰ نے سورۂ مؤمنون کے شروع میں ایمان والوں کی دس صفات ذکر فرمائی ہیں، اور آخر میں ان صفات کے حاملین کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، رسول کریم ﷺ نے ان آیتوں کے نزول کے بعد فرمایا:

”میرے اوپر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں، جو ان پر کاربند ہو گا وہ جنت میں

داخل ہو گا، پھر آپ نے:

﴿ قَدۡ أَفۡلَحَ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ۝١ ﴾ سے دس آیتوں کی تلاوت فرمائی۔

جنت میں لے جانے والے جن اوصاف واعمال کا تذکرہ کیا گیا، وہ بطور حصر کے نہیں ہیں، ان کے علاوہ بھی دخولِ جنت کے اسباب ہیں، تاہم نمایاں اوصاف کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا اور جنت نصیب فرمائیں اور سچی پکی توبہ کی بھی ہمیں توفیق عطا فرمائیں۔

* * *

۴/ ۲/۱۴۳۸ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

جہنّم اور اس میں لے جانے والے برے اعمال

جنت میں وہی جائے گا جو اس کی آروز کے ساتھ اعمال صالحہ بھی کرے گا، اسی طرح جہنم سے وہی بچے گا جو اس کے خوف سے بد اعمالیوں سے دور رہے گا۔

﴿ قَالُوٓاْ إِنَّا كُنَّا قَبۡلُ فِيٓ أَهۡلِنَا مُشۡفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيۡنَا وَوَقَىٰنَا عَذَابَ ٱلسَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبۡلُ نَدۡعُوهُۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلۡبَرُّ ٱلرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ ﴾ [الطور: ٢٦ – ٢٨]

ترجمہ: ”(جنتی) کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں کے درمیان بہت ڈرا کرتے تھے، پس اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا، ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے، بیشک وہ محسن و مہربان ہے“۔[سورۃ الطور: ۲۶-۲۸]

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ضیافت گاہ، دار کرامت، جنت کا شوق دلایا ہے، تاکہ اس کے لیے نیک اعمال کریں، اسی طرح عقوبت خانہ، دہکتی ہوئی آگ اور دوزخ سے ڈرایا ہے، اپنی ناراضگی سے اور نظر کرم نہ کرنے سے بھی ڈرایا ہے، تاکہ اس طرح کے عقائد و اعمال سے بچیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

﴿ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ ﴾ [اللیل: ١٤ – ١٦]

ترجمہ: ”میں نے تمھیں دہکتی ہوئی آگ سے ڈرادیا ہے، جس میں صرف وہی بدبخت داخل ہو گا، جس نے جھٹلایا اور منھ پھیر لیا“۔[سورۃ اللیل: ۱۴-۱۶]

لہٰذا دوزخ سے اپنے آپ کو بچایئے، خواہ وہ ایک کھجور کا ٹکڑا صدقہ کر کے ہی سہی، یا ایک خوب صورت کلمہ اور حسین جملے سے ہی کیوں نہ ہو۔ دوزخ کو اور اس میں لے جانے والے اعمال کو کبھی کبھی یاد کریں، ان کا تذکرہ کیا کریں تاکہ اس سے بچنے کی تدبیریں اختیار کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جہنم اور اہل جہنم کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ ذَٰلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهِ عِبَادَهُ ۚ يَا عِبَادِ فَاتَّقُونِ ﴿١٦﴾ ﴾ [الزمر: ١٦]

ترجمہ: ”یہی عذاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے، اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو“۔[سورۃ الزمر:۱۶]

دوزخ کیا ہے؟

جہنم در اصل ایک تباہی کا گھر ہے، اس کا عذاب نہایت دل دوز، جاں گداز اور بدترین عذاب ہے، اس کی گرمی کی شدت ناقابل بیان اور ناقابل تحمل ہے، اس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں، اس کے کنارے سے اس میں ایک پتھر گر جائے تو ستر سال میں بھی نچلی سطح پر نہ پہنچ سکے، اس کے ہتھوڑے لوہے کے ہیں، اس کے راستے نہایت تنگ اور منزلیں ہلاکت خیز ہیں، اس میں آگ بھڑکائی جائے گی، اس میں سے چیخ و پکار کی آوازیں آئیں گی، اس کے دروازے بند ہوں گے، اس کے ستون بڑے بڑے ہوں

گے، یہ حقیقت میں جبّار کے غضب، عذاب، ناراضگی اور اس کے عقاب کا مظہر ہے۔
ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس جہنم سے اور اس میں لے جانے والے اعمال سے بھی۔
پچھلے دو خطبوں میں دخولِ جنت کے اسباب ذکر کیے گئے تھے تاکہ ہم وہ اسباب اختیار کریں، ان پر عمل کریں اور اس مبارک مقام کے مستحق بن سکیں۔ آج کے خطبے میں وہ اسباب واعمال ذکر کیے جائیں گے جو جہنم میں لے جاتے ہیں، تاکہ ان سے بچنے کی کوشش کریں اور اس عذاب الٰہی سے خود کو محفوظ رکھیں۔

دخولِ دوزخ کا سب سے بڑا سبب: شرک

جہنم میں لے جانے والے اعمال میں سر فہرست اور سب سے بڑا عمل، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک کرنا ہے، روئے زمیں پر کیا جانے والا سب سے بڑا ظلم اور گناہ شرک ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّهُۥ مَن يُشۡرِكۡ بِٱللَّهِ فَقَدۡ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ ٱلۡجَنَّةَ وَمَأۡوَىٰهُ ٱلنَّارُۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنۡ أَنصَارٍ ٧٢ ﴾ [المائدة: ٧٢]

ترجمہ: ”بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور گنہ گاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا“۔[المائدہ:۷۲]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کیا: یارسول اللہ! دو واجب کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ”جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی

کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا، اور جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہو تو وہ جہنم میں داخل ہو گا"۔[مسلم شریف]

اہل جہنم کی دو قسمیں

جو لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے وہ دو طرح کے ہوں گے، ایک تو وہ ہوں گے جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، جہنم ان کی اَبدی جگہ ہو گی، یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکِ اکبر کے مرتکب ہوں گے۔ دوسرے وہ ہوں گے جو ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے بل کہ ان کا داخلہ عارضی ہو گا، یہ وہ ایمان والے ہوں گے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک تو نہیں کرتے تھے؛ لیکن ایسے عظیم گناہوں کے مرتکب تھے، جن سے انہیں شریعت نے سختی سے منع کیا تھا، ایسے لوگ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر اپنے ایمان کی وجہ سے پھر دوزخ سے نکال دیے جائیں گے۔

جھوٹی قسم کھا کر مسلمان کا حق ہڑپ لینا

دوزخ میں لے جانے والے اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ہڑپ کر جائے، خواہ اپنی قسم کے ذریعہ سودا بیچے، یا کسی کے خلاف فیصلہ کرائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُوْلَٰٓئِكَ لَا خَلَٰقَ لَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ ٱللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ ﴾

[آل عمران: ۷۷]

ترجمہ: ”بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ ان سے نہ بات کرے گا، نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے“۔[سورۂ آل عمران: ۷۷]

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ، فَقَدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ» فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ الله؟ قَالَ: «وَإِنْ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ». [مسلم]

ترجمہ: ”جو شخص کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ذریعہ ہتھیالے تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم واجب کریں گے اور جنت اس کے لیے حرام کریں گے، تو ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! اگرچہ معمولی سی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ پیلو کی ایک چھڑی ہی کیوں نہ ہو“۔ [مسلم شریف]

لہٰذا کسی دوسرے کی چیز ہڑپنے کے لیے جھوٹی قسم کھاکر اس کو حاصل کرنا نہایت بدترین اور سنگین گناہ ہے، جس سے پرہیز لازم ہے۔

کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا

دخولِ جہنم کے اسباب میں سے ایک اہم سبب کسی مسلمان کا ناحق خون بہانا، اس کو مار ڈالنا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ

خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ ﴾ [النساء: ۹۳]

ترجمہ: ”اور جو کسی مومن کو قصداً قتل کرڈالے اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے، اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے“۔[سورۂ نساء:۹۳]

حدیث پاک میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لاَ يُحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الجَنَّةِ بِمِلْءِ كَفِّهِ مِنْ دَمٍ أَهْرَاقَهُ فَلْيَفْعَلْ». [صحيح البخارى]

ترجمہ: ”جو شخص یہ کر سکتا ہو کہ اس کے اور جنت کے درمیان اس کی ہتھیلی کے بقدر بھی خونِ ناحق کی وجہ سے رکاوٹ نہ ڈالی جائے تو یہ ضرور کرے“۔[بخاری شریف]

اسی طرح کسی کو عہد وپیمان دے کر توڑ دینا اور اس شخص کو مار ڈالنا بھی موجبِ دخولِ دوزخ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَأَوۡفُواْ بِٱلۡعَهۡدِۖ إِنَّ ٱلۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔولٗا ﴿٣٤﴾ ﴾

[الإسراء: ٣٤]

ترجمہ: ”اور وعدے پورے کرو؛ کیوں کہ عہد وپیمان کی باز پرس ہونے والی ہے“۔[سورۃ الاسراء:۳۴]

دوسروں کو قتل کرنا تو درکنار، انسان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ خود کو مار ڈالے، یعنی خودکشی کرے، خودکشی کرنے والا دراصل مایوسی اور ناامیدی کی اس نچلی

سطح پر پہنچ جاتا ہے جہاں پہنچ کر اسے تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے، جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں، اللہ رب العزت کی ذات پر ایمان رکھنے والا کبھی مایوس نہیں ہوتا۔

﴿ إِنَّهُۥ لَا يَاْيْـَٔسُ مِن رَّوْحِ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٨٧﴾ ﴾

[یوسف: ۸۷]

ترجمہ: ''یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں''۔

[سورۂ یوسف:۸۷]

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهِ جُرْحٌ، فَجَزِعَ، فَأَخَذَ سِكِّينًا فَحَزَّ بِهَا يَدَهُ، فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتَّى مَاتَ، قَالَ اللهُ: بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ، حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الجَنَّةَ». [صحيح البخاری]

ترجمہ: ''تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص تھا جسے ایک زخم نکلا، چناں چہ گھبرا کر اور پریشان ہو کر اس نے چاقو لیا اور اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا، پھر خون نہیں رک سکا، یہاں تک کہ وہ مر گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی جان نکالنے میں میرے ساتھ عجلت سے کام لیا، میں نے اس پر جنت حرام کر دی''۔

[بخاری شریف]

اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ انسان کی زندگی اور اس کی روح اللہ کی دی ہوئی امانت اور اس کا عطیہ ہے، انسان کو کوئی حق نہیں کہ اس امانت میں اس کے مالک کی اجازت کے بغیر کسی طرح کا تصرف کرے، خواہ کیسے ہی حالات ہوں، اسے بالکل یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس امانت میں ناجائز تصرف کرے اور خودکشی کر بیٹھے۔

ناحق عذاب دینا اور عورتوں کی بے پردگی

دخول جہنم کے اسباب میں لوگوں کو بلاوجہ عذاب دینا بھی ہے، اگر کوئی سزا کا شرعاً مستحق ہے تو بقدر استحقاق سزا دینے کی اجازت ہے؛ لیکن اگر مستحق نہ ہو، یا مستحق تو ہو لیکن استحقاق سے زیادہ سزا دی، تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح عورتوں کا بے پردہ پھرنا، لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنا بھی حرام ہے؛ بل کہ جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"دو قسم کے جہنمی ہیں جنھیں میں نے نہیں دیکھا ہے: ایک وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیلوں کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ دوسرے وہ عورتیں ہوں گی جو کپڑے پہنی ہوں گی (لیکن باریک یا چھوٹے ہونے کی وجہ سے) ننگی ہوں گی، خود بھی دوسروں کی طرف مائل ہوں گی یعنی فتنے میں مبتلا کریں گی اور دوسروں کو بھی اپنی طرف مائل کریں گی، ان کے سر اونٹ کے جھکے ہوئے کوہان کی طرح ہوں گے، وہ نہ تو جنت میں داخل ہوں گی نہ اس کی خوش بو سونگھ سکیں گی، حالاں کہ اس کی خوش بو دور سے ہی آئے گی"۔ [مسلم شریف]

پڑوسی کو ستانا اور چغل خوری کرنا

اپنے پڑوسی کو اذیت دینا، اس کو ستانا، اس کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آنا بڑا گناہ ہے؛ بل کہ پڑوسی کے ساتھ بد سلوکی کرنے والا، انھیں اذیت پہنچانے والا کامل مؤمن نہیں ہو سکتا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

«وَ اللهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَ اللهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَ اللهِ لاَ يُؤْمِنُ» قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ ؟ قَالَ: «الَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ».

[صحيح البخاری]

ترجمہ: ”اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، عرض کیا گیا: یارسول اللہ وہ شخص کون ہے؟ فرمایا: جس شخص کے ہم سایے اس کے شرور سے محفوظ نہ ہوں“۔[بخاری شریف]

جب رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ فلاں عورت بہت نمازیں پڑھتی ہے، روزے رکھتی ہے، صدقات وخیرات کرتی ہے؛ لیکن اپنے ہم سایوں کو اذیت دیتی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هي في النار» ”یہ جہنمی ہے“۔[احمد وابن حبان]

ایک جگہ کی شکایت دوسری جگہ کرنا، اسی طرح آپس میں جھگڑے اور نزاع پیدا کرنا جسے چغل خوری کہتے ہیں، حرام ہے؛ بل کہ موجباتِ دوزخ میں ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ ایک شخص چغل خوری کرتا ہے تو فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوے سنا ہے:

«لاَ يَدْخُلُ الجَنَّةَ نَمَّامٌ» ”چغل خور جنت میں نہیں جائے گا“۔

[مسلم شریف]

غلط نسب وبرادری کا دعوی اور تکبر

جو شخص شعوری طور پر اپنا نسب اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ بیان کرے یا خود کو اپنی برادری کے علاوہ کسی اور برادری کی طرف منسوب کرے تو اس پر

جنت حرام ہو گی اور دوزخ کا مستحق قرار دیا جائے گا۔ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ، فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ». [صحيح البخارى]

ترجمہ: ”جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے نسب کا دعویٰ کرے اور یہ جانتے ہوے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے“۔

[بخاری شریف]

تکبر بھی انسان کو جہنم میں لے جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ قِيلَ ٱدۡخُلُوٓاْ أَبۡوَٰبَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَاۖ فَبِئۡسَ مَثۡوَى ٱلۡمُتَكَبِّرِينَ ٧٢ ﴾ [الزمر: ۷۲]

ترجمہ: ”کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، جہاں ہمیشہ رہو گے، پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے“۔

[سورۃ الزمر، آیت:۷۲]

البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تکبر کیا چیز ہے؟ جمالیات کا شوقین ہونا، خوب صورت پوشاک اور اچھے جوتے وغیرہ کا استعمال تکبر میں شامل نہیں ہے، تکبر یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر نگاہوں سے دیکھا جائے، اسی طرح حق بات ٹھکرا دی جائے۔ اسی لیے جب رسول پاک ﷺ نے یہ فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ».

[صحيح مسلم]

"جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہو گا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہو گا"۔[مسلم شریف]

تو ایک صحابی نے عرض کیا: "ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے خوب صورت ہوں، اس کے جوتے نرالے ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ» [صحيح مسلم]

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں، کبر، حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے"۔

زنا کرنا، احسان جتلانا، مرد کا ٹخنوں سے نیچے کپڑے پہننا

زنا کرنا تو بہ ہر حال حرام ہے اور بدترین جرم ہے؛ لیکن اگر کسی بڑی عمر کے انسان سے یہ عمل صادر ہو تو اس کی قباحت اور حرمت بڑھ جاتی ہے، حدیث پاک میں وارد ہے:

«ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ».

[رواه مسلم]

"تین شخص ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ گفتگو فرمائیں گے، نہ انھیں پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا: زناکار بوڑھا، جھوٹا بادشاہ، اور تکبر کرنے والا فقیر"۔[مسلم شریف]

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی نظر رحمت اس شخص پر بھی نہیں ڈالیں گے جو کبر و غرور کے ساتھ اپنے کپڑے ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہو گا، ارشاد نبوی ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ، لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ القِيَامَةِ» [متفق عليه]

وفِيْ رِوَايَةٍ « لاَ يَنْظُرُ اللهُ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا»

"جو شخص کبر و غرور میں اپنا کپڑا زمین پر کھینچے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظر نہیں فرمائیں گے"۔ دوسری روایت میں ہے: "اللہ تعالیٰ اس پر نظر (عنایت) نہیں فرمائیں گے جو اپنی تہبند کھینچ رہا ہو گھمنڈ کے ساتھ"۔

کسی پر احسان کر کے اس کو جتلانا نہایت گھٹیا عمل ہے، اسلام نے نہ صرف اس سے منع کیا ہے؛ بل کہ اس پر سخت وعید بیان کی ہے، یہاں تک کہ قیامت کے روز دردناک عذاب اور غضب الٰہی کا موجب بتایا ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ» قَالَ: فَقَرَأَهَا رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ: خَابُوا وَخَسِرُوا، مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ الله؟ قَالَ: «الْمُسْبِلُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ» [صحيح مسلم]

"تین شخص ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ گفتگو فرمائیں گے نہ ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائیں گے، نہ انھیں پاک کریں گے، اور ان

کے لیے دردناک عذاب ہے، کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ تین مرتبہ فرمایا، تو حضرت ابوذرؓ نے کہا: وہ تو برباد ہوگئے اور نقصان میں رہے، وہ کون ہیں یارسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا: ''(ٹخنوں سے نیچے) کپڑا لٹکانے والا، اور احسان کرکے جتلانے والا، اور جھوٹی قسم کھاکر اپنا مال بیچنے والا''۔[مسلم شریف]

دو موجباتِ جہنم

اسلام نے میاں بیوی کے درمیان اچھے تعلقات اور خوش گوار زندگی کو بہت اہمیت دی ہے؛ کیوں کہ مضبوط خاندان اور صالح معاشرے کی بنیاد یہیں سے شروع ہوتی ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اس مبارک رشتے میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، یا باہمی نزاع اور افتراق کا ذریعہ بنتا ہے تو وہ ایک بڑے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس کی سزا جنت سے محرومی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَفْسَدَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا، فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ»

ترجمہ: ''جس شخص نے کسی بیوی کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکایا (یعنی ان کے تعلقات کو بگاڑا) تو جنت اس پر حرام ہوگی''۔

دیّوث بھی جنت میں نہیں جائے گا، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

«لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ دَيُّوثٌ» قَالُوْا: وَمَنْ هُوَ الدَّيُّوثُ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: «الَّذِيْ لاَ يَغَارُ عَلَى مَحَارِمِهِ» وَفِيْ رِوَايَةٍ: «الَّذِيْ يَرْضَى الْخَبَثَ فِيْ أَهْلِهِ» [أحمد]

''دیوث جنت میں داخل نہیں ہو گا'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! دیوث کون شخص ہے؟ فرمایا: ''جو شخص اپنے محارم کے تئیں بے غیرت ہو''۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''جو شخص اپنی بیوی کی خباثت اور فحش کاری پر رضامند ہو''۔ [رواہ احمد]

اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم سے اور جہنم میں لے جانے والے اعمال سے اپنی پناہ میں رکھیں۔

* * *

۱۳/ محرم/۱۴۳۳ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

عافیت اور سعادت

حضرت ابو الفضل عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتادیں جو میں اللہ تعالیٰ سے طلب کیا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کریں'' پھر کچھ دنوں کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے کوئی ایسی بات بتلادیں جسے میں اللہ تعالیٰ سے طلب کیا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عباس، اے رسول اللہ کے چچا! اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی عافیت طلب کیا کریں''۔[الترمذی: حدیث حسن صحیح]

حقیقت یہ ہے کہ دنیا وآخرت کی عافیت ایک ایسی نعمت ہے جس کے برابر کوئی نعمت نہیں، اگر دنیا کی ساری نعمتوں سے اس کا تقابل کیا جائے تو عافیت کی نعمت آگے بڑھ جائے گی۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بے حساب مال کا مالک ہوتا ہے؛ لیکن عافیت سے محروم ہوتا ہے، بڑی بڑی عمارتوں، بنگلوں اور وسیع وعریض زمین وجائیداد پر اس کا قبضہ ہوتا ہے؛ لیکن عافیت سے دور ہوتا ہے، خوب صورت اور قیمتی کاریں اس کے پاس ہوتی ہیں اور بڑے تاجروں میں اس کا شمار ہوتا ہے؛ بل کہ کبھی ایسا بھی ہوتا

ہے کہ اونچے عہدے اور منصب پر فائز ہوتا ہے، جس کی طرف ہر ایک رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے؛ لیکن عافیت اور سکون سے محروم ہوتا ہے؛ لہٰذا دنیا کی عافیت سے اگر کوئی محروم ہو گیا تو بڑی نعمت سے محروم ہوا، اور اگر دین و دنیا و آخرت کی عافیت سے محروم ہو گیا تو یہ شخص ہر طرح سے بالکلیہ محروم و نامراد ہو گیا۔

لیکن اگر کوئی شخص دینی عافیت سے مالا مال ہو جائے، وہ اس طرح کہ صحیح عقیدہ معلوم کرے، توحید خالص کا ایسا عقیدہ کہ جس میں شرک کی بو بھی نہ ہو، پھر اپنے اوپر عائد واجبات و حقوق کی ادائیگی کرے، اپنے کردار و گفتار میں رسول کریم ﷺ کی پیروی کرے —— اسی طرح جسمانی عافیت سے بھی ہم کنار ہو، روئے زمین پر چلتا پھرتا ہو، زمین سے نکلی ہوئی روزی سے بعافیت اپنا پیٹ بھرتا ہو، اپنے دین، فیملی اور معاشرے کے سلسلہ کی ضروریات و حقوق ادا کرتا ہو تو یہ شخص ایسا ہے گویا کہ تمام نعمتیں سمٹ کر اس کے قدموں میں آگئی ہوں۔

اس وسیع مفہوم کے اعتبار سے جسے عافیت نصیب ہو جائے اسے دونوں جہاں کی سعادت نصیب ہو گئی، اس کا جینا بھی مبارک، ان شاء اللہ مرنا بھی مبارک، اس کی مبارک زندگی باعث سعادت ہو گی، خود اس کے لیے، اس کے اہل و عیال کے لیے، اس کے خاندان اور اس کی سوسائٹی کے لیے بھی۔

یہ سعادت مندی ایک ایسی شئے ہے جو نہ تو نگاہوں سے نظر آتی ہے، نہ اس کی مقدار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، نہ خزانوں میں جمع کی جا سکتی ہے، نہ پیسوں سے خریدی جا سکتی ہے، اس طرح کی عافیت و سعادت سے وہ شخص بھی بہرہ ور ہو سکتا ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور خالی ہاتھ ہو۔

حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کا قصہ

صبح کا وقت ہے، دو جہاں کے سردار کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے معمولی سے گھر میں ہیں، گھر میں تلاش کرنے کے باوجود انھیں کھانے کی کوئی چیز نہیں ملی، شدید سردی ہے، حضرت علیؓ گھر سے باہر نکلتے ہیں اور مدینہ منورہ کے اطراف میں پہنچ کر انھیں ایک یہودی کا باغ یاد آتا ہے، اس کے باغ میں پہنچ کر اپنے لیے مزدوری کی بات کرتے ہیں، وہ یہودی انھیں ''بدّو'' کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ کنویں سے پانی نکالو اور ہر ڈول کے بدلے تمھیں ایک کھجور دوں گا، اونٹ کے ساتھ مل کر اس کے تعاون سے بڑے ڈول میں پانی نکالتے رہے، جب ہاتھ میں ورم آگیا اور تھک گئے تو یہودی سے اپنی مزدوری لی اور چند کھجوریں لے کر واپس ہوے، پہلے نبی کریم ﷺ کے پاس سے گذرے اور چند کھجوریں آپ کو پیش کیں، پھر حضرت فاطمہؓ کے پاس گئے اور پورا دن انہی کھجوروں پر گذار دیا۔

یہ تھی ان کی ظاہری زندگی اور مادی صورتِ حال؛ لیکن باطنی اور قلبی سکون واطمینان کا حال یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ پوری کائنات کی ہر طرح کی سعادتوں کا نور ان کے گھر میں بکھرا ہوا ہے اور دل میں سکون وراحت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ابل رہا ہے۔

اس طرح کی سعادت مندی اور سکون قلب تک رسائی صرف حقیقی مؤمن کی ہی ہو سکتی ہے، مشرک اور ملحد بے دین کو تو اس کی بو بھی محسوس نہیں ہو سکتی، خواہ

اسے پوری دنیا کے سارے خزانے کیوں نہ حاصل ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا ﴾

[طه: ١٢٤]

"اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا تو اس کی زندگی تنگی میں ہو گی"۔

[سورۂ طٰہٰ، آیت:۱۲۴]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي ٱلسَّمَآءِ ۚ ﴾ [الأنعام: ١٢٥]

ترجمہ: تو جس شخص کو اللہ سیدھے راستے پر لانا چاہتا ہے، اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے، ایسے ہی جیسے کوئی آسمان میں چڑھ رہا ہو"۔[سورۂ انعام:۱۲۵]

اسی طرح اس سعادت کی حقیقت تک ان لوگوں کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی جو گناہوں کے سمندر میں ڈوبے ہوے ہیں؛ کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے دل کی دنیا اجڑ جاتی ہے، اس پر وحشت کی چادر چڑھ جاتی ہے اور دل تاریک ہو جاتا ہے۔

رَأَيْتُ الذُّنُوْبَ تُمِيْتُ الْقُلُوْبَ * وَقَدْ يُوْرِثُ الذُّلَّ إِدْمَانُهَا

میں نے دیکھا کہ گناہ، دلوں کو مردہ کر دیتا ہے، اور اگر گناہوں کا نشہ چڑھ جائے تو پھر تو انسان ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔

عافیت وسعادت کے حصول کا طریقہ

اس طرح کی سعادت اور عافیت کے حصول کے متعدد اسباب ہیں، ان میں سے سب سے اہم قرآن کریم کی تلاوت ہے، یا قرآن کی تلاوت کو سننا کسی ایسے قاری سے جس کی آواز میں مٹھاس ہو، تجوید کے ساتھ پڑھ رہا ہو، آیتوں میں تدبر و تفکر بھی کر رہا ہو، اور خشوع کے ساتھ تلاوت کر رہا ہو ـــــ اسی لیے نبی پاک ﷺ خود بھی قرآن پڑھتے تھے اور کبھی کبھی یہ پسند فرماتے تھے کہ دوسرے سے تلاوت سنیں، جب دوسرے سے آپؐ سنتے تھے تو بے حد اثر لیتے، اور آبدیدہ ہو جاتے تھے؛ کیوں کہ تلاوت سننے کی بھی ایک حلاوت ہوتی ہے جو دل تک پہنچتی ہے۔ بعض سلف صالحین تو جب قرآن کریم کی آیتیں سنتے تھے تو ان آیتوں کی بلاغت، ان کی عظمت اور زبردست تاثیر کی وجہ سے بے قابو ہو جاتے۔

﴿ لَوۡ أَنزَلۡنَا هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانَ عَلَىٰ جَبَلٖ لَّرَأَيۡتَهُۥ خَٰشِعٗا مُّتَصَدِّعٗا مِّنۡ خَشۡيَةِ ٱللَّهِۚ ﴾ [الحشر: ۲۱]

”اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے کہ خوفِ الٰہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا“۔

درحقیقت قرآن کریم، دلوں کے اوپر حکمرانی کرتا ہے، انسانی روحوں پر اس کی ہیبت، جاہ وجلال اور نفوس پر اس کے طاقت ور اثرات پڑتے ہیں۔

صبح سے شام تک انسان جن پریشانیوں اور بے چینیوں سے ہم کنار ہوتا ہے، ان کی وجہ سے اس کے دل ودماغ پر مایوسی اور ناامیدی چھا جاتی ہے، ان حالات میں

جب وہ کسی خوش آواز قاری سے قرآن کریم کی تلاوت سنتا ہے اور اس میں غور و تدبر کرتا ہے تو رشد وہدایت کا ایسا نور اس کے دل میں پڑتا ہے کہ ساری پریشانیوں کو بھلا دیتا ہے۔

کیا موسیقی سے سکون وراحت اور سعادت ملتی ہے؟

کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ موسیقی سے انھیں راحت اور سعادت ملے گی، اس موضوع پر انھوں نے بڑی بڑی کتابیں بھی لکھ ڈالی ہیں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا متبادل ذریعہ ہے جو نہ صرف حرام ہے؛ بل کہ گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ دل کی ظلمت اور خدا سے دوری کا آلہ بھی ہے۔ ہمارے پاس خیر وبرکت، رشد وہدایت سے بھرا ہوا ایسا مبارک کلام موجود ہے جو صادق ومصدوق ﷺ پر نازل ہوا، ''جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ نازل کردہ ہے، حکمتوں والے خوبیوں والے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے''۔ (سورۂ فصلت، آیت: ۴۲)

لہٰذا ہمارا قرآن کریم کی تلاوت کا سننا ایک ایمانی اور شرعی عمل ہے۔

﴿ تَرَىٰٓ أَعۡيُنَهُمۡ تَفِيضُ مِنَ ٱلدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُواْ مِنَ ٱلۡحَقِّۖ ﴾

[المائدة: ٨٣]

ترجمہ: ''آپ ان کی آنکھیں (قرآن سن کر) آنسو سے بہتی ہوئی دیکھیں گے، اس وجہ سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا''۔ [سورۂ مائدہ: ۸۳]

جب کہ ان کا موسیقی وغیرہ کا سننا ایک لہو اور بے ہودہ عمل ہے جس کا

ارتکاب وہی لوگ کرتے ہیں جو قرآن کی عظیم نعمت سے محروم ہوتے ہیں۔

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًاۚ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٞ مُّهِينٞ ٦ ﴾

[لقمان: ٦]

ترجمہ: ”اور بعض لوگ ایسے ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں، تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بہکائیں اور اسے مذاق بنائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے“۔[سورۂ لقمان، آیت:٦]

چناں چہ قرآن کریم، ایمان اور عمل صالح، یہی وہ چیزیں ہیں جن سے انسان کے دل میں عافیت اور سعادت کا چشمہ پھوٹتا ہے، ان کے بغیر کسی اور مقام پر اس طرح کی سعادت کا متلاشی ناکام ونامراد ہوگا، خواہ اسے عظیم منصب حاصل ہو جائے یا قارون کا خزانہ دریافت ہو جائے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کر ڈالا، اپنے پاس کچھ نہ بچا، لیکن دل میں خوشی، سعادت اور عافیت محسوس کی، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا ٱلۡأَتۡقَى ١٧ ﴾ [الليل: ١٧]

ترجمہ: ”اور جہنم کی آگ سے وہ شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیز گار ہوگا“۔[سورۃ اللیل، آیت:١٧]

لیکن ظالم وجابر فرعون کو اللہ نے دریا میں غرق فرمایا اور ارشاد ہوا:

﴿ ٱلنَّارُ يُعۡرَضُونَ عَلَيۡهَا غُدُوّٗا وَعَشِيّٗاۚ ﴾ [المؤمن: ٤٦]

ترجمہ: ''وہ جہنم کی آگ کے سامنے (قبر میں) صبح شام لائے جاتے ہیں''۔

[سورۂ مومن، آیت:۴۶]

حضرت عمر بن الخطاب کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں نے جنت میں سونے کا محل دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کس کا محل ہے؟ کہا گیا کہ عمر بن الخطاب کا ہے''۔[صحیح البخاری]

جب کہ ناکام ونامراد قارون کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَخَسَفْنَا بِهِۦ وَبِدَارِهِ ٱلْأَرْضَ ﴾ [القصص: ۸۱]

ترجمہ: ''ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسادیا''۔

[سورت القصص، آیت:۸۱]

حضرت عثمان غنیؓ کے لیے حضور ﷺ نے دعا فرمائی:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعُثْمَانَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ»

[الترمذی]

''اے اللہ عثمان کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما''۔[ترمذی شریف]

جب کہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿ سَأُرْهِقُهُۥ صَعُودًا ﴿١٧﴾ ﴾ [المدثر: ۱۷]

ترجمہ: ''عنقریب میں اسے سخت چڑھائی پر چڑھاؤں گا (عذاب دوں گا)''

[سورۂ مدثر، آیت:۱۷]

حضرت علیؓ کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

«رَجُلٌ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ»

[صحيح مسلم]

"کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں"۔[مسلم شریف]

جب کہ امیّہ بن خلف کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١ ﴾ [الهمزة: ١]

ترجمہ: "بڑی خرابی ہے ایسے شخص کی جو عیب جوئی کرنے والا اور غیبت کرنے والا ہے"۔[سورۂ ہمزہ، آیت:۱]

حضرت سعد بن معاذؓ کی جب وفات ہوئی تو رحمان کا عرش ہل گیا، جب کہ اللہ کے دشمن ابو لہب کے بارے میں فرمایا:

﴿ تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝١ ﴾ [المسد: ١]

ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا"۔[سورۃ المسد:۱]

مادی چیزیں بھی سعادت کا سبب بن سکتی ہیں

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض مادی چیزیں بھی اسبابِ سعادت کے ضمن میں آتی ہیں؛ لیکن ان کا باعث سعادت بننا، ایمان اور صلاح و تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الصَّالِحُ» [مسند أحمد]

"ابن آدم کی سعادت میں سے ہے کہ اس کے پاس نیک بیوی ہو، اچھا مکان ہو اور عمدہ سواری ہو"۔[مسند احمد]

لہٰذا اگر انسان کا باطن اچھا ہو، اس کا دل ایمان کی حرارت سے معمور ہو اور اس کے اعضاء وجوارح نیک اعمال سے آباد ہوں تو مادی چیزیں بھی اس کی سعادت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

* * *

۲۳/ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

”فیملی“ ہر معاشرے کی بنیاد

انسانی معاشرے کی جڑ اور بنیاد فیملی ہے، اسی طرح معاشرے کی اچھائی اور برائی کا تعلق بھی فیملی سے ہی ہے۔ اس فیملی کی بنیاد رکھی جاتی ہے، میاں بیوی کے اوپر، یہی دراصل ان بچوں کی نگہ داشت اور تعلیم وتربیت کے سلسلے میں مؤثر اور ابتدائی کردار ادا کرتے ہیں، جو بچے حقیقت میں معاشرے کے ارکان ہوتے ہیں۔

چوں کہ فیملی کے اخلاق وکردار کے اثرات نہایت دور رس ہوتے ہیں، اس لیے اسلام نے اس موضوع کو بڑی اہمیت دی ہے۔ فیملی کے درمیان باہم ربط وتعلق کیا ہو؟ فیملی اپنی ذمہ داری کس طرح حسن وکمال کے ساتھ پوری کرے؟ سعادت مندی، راحت وسکون اور اعلیٰ اخلاق وکردار، وخوش حالی اور ان میں پائیداری اور استحکام کیسے آئے؟ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات کے جوابات قرآن وحدیث میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔

میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس ہیں

چناں چہ قرآن کریم نے میاں بیوی کے دلوں میں اس شعور کو بیدار کیا کہ وہ

ایک دوسرے کے لیے نہ صرف ضروری ہیں؛ بل کہ ان میں سے کسی کے وجود کی تکمیل دوسرے کے بغیر نہیں ہوسکتی، فرمایا:

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

"وہ (بیویاں) تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو"۔

[سورۃ البقرۃ:۱۸۷]

وہ دونوں اپنی ازدواجی زندگی اس طرح خوش گوار، پیار و محبت، ہم دردی اور ہم مزاجی کے ساتھ بسر کرتے ہیں کہ بہ ظاہر دو جسم ہوتے ہیں؛ لیکن ان کے شعور و وجدان، احساسات و جذبات، اسرار و رموز، فراش، عمل اور اس طرح کے دیگر بہت سارے امور میں یکجہتی اور وحدت پائی جاتی ہے۔

اسلام نے، خوب صورت، مضبوط اور درخشاں معاشرے کی تعمیر کے لیے سب سے پہلے اس کی بنیاد پر خصوصی توجہ دی، جس کی مضبوطی، خوب صورتی اور پاکیزگی پورے معاشرے کی ترقی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ چوں کہ پورے معاشرے کی بنیاد یہی میاں بیوی ہیں، اس لیے ان کے مابین تعلقات اور فکری و عملی ہم آہنگی کو مضبوط کرنے اور ان کو پائیدار بنانے کے لیے اسلام نے دونوں کے حقوق و واجبات کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، تاکہ ہر ایک انھیں امانت داری اور دیانت داری کے ساتھ ادا کرے اور نہ صرف اپنے گھرانے کو بل کہ پورے معاشرے کو امن و امان اور چین و سکون کا گہوارہ بنائے۔

بیویوں کے حقوق شوہروں پر ـــــ حسن معاشرت

شوہروں کے اوپر ان کی بیویوں کے جو حقوق ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ

ان کے ساتھ نرمی اور خوش اسلوبی سے پیش آئیں، اگر بیویوں کی طرف سے کبھی باعثِ اذیت کوئی امر پیش آجائے تو حتی الامکان تحمل اور برداشت سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ ﴾ [النساء: ١٩]

''اور تم ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو''۔[سورۃ النساء:۱۹]

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

« أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ، لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ». [ترمذي]

''سنو! عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، کیوں کہ وہ تمھارے ہاں اسیر ہیں، (یعنی انھوں نے خود کو تمھارے سپرد ایسے کر دیا ہے جیسے اسیر اور قیدی کر دیتے ہیں) سوائے اس کے (یعنی صحبت وغیرہ کے) ان کی کسی چیز کے تم مالک نہیں ہو''۔

[ترمذی شریف]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ». [ترمذی]

''اہل ایمان میں کامل ایمان والے وہ ہیں جو ان میں سب سے اچھے اخلاق والے ہیں، اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہیں''۔

[ترمذی شریف]

دل لگی، بشاشت، باہمی تعاون

حسن معاشرت میں یہ بھی داخل ہے کہ بیوی کے ساتھ بشاشت اور چہرہ کی مسکراہٹ کے ساتھ ملا کرے نہ کہ درشت روئی اور نہایت سنجیدگی اور رنجیدگی کے ساتھ۔ نیز وہ جو شوہر کی یا اولاد کی خدمت کرتی ہے اس پر اس کا شکریہ ادا کرے، ہمت افزائی کے جملے استعمال کرے، کیوں کہ یہ خدمت شرعا اس پر واجب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کام سے تھک جائے تو اس کا کام ہلکا کر دے، اگر بیمار ہو جائے تو اس کی نگہ داشت کرے اور گھر کے کاموں میں کبھی کبھی اس کا ہاتھ بھی بٹائے جیسا کہ محسنِ انسانیت، پیکر اخلاق نبیٔ رحمت ﷺ ازواجِ مطہرات کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ یہ ہرگز نہ بھولے کہ بیوی کی خوش دلی کے لیے اس کے ساتھ ہنسی مذاق وغیرہ کرنا بھی ایک طرح کی نیکی ہے جو شوہر کے میزانِ حسنات میں لکھی جاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فَمِ امْرَأَتِكَ». [متفق عليه]

"اللہ کی خوش نودی کے لیے تم جو کچھ بھی خرچ کروگے اس پر تمھیں اجر ضرور ملے گا، یہاں تک کہ تمھیں اس لقمے پر بھی اجر ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالوگے"۔ [متفق علیہ]

بیوی کو دینی مسائل کی تعلیم

ہر شوہر سے اس کی بیوی کے سلسلے میں قیامت کے روز سوال ہوگا کہ دینی

امور میں بھی اس کی راہ نمائی کی یا نہیں؛ کیوں کہ بیوی اس کے ماتحتوں میں داخل ہے، اور ہر شخص سے اس کے ماتحتوں سے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اس لیے اگر بیوی کو مسائل معلوم نہ ہوں تو شوہر اسے تعلیم دے، مثال کے طور پر پاکی، ناپاکی کے مسائل، وضو و غسل اور ماہواری، عذر شرعی کے مسائل، نماز، روزے، تلاوتِ قرآن، پڑوسیوں اور رشتے داروں کے حقوق وغیرہ۔ اسی طرح اسے ہر بھلائی کی ترغیب دے اور ہر برائی سے منع کرے۔ نماز کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَـٰقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ﴿١٣٢﴾ ﴾ [طه: ١٣٢]

"اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو، ہم تم سے رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم تمھیں دیں گے۔ اور بہتر انجام تقویٰ ہی کا ہے"۔ [سورۃ طہ / ۱۳۲]

لہٰذا فرائض و واجبات میں اگر کوتاہی دیکھے تو ان کی ادایگی کا حکم کرے، اسی طرح اگر منکرات اور ناجائز امور کا ارتکاب کرتے ہوے دیکھے تو منع کرے۔ بالخصوص اس زمانہ میں منکرات کے اسباب ووسائل بکثرت وجود میں آجانے کی وجہ سے بہت ساری معاشرتی برائیاں وجود میں آگئی ہیں، مثال کے طور پر ناجائز تعلقات، غیر محرم سے بے تکلفانہ گفتگو کرنا، بل کہ اس سے بھی آگے بڑھ کر حدود پار کر جانا وغیرہ، لہٰذا اس طرح کی حرکتوں پر ٹوکنا، تنبیہ کرنا واجب ہے، اس کا تعلق انسان کی غیرت وحمیت سے بھی ہے، غیرت مند مرد عزت وآبرو کی حفاظت کرتا ہے؛ بل کہ اس کے نزدیک عزت وآبرو کی قیمت واہمیت مال ودولت سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں وارد ہے:

«إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَغَارُ، وَالْمُؤْمِنُ يَغَارُ». [متفق عليه]

''بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات غیور ہے، اور ایمان والا بھی غیرت مند ہوتا ہے''۔[متفق علیہ]

مہر کی ادائیگی

شوہروں پر ان کی بیویوں کے عائد حقوق میں سے ایک مہر کی ادائیگی ہے، اور حق مہر خالص عورت کی ملکیت ہے، والدین یا بھائیوں کو اس حق میں تصرف کی صاحبِ حق کی اجازت کے بغیر قطعاً گنجائش نہیں ہے؛ البتہ اس کی اجازت ہو تو دوسرے اس میں تصرف کرسکتے ہیں، لیکن یہ اجازت بھی طیبِ نفس یعنی خوشی سے ہو، کسی دباؤ یا کسی کمزوری یا حیا وشرم کی وجہ سے ہرگز نہ ہو، کیوں کہ اگر کسی نے عورت کا یہ حق اس کی خوشی کے ساتھ اجازت کے بغیر لیا، یا اس نے اجازت تو دے دی لیکن کسی کمزوری یا حیا وشرم کی وجہ سے دی تو یہ مال حلال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَءَاتُواْ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ﴿٤﴾ ﴾ [النساء: ٤]

''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھالو''۔[سورۃ النساء:۴]

بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمّے

بیوی کا ایک حق یہ ہے کہ شوہر اس کے نان ونفقہ کی مکمل کفالت کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُوا۟ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ ... ﴾ [النساء: ٣٤]

"مرد، عورتوں کے نگراں ہیں، کیوں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیوں کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں..."۔

[سورۃ النساء:۳۴]

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَعُولُ». [نسائی والطبرانی]

"آدمی کے گنہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جن کا نفقہ اس پر واجب ہے، ان کے حقوق ضائع کر دے"۔[نسائی وطبرانی]

نفقہ کے سلسلے میں یہ بات واضح رہے کہ شوہر اور بیوی کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوے اوسط درجہ کا نفقہ شوہر سے مطلوب ہے، نہ بہت اعلیٰ اور نہ ہی بہت ادنیٰ۔ مزید یہ کہ شوہر جب اپنی بیوی یا اپنی اولاد پر مال خرچ کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے؛ بلکہ وہ اجر وثواب کا بھی مستحق ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ، وَدِينَارٌ

تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ، أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ». [صحيح مسلم]

"ایک وہ دینار ہے جو تم نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا، اور ایک وہ دینار ہے جو تم نے گردن چھڑانے (غلام آزاد کرانے) میں خرچ کیا، اور ایک وہ دینار ہے جسے تم نے کسی مسکین پر صدقہ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پہ خرچ کیا۔ ان میں سب سے زیادہ باعث اجر وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پہ خرچ کیا"۔ [مسلم شریف]

البتہ اس کا خیال ضرور رہے کہ حلال مال حاصل کرے اور حلال سے ہی اپنے اہل وعیال کی پرورش کرے، ورنہ بے برکتی تو ہوتی ہی ہے، گناہ بھی سر پہ رہ جاتا ہے۔

ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل

اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل وانصاف کرنا ضروری ہے۔ اس عدل کا تعلق شب گزاری، نان ونفقہ اور رہائش گاہ سے ہے، لہٰذا شب گزاری میں اگر برابری نہیں کی تو یہ شریعت کی نگاہ میں ظلم ہے۔ اسی طرح ان پہ خرچ کرنے میں بھی انصاف اور برابری ضروری ہے، خواہ اس کا تعلق روپے پیسے سے ہو، یا لباس اور کپڑوں سے ہو، یا زیورات وغیرہ سے ہو، ان سب میں عدل ضروری ہے؛ لیکن شریعت نے مردوں کو ان ہی جگہوں میں عدل کا حکم دیا ہے جہاں ممکن ہے، اگر انسانی فطرت کے تقاضے کی بنیاد پر کسی ایک کی طرف دل کا میلان زیادہ ہو تو شریعت میں اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، کیوں کہ یہ انسان کے بس سے باہر ہے۔

اسی لیے رسول اکرم ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان عدل فرماتے تھے اور یہ فرماتے:

«اللَّهُمَّ هَذِهِ قِسْمَتِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ». [ترمذی]

"اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس پر میں قدرت رکھتا ہوں، لیکن جس کی قدرت تو رکھتا ہے، میں نہیں رکھتا، اس کے بارے میں مجھے ملامت نہ کرنا"۔

[ترمذی شریف]

لیکن قلبی میلان کے علاوہ دیگر امور میں اگر کسی نے عدل نہیں کیا تو اس کے لیے قیامت کے روز بڑی رسوائی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ، فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا، جَاءَ يَوْمَ القِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ». [سنن الترمذی]

"جب کسی مرد کے پاس دو بیویاں ہوں، پھر وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہو گا"۔

[ترمذی شریف]

یہ وہ حقوق ہیں جو شوہر کے اوپر عائد ہوتے ہیں، لہٰذا ہر شوہر اپنی عائلی ذمہ داریوں کو سمجھے اور اس کو بہ خوبی ادا کرنے کی کوشش کرے، تاکہ اس کا گھر سعادتوں، راحتوں اور خوشیوں کا گہوارہ بنے، بیوی کے ساتھ حسن سلوک، حسن معاملہ اور حسنِ معاشرت کے ساتھ زندگی گزارے، اس کی مادی اور معنوی ہر طرح کی راحت کا سامان مہیا کرے۔

شوہروں کے حقوق ان کی بیویوں پر

بیوی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ اس طرح زندگی گزارے کہ شوہر اس کے پاس رہ کر چین وسکون، محبت، پیار، ہم دردی اور راحت محسوس کرے، نیز اولاد کی تربیت اور پرورش میں بھی ایسا کردار ادا کرے جو نہ صرف اس کے شوہر بلکہ پورے خاندان کے لیے سرفرازی کا باعث ہو، قوم کو ایسی نیک، شائستہ اور تربیت یافتہ اولاد پیش کرے جس پر پوری قوم اور پوری ملت کو فخر ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے شوہر کو دیے گئے مرتبے ومقام کو پہچاننا

بیوی کو چاہیے کہ اللہ نے جو شوہر کو مرتبہ ومقام عطا کیا ہے اسے پہچانے اور اللہ کی اس تقسیم پر راضی رہے، کیوں کہ اللہ خالق اور حکیم وعلیم ہے، اپنے ہر امر ونہی کی حکمت وہی بخوبی جانتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ، دَخَلَتِ الجَنَّةَ».

[الترمذی]

”کوئی بھی عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ عورت جنت میں داخل ہو گی“۔[ترمذی شریف]

دوسری روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ المَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا». [ترمذی]

"اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی (انسان) کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"۔[ترمذی]

مسند بزار میں سند حسن کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ عورت کے اوپر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے شوہر کا۔ پھر عرض کیا کہ مرد کے اوپر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی ماں کا۔ سبحان اللہ! کیا حسن وجمال اور عدل وکمال ہے اس شریعت میں؛ ایک طرف عورت کے اوپر اس کے شوہر کا حق بتلایا تو دوسری طرف اس کے عوض میں اس کی تکریم اس طرح کی کہ بیٹے کے اوپر سب سے زیادہ ماں کا حق بتلایا۔

چوں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کا نگہبان بنایا ہے، اور اس "شرکۃ الحیاۃ" اور عائلی معاملات کا ذمہ دار بنایا ہے، اس لیے عورت کے اوپر اس کی اطاعت کو واجب قرار دیا (بشرطے کہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دے) اور اس کی نافرمانی کو حرام قرار دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا، وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا، وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا، دَخَلَتْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ».

[رواه ابن حبان في صحيحه]

"عورت نے اگر پانچ (فرض) نمازیں ادا کیں، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی، اپنے شوہر کی اطاعت کی تو جنت کے جس دروازے سے چاہے گی اس میں داخل ہو گی"۔ [ابن حبان]

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَلَمْ تَأْتِ، فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا، لَعَنَتْهَا المَلاَئِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ». [صحيح البخارى]

"جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے، پس مرد اس پر ناراضگی کی حالت میں رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں"۔ [بخاری شریف]

لیکن جو عورت اپنے شوہر کا اکرام کرے، اس کے مرتبے و مقام کو سمجھے، اس کے جائز مطالبات کو پورا کرے، اللہ کی رضا کے لیے اس کے سامنے متواضع رہے تو ایسی عورت بہترین "متاعِ دنیا" ہے، بل کہ زندگی کی رونق اور گھر کا نور و جمال ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ». [مسلم]

"دنیا متاع (لطف و لذت کی چیز) ہے، اور دنیا کی بہترین متاع، نیک عورت ہے"۔[مسلم]

ایک دوسری روایت میں بہترین عورت کی صفات یہ بیان کی گئی ہیں:

«خَيْرُ النِّسَاءِ إِذَا نَظَرْتَ إِلَيْهَا سَرَّتْكَ، وَإِذَا أَمَرْتَهَا أَطَاعَتْكَ، وَإِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِي نَفْسِهَا وَمَالِكَ». [نسائى]

"بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو تمھیں اچھی لگے، جب تم اسے کوئی حکم کرو تو بجالائے، اور جب تم اس سے دور رہو تو اپنی عصمت اور تمھارے مال کی حفاظت کرے"۔[نسائی شریف]

خلاصۂ گفتگو

ازدواجی زندگی ایک پاکیزہ اور لائقِ صد احترام زندگی کا نام ہے، اس کی پاکیزگی کے اثرات معاشرے کے اوپر؛ بلکہ پوری قوم کے اوپر پڑتے ہیں؛ کیوں کہ یہیں سے نئی نسل وجود میں آتی ہے، جس کا ہر فرد معاشرے کا رکن ہوتا ہے۔

ازدواجی زندگی کی خوشگواری اس پر منحصر ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق کی ادایگی میں پیش پیش رہے۔ جن کا تذکرہ پچھلی سطروں میں کیا گیا —— اپنے حقوق کے مطالبے کی فکر کرنے کے بہ جائے دوسرے کے حقوق کی ادایگی کی فکر زیادہ رہے۔

خدانخواستہ کبھی کوئی اختلاف ہو جائے تو سبّ وشتم اور لعن طعن کی بہ جائے اپنے اعصاب اور اپنی زبان پر قابو رکھنے کی کوشش کرے۔ چھوٹی موٹی باتوں کو نظر انداز کرنے کی بھرپور سعی کرے۔

* * *

۳/۴/۱۴۳۱ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

مصائب پہ صبر اور ثابت قدمی

انسان کی زندگی جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم سے عبارت ہے، جو عام طور پر پُر مشقت اور پُر خطر راہوں سے گزر کر ہی کسی اطمینان بخش منزل پر پہنچتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا کی تخلیق ہی انسان کی آزمائش کے لیے ہوئی ہے؛ لہٰذا یہاں انسان کے اوپر مصائب وآلام کا آنا، سنگین حالات سے دوچار ہونا اور مختلف قسم کے پریشان کن، دردناک اور الم ناک حوادث کا پیش آنا ایک فطری بات ہے۔ چناں چہ کسی کو دیکھیں تو اسے ملازمت کی تلاش ہے، لیکن مل نہیں رہی ہے، کوئی ملازمت سے برطرف کیا جارہا ہے، کسی کا کوئی عزیز ترین شخص انتقال کر جاتا ہے، کوئی مالی بحران یا خسارے سے دوچار ہوتا ہے، کسی کی آرزوؤں پر پانی پھر جاتا ہے، کوئی دوسروں کی اذیت رسانی سے پریشان ہے، اسی طرح کوئی اپنی اولاد یا اہل خانہ کے حوالے سے غم زدہ ہے، یا کسی موذی بیماری میں مبتلا ہے... الغرض یہاں کی آزمائش سے شاید ہی کوئی شخص بچا ہو۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

جُبِلَتْ عَلَى كَدَرٍ وَأَنْتَ تُرِيدُهَا صَفْوًا مِن الآلامِ وَالْأَكْدَارِ

وَمُكَلِّفُ الْأَيَّامِ ضِدَّ طِبَاعِهَا مُتَطَلِّبٌ فِي الْمَاءِ جَذْوَةَ نَارِ

''اس دنیا کی فطرت میں کدورت اور پریشانی رکھی گئی ہے، اور تم چاہتے ہو کہ یہ درد والم اور کدورت سے پاک صاف ہو۔ دنیاوی زندگی سے اس کی فطرت کے خلاف کی توقع رکھنے والا، دراصل پانی میں آگ کی چنگاری تلاش کر رہا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اس دنیا کی زندگی کو بنایا ہے، یہی اس جہان کا دستور ہے۔

اہل حق کی آزمائش دوسروں سے زیادہ

ہر ایک یہاں امتحان اور آزمائش کے دور سے گزرتا ہے، لیکن خیر وبھلائی، امانت ودیانت اور حق وصداقت کے داعیوں اور علم برداروں کی آزمائش زیادہ ہوتی ہے، جب وہ حق کی دعوت دیتے ہیں تو اہل باطل ان کا مقابلہ کرتے ہیں، جب وہ خیر وبھلائی کی طرف بلاتے ہیں تو اہل شر اُن سے عداوت کرتے ہیں، جب وہ ایک اللہ کی عبادت کی آواز لگاتے ہیں تو اہل طاغوت ان کی آوازیں دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی عادۃ اللہ ہے، اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ساتھ ہی ابلیس کو بھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کے ساتھ نمرود کو لگادیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وجود بخشا تو فرعون بھی ساتھ ساتھ رہا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق فرمائی تو ابوجہل بھی پیچھے لگا رہا۔

﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ ٱلْمُجْرِمِينَ ﴾ [الفرقان: ۳۱]

''اور ہم نے اسی طرح مجرموں کو ہر نبی کا دشمن بنادیا''۔[سورۃ الفرقان/۳۱]

یہی حال انبیائے کرام علیہم السلام کا ہے اور اسی طرح ان کے سچے وارثین، ان

کے نقشِ قدم پہ چلنے والے اور انہی کی دعوت کو عام کرنے والے بھی طاغوتی نظاموں اور سرکش مجرموں کی نگاہ میں کھٹکتے ہیں، اس لیے وہ ان سے برسرپیکار رہتے ہیں۔

امام ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے، حضرت مصعب بن سعدؓ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

«يَا رَسُولَ اللهِ، أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ: «الأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ، فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَمَا يَبْرَحُ البَلَاءُ بِالعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ». [سنن الترمذی]

"یارسول اللہ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انبیاء، پھر جو ان کے بعد مرتبہ میں ہیں (یعنی صالح ترین لوگ) پھر جو ان کے بعد ہیں، بندے کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے، اگر بندہ اپنے دین میں مضبوط ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے، اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کے دین کے مطابق ہی مصیبت ہوتی ہے۔ پھر مصیبت بندے کے ساتھ لگی رہتی ہے یہاں تک کہ بندہ روئے زمین پر اس حال میں چل رہا ہوتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا"۔[ترمذی شریف]

سخت حالات میں بے صبرے اور مایوس ترین لوگ

تجربات اور مشاہدات بتاتے ہیں کہ زندگی میں پیش آنے والی مصیبتوں اور

پریشانیوں سے سب سے زیادہ وہ لوگ متأثر ہوتے ہیں یا اپنے اعصاب پہ قابو نہیں رکھ پاتے یا بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں جو ملحد، لا مذہب، شکوک وشبہات میں مبتلا یا کمزور ایمان والے ہیں، قرآن کریم نے اس طرح کے لوگوں کا ذکر کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَٰهَا مِنْهُ إِنَّهُۥ لَيَـُٔوسٌ كَفُورٌ ﴿٩﴾﴾ [سورة هود: ٩]

"اور جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت کا مزہ چکھادیتے ہیں، پھر وہ اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے"۔[سورۂ ہود:۹]

﴿وَإِذَا مَسَّهُ ٱلشَّرُّ كَانَ يَـُٔوسًا ﴿٨٣﴾﴾ [بنى إسرائيل: ٨٣]

"اور اگر اس کو کوئی شر (برائی) چھو جائے تو مایوس ہو بیٹھتا ہے"۔

[بنی اسرائیل:۸۳]

ان کا ایمان نہ تو تقدیر پر ہوتا ہے جس پہ وہ راضی ہوں، نہ ہی معبود برحق، سب کے پالنہار، حکیم وخبیر ذات پہ ہوتا ہے، جس کی حکمتوں اور مصلحتوں پر یقین کرکے دل کو تسلی دے سکیں۔ نیز انبیائے کرام علیہم السلام پر ان کا ایمان نہیں ہوتا کہ ان کی مبارک زندگیوں کو نمونہ بناکر ان سے راہ نمائی حاصل کرسکیں، نہ ہی دوسری سرمدی اور ہمیشہ ہمیش کی زندگی (آخرت) پر ان کا یقین ہوتا ہے، جو ان کی حسرتوں کا مداوا ہو اور ان کے اندر امید کی کرن پیدا کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ خودکشی کے واقعات زیادہ تر ان ہی معاشروں میں دیکھے اور سنے جاتے ہیں جو ضعفِ ایمانی کا شکار ہیں یا بالکل ہی ایمان کی دولت سے محروم ہیں، اگر خودکشی نہیں بھی کرتے تو درد وغم، حزن وملال اور

بے چینی و بے سکونی کے دلدل میں اتنی بری طرح پھنسے ہوتے ہیں کہ ایمان کے بغیر اس سے نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔

سخت حالات میں صبر و رضا اور سکون و اطمینان والے لوگ

جو اہل ایمان ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ وہ مشکل ترین حالات میں سب سے زیادہ صابر، ثابت قدم اور راضی بہ رضائے الٰہی رہتے ہیں، جس کی متعدد وجوہات ہیں:

(۱) ایمان والوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو مصیبت بھی نازل ہوتی ہے وہ بلاوجہ، یا بے تکی نہیں ہوتی؛ بلکہ وہ قضاوقدر کے فیصلے، ازلی حکمت اور کتابت الٰہی کے عین مطابق ہوتی ہے، لہٰذا ان کا پکا یقین ہوتا ہے کہ جو مصیبت آنے والی ہے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو ٹلنے والی ہے اسے کوئی لا نہیں سکتا۔

﴿مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مِّن قَبۡلِ أَن نَّبۡرَأَهَآۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٞ ٢٢﴾

[الحدید: ۲۲]

”کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین پہ نازل ہوتی یا تمھاری جانوں کو لاحق ہوتی ہو، مگر وہ ایک کتاب میں اس وقت سے درج ہے جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی نہیں کیا تھا۔[سورۂ حدید:۲۲]

(۲) انھیں یہ معلوم ہے کہ ہمیشہ کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی یہ زندگی نہایت مختصر ہے، اس لیے انھیں اس کی تمنا نہیں ہوتی کہ آخرت کی

جنت سے پہلے دنیا میں ہی جنت مل جائے۔

﴿ قُلۡ مَتَٰعُ ٱلدُّنۡيَا قَلِيلٞ وَٱلۡأٓخِرَةُ خَيۡرٞ لِّمَنِ ٱتَّقَىٰ وَلَا تُظۡلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾ ﴾ [النساء: ٧٧]

"کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے، اور جو شخص تقوی اختیار کرے اس کے لیے آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے"۔[سورۂ نسا:۷۷]

(۳) انہیں یہ معلوم ہے کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ انبیائے کرام علیہم السلام کی آزمائش ہوئی ہے، جنھوں نے اس دنیا کی زیب وزینت سے سب سے کم فائدہ اٹھایا، لہٰذا انھیں قطعا یہ طمع نہیں ہوتی کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام سے بہترین بن جائیں یا ان کے نقش قدم سے ہٹ جائیں۔

(۴) وہ اس لیے بھی نہیں گھبراتے کہ مصائب میں جو اللہ تعالیٰ نے بے شمار منافع رکھے ہیں اس پر ان کا ایمان ہوتا ہے، مثال کے طور پر دلوں کی صفائی، گناہوں کا کفارہ وغیرہ۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ، مِنْ نَصَبٍ وَلاَ وَصَبٍ، وَلاَ هَمٍّ وَلاَ حُزْنٍ وَلاَ أَذًى وَلاَ غَمٍّ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ». [صحيح البخارى]

"مسلمان جب بھی کسی پریشانی، بیماری، رنج وملال، تکلیف اور غم میں مبتلا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے"۔[بخاری شریف]

(۵) وہ اس وجہ سے بھی نہیں گھبراتے کہ مصیبتوں میں بھی انھیں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور نوازش کے مظاہر نظر آتے ہیں، جیسا کہ بعض سلف صالحین سے مروی ہے:

"جب بھی میرے اوپر کوئی دنیاوی مصیبت آئی تو اس کے اندر تین نعمتیں نظر آئیں: ایک یہ کہ وہ مصیبت میرے دین میں نہیں آئی، دوسرے یہ کہ اس سے بڑی نہیں ہے، تیسرے یہ کہ اس پہ اللہ کی طرف سے اجر کی امید ہے"۔

دینی مصیبت، دنیاوی مصیبت سے عظیم ہوتی ہے

یہ حقیقت ہے کہ دنیاوی مصیبت یا خسارے کا کوئی نہ کوئی عوض مل سکتا ہے، اس لیے یہ کوئی پریشان کن چیز نہیں ہے؛ لیکن اگر خدانخواستہ دینی مصیبت آجائے تو پھر یہ ایسا خسارہ ہوگا جس کا کوئی عوض نہیں ہے۔ اسی لیے جب سیدنا یوسف علیہ السلام کے سامنے دونوں طرح کے مصائب آئے اور ان میں سے ایک کو اختیار کرنا تھا تو دنیاوی مصیبت کو بہ خوشی اختیار کرلیا اور اپنے دین کی حفاظت فرمالی۔ ایک طرف فحش کاری کی دعوت دی جارہی تھی، دوسری طرف اگر انکار کرتے تو قید خانے کی اور اس کی صعوبتوں کی دھمکی تھی، بالآخر انھوں نے کہا:

﴿ قَالَ رَبِّ ٱلسِّجۡنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدۡعُونَنِيٓ إِلَيۡهِۖ وَإِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّي كَيۡدَهُنَّ أَصۡبُ إِلَيۡهِنَّ وَأَكُن مِّنَ ٱلۡجَٰهِلِينَ ٣٣ ﴾ [سورة يوسف: ٣٣]

"یارب! یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں، اس کے مقابلے میں قید خانہ مجھے زیادہ پسند ہے..." [سورۂ یوسف:۳۳]

چناں چہ قید خانے میں ڈالے گئے؛ لیکن تقویٰ اور صبر کی وجہ سے اللہ نے انھیں بالآخر جیل سے نکال کر تختِ شاہی پہ بٹھایا۔

اسی لیے رسول کریم ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھلائی ہے:

اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلا مَبْلَغَ عِلْمِنَا». [سنن الترمذی]

"اے اللہ! تو ہمیں دینی مصیبت میں مبتلا نہ فرما، اور دنیا کو ہمارا سب سے بڑا مقصد اور ہمارے علم کی انتہا نہ بنا"۔ [ترمذی]

حضرت عروہ ابن الزبیر کے صبر کا قصہ

حضرت عروہؒ فقہائے تابعین میں ہیں، جلیل القدر صحابی حضرت الزبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں، صبر و رضا میں اپنی مثال آپ ہیں ـــــ ایک دفعہ ان کے پاؤں میں ایسی بیماری سرایت کر گئی جو پورے پاؤں میں پھیل گئی جسے آج کل غرغرینا (Gangrene) کہتے ہیں، چناں چہ اس وقت کے اطبا نے یہ فیصلہ کیا کہ پاؤں کاٹنا ناگزیر ہے، ورنہ بیماری جسم کے دوسرے حصوں میں بھی پہنچ سکتی ہے، حضرت عروہؒ آمادہ ہو گئے؛ لیکن جب انھوں نے کہا کہ تھوڑی سی شراب پینی ہو گی تاکہ ہم آسانی سے کاٹ سکیں اور آپ کو اذیت بھی محسوس نہ ہو، تو انھوں نے صاف انکار کر دیا؛ لیکن فرمایا کہ جب نماز کی نیت باندھ لوں تو آکر کاٹ لینا، چناں چہ نماز کی حالت میں ان کا پاؤں کاٹ لیا گیا، بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے؛ لیکن حرام شے نوش نہیں کی ـــــ اتفاق یہ ہوا کہ اسی رات ان کا ایک لڑکا ایک حادثہ کا شکار ہو کر مالک حقیقی سے

جاملا، یہ دو عظیم مصیبتیں ان پر ایک ہی روز جمع ہو گئیں۔ اس مصیبت کے بعد جو جملے ان کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے:

"اے اللہ! تمام تعریفیں آپ ہی کو زیب دیتی ہیں، میرے سات لڑکے تھے، ان میں سے ایک کو آپ نے اٹھالیا اور چھ میرے پاس چھوڑے۔ میرے چار اطراف (دو ہاتھ دو پیر) تھے، ایک آپ نے لے لیا اور تین میرے پاس ہی رہنے دیے۔ اگر آپ نے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ دیا بھی ہے، اگر آپ نے مصیبت دی ہے تو عافیت بھی تو دی ہے"۔

اللہ اکبر! یہ تھے تسلیم و رضا کے پیکر، اور یہی حال ہر مسلمان کا ہونا چاہیے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ، صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ» . [صحيح مسلم]

"مومن کا معاملہ عجیب ہے۔ اس کا ہر معاملہ اس کے لیے بھلائی کا ہے، اور یہ بات مومن کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ اسے خوشی اور خوش حالی ملے تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے، اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو (اللہ کی رضا کے لیے) صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے باعث خیر ہوتا ہے"۔ [مسلم شریف]

یہ صرف دین اور عقیدۂ آخرت ہی ہے جو مشکل ترین حالات میں انسان کی دست گیری اور راہ نمائی کر کے اس کے دل میں سکون و اطمینان کا سامان فراہم کرتا ہے۔

ایک مرد مومن کے صبر وثبات کا حیرت انگیز قصہ

ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ) نے کتاب الثقات میں ایک صابر وشاکر اللہ والے کا قصہ ذکر کیا ہے جو حیرت انگیز بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

''عبد اللہ بن محمد کہتے ہیں کہ ''عریش مصر'' میں بحیثیت فوجی کے ہماری ڈیوٹی تھی، جب ہم دریا کے کنارے ایک وادی میں پہنچے تو وہاں ایک خیمہ میں ایک شخص کو پایا، جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں بیکار تھے، بینائی اور سماعت بھی نہایت کمزور ہو چکی تھی، البتہ اس کی زبان صحیح سالم تھی اور یہ کہہ رہا تھا:

«اللَّهُمَّ أَوْزِعْنِي أَن أحمدَك حمدًا، أكافِئُ بِهِ شُكْرَ نِعْمَتِكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ وَفَضَّلْتَنِي على كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْتَ تَفْضِيلا».

''اے اللہ! مجھے اس کی توفیق دے کہ میں تیری حمد بیان کروں، جس کے ذریعہ تیری ان نعمتوں کی شکر گزاری ہو سکے جو تو نے مجھے عنایت فرمائی ہیں اور مجھے اپنی بہت ساری مخلوقات پر فضیلت وبرتری بخشی ہے''۔

عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ اس شخص کے پاس ضرور جانا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس خوب صورت مناجات کا منبع اس کا علم وفہم ہے یا کوئی الہام ہے۔ چناں چہ میں ان کے قریب پہنچا اور سلام کر کے ان سے عرض کیا: آپ نے ابھی جو دعا کی ہے اس کے الفاظ میں نے سنے ہیں، تو آخر وہ کون سی نعمت ہے جس پر حمد کر رہے ہیں، اور وہ کون سی فضیلت وبرتری ہے جس پر شکر کر رہے ہیں؟

کہنے لگے: میرے رب نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ بخدا اگر وہ آسمان سے آگ بھیج دیں جو مجھے جلادے، پہاڑوں کو حکم دے دیں جو مجھے دبادیں، سمندروں کو حکم دیں جو مجھے غرق کر دیں اور زمین سے کہیں کہ وہ نگل جائے پھر بھی میں اپنے رب کی شکر گزاری میں کوئی کمی نہیں کروں گا، کیوں کہ اس نے یہ زبان کی جو نعمت دے رکھی ہے یہ کم ہے کیا؟

پھر انھوں نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے، میرا ایک لڑکا تھا جو میری ساری ضرورتیں پوری کرتا تھا، تین روز سے نہیں آیا ہے، اس کی خبر لاسکتے ہو تو لے آؤ۔ جب میں باہر اس کی تلاش میں نکلا تو ایک مقام پر دیکھا کہ درندوں نے اسے چیر پھاڑ کر ختم کر دیا ہے۔ میں واپس آکر بمشکل ان سے بچے کی ہلاکت کی خبر دے سکا، انھوں نے سن کر کہا: الحمد للہ، اللہ نے میری اولاد میں کسی کو نافرمان نہیں پیدا کیا، پھر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر ایک لمبی سانس لی اور ہمیشہ کے لیے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ چار شخصوں کا ایک قافلہ وہاں سے گزرا تو ان سے میں نے ان کا سارا قصہ بیان کیا تو انھوں نے ان کا چہرہ دیکھنے کی اجازت مانگی، پھر کیا تھا کہ وہ زار و قطار رونے لگے، ان کے سر کا بوسہ دیا۔ جب میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ ان کو پہچانتے ہیں تو کہا کہ: ہاں، یہ ابوقلابہ حرمی ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ میں ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ پھر ہم نے انھیں غسل دیا اور تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ ادا کی اور انھیں دفن کیا۔

ان چار شخصوں کا قافلہ تو چلا گیا، پھر میں سو گیا، خواب میں انھیں دیکھا کہ جنت کے باغات میں لطف لے رہے ہیں، ان کے جسم پر جنت کے دو حسین جوڑے

ہیں اور وہ یہ آیت پڑھ رہے ہیں:

﴿ سَلَٰمٌ عَلَيۡكُم بِمَا صَبَرۡتُمۡۚ فَنِعۡمَ عُقۡبَى ٱلدَّارِ ﴿٢٤﴾ ﴾

[الرعد: ٢٤]

میں نے عرض کیا کہ آپ وہی صاحب نہیں ہیں جنھیں ہم نے آج دفن کیا تھا؟ تو کہا کہ ہاں، میں وہی ہوں۔ میں نے عرض کیا: اس عظیم الشان تکریم کی وجہ تو بتائیں! فرمایا:

«إنَّ للهِ دَرَجَاتٍ لا تُنَالُ إلَّا بِالصَّبْرِ عِنْدَ البَلاءِ، والشُّكْرِ عِنْدَ الرَّخَاء، مَعَ خَشْيَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي السِّرِّ والعَلانِيَّةِ».

"اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ ایسے مراتب و مقامات ہیں جو صرف اسی شخص کو ملتے ہیں جو مصائب پر صبر اور نعمتوں پر شکر گزاری کرتا ہے، ساتھ ہی ساتھ خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا بھی ہے".

مصائب پہ اجر و ثواب کی حلاوت...

اللہ کے ایک صالح بندے کے پاؤں میں الم ناک بیماری ظاہر ہوئی؛ لیکن انھوں نے کبھی بھی آہ وزاری یا درد کا اظہار نہیں کیا؛ بل کہ مسکراتے رہے اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھتے رہے۔ کسی نے کہا کہ اس بیماری سے آپ کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی ہے؟

تو فرمایا: «حَلاوَةُ ثَوَابِهِ أنْسَتْنِيْ مَرَارَةَ وَجْعِهِ» یعنی اس تکلیف پر صبر کی وجہ سے مرتب ہونے والے اجر و ثواب کی حلاوت اور مٹھاس نے اس کی تکلیف کی تلخی

کو ذہن سے نکال دیا ہے۔

یقیناً اگر ہم مصائب وآلام پر صبر کرنے کی وجہ سے اجر وثواب کی امید رکھیں، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہیں (مصائب کے ازالے کی کوشش صبر ورضا کے منافی نہیں ہے) تو زندگی میں خوش گواری سکون واطمینان اور شگفتگی پیدا ہو جائے گی۔

* * *

۱/ شعبان ۱۴۲۷ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اچھی صحبت اور اس کے مثبت اثرات

تمہید

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ اس کی طبیعت دوسروں سے ملنے جلنے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا تقاضا کرتی ہے؛ بل کہ انسانوں کی باہمی ضروریات کا بھی تقاضا یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے میل جول رکھیں اور اجتماعی زندگی گزاریں—— اس اجتماعی زندگی کا ایک ناگزیر پہلے یہ ہے کہ انسان اپنے ہم نشینوں اور دوستوں کے منہج وسلوک اور فکر و نظر سے متأثر ہوے بغیر نہیں رہتا، یہ بھی اس کی فطرت میں شامل ہے کہ دوسروں کے کردار و گفتار اور افکار وخیالات کا اثر بڑی تیزی سے قبول کرتا ہے، بالخصوص دوستوں اور ہم نشینوں کا—— یہ بات مذہب وشریعت، عقل، تجربات ومشاہدات اور واقعات سے ثابت ہے۔

صحبت کا اثر

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان گم راہ لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی گم راہی کا

سبب ان کے دوست واحباب بنے تھے، جن کے دوزخی قرار دیے جانے کی وجہ بری صحبت تھی، چناں چہ قیامت کے روز وہ حسرت وافسوس کے ساتھ کہیں گے کہ کاش ہم اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرتے اور بری صحبت سے بچتے:

﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ ٱلظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَٰلَيْتَنِي ٱتَّخَذْتُ مَعَ ٱلرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾ يَٰوَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ ٱلذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَآءَنِي ... ﴾ [الفرقان: ۲۷ – ۲۹]

”اور جس دن ظالم انسان (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے گا اور کہے گا: کاش میں نے پیغمبر کی ہم راہی اختیار کرلی ہوتی۔ ہائے میری بربادی کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ میرے پاس نصیحت آچکی تھی؛ مگر اس (دوست) نے مجھے اس سے بھٹکا دیا...“۔ [سورۂ فرقان:۲۷-۲۹]

حدیث پاک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ، وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ: إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، أَوْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً. وَنَافِخُ الْكِيرِ: إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً». [متفق عليه]

”نیک ہم نشیں اور برے ہم نشیں کی مثال مشک بردار اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے، مشک والا یا تو تم کو ہدیے میں مشک دے دے گا یا تم اس سے خرید لوگے، ورنہ کم از کم تمھیں اس سے اچھی خوشبو آئے گی اور بھٹی دھونکنے والا یا تو (چنگاریوں سے) تمہارے کپڑے جلائے گا یا تمھیں (اس سے)

بدبو آئے گی"۔[متفق علیہ]

مذکورہ بالا حدیث پاک سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے، خواہ وہ اثر مثبت ہو یا منفی، جس کا تعلق ہم نشین کے خیر وشر اور صلاح وفساد سے ہے۔ چناں چہ اچھے ہم نشیں کو حضور ﷺ نے مشک والے سے تشبیہ دیا کہ اس کی خوبیوں سے فائدہ ضرور ہوگا اور برے ہم نشین کو بھٹی والے سے، کہ اس کے شر سے محفوظ رہنا نہایت مشکل ہے۔

کسی شخص کو اپنا ہم نشین بنانے یا دوستی کے لیے منتخب کرنے سے پہلے اس کے عقائد واعمال اور اخلاق واطوار کو پرکھ لینا چاہیے؛ کیوں کہ لوگ ہر طرح کے ہوتے ہیں، ان میں بعض وہ ہوتے ہیں جو خیر وبھلائی کی کنجی اور رشد وہدایت کا چراغ ہوتے ہیں، دوسرے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو شر وفساد کی کنجی، تباہی وبربادی اور ضلالت وگم راہی کے بدترین راہبر ہوتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ مِنَ النَّاسِ نَاسًا مَفَاتِيحَ لِلْخَيْرِ، مَغَالِيقَ لِلشَّرِّ، وَإِنَّ مِنَ النَّاسِ نَاسًا مَفَاتِيحَ لِلشَّرِّ مَغَالِيقَ لِلْخَيْرِ، فَطُوبَى لِمَنْ جَعَلَ اللهُ مَفَاتِيحَ الْخَيْرِ عَلَى يَدَيْهِ، وَوَيْلٌ لِمَنْ جَعَلَ اللهُ مَفَاتِيحَ الشَّرِّ عَلَى يَدَيْهِ». [سنن ابن ماجه]

"بلاشبہ لوگوں میں کچھ تو وہ ہیں جو بھلائی کی کنجی، برائی کے تالے ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو برائی کی کنجی، بھلائی کے تالے ہیں؛ لہٰذا خوش بختی ہے اس شخص کے لیے جس کے ہاتھوں میں اللہ خیر کی کنجی دے دے، اور بدبختی ہے اس شخص کے

لیے جس کے ہاتھوں میں برائی کی کنجی دے دے"۔[سنن ابن ماجہ]

صحبتِ صالح کے منافع

اہل خیر وصلاح کی صحبت اور نیکوکاروں کی ہم نشینی کے بہت سارے فوائد ومنافع ہیں، جن کا شمار مشکل ہے، تاہم ان میں سے چند اہم فوائد کا تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) صالحین کی مجالس میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہے اس کے مستحق وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں، اگرچہ یہ لوگ ان صالحین کے مرتبے ومقام سے کم تر ہوں؛ لیکن ان برکتوں اور رحمتوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ للهِ مَلاَئِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ " قَالَ: «فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا». [متفق عليه]

"اللہ تعالیٰ کے کچھ (مخصوص) فرشتے ہیں جو راستوں میں ذکر کرنے والوں کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں؛ لہٰذا جب چند لوگوں کو ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں: آجاؤ! (یہاں) تمھاری مراد ہے۔ فرمایا: پھر ان کو اپنے پروں سے آسمانِ دنیا تک ڈھانپ لیتے ہیں..."۔ [متفق علیہ]

آگے ارشاد ہے:

”ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے — حالاں کہ اسے سب کچھ معلوم ہے — میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں؟ فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ آپ کی پاکی اور بڑائی بیان کر رہے ہیں، آپ کی تعریف اور عظمت کے گن گا رہے ہیں... یہ لمبی حدیث ہے، اس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں تمھیں (فرشتوں کو) گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کر دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! ان میں فلاں شخص بھی ہے جو ان میں سے نہیں ہے؛ بل کہ وہ کسی دوسری غرض سے آیا ہے، تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں: «وَلَهُ قَدْ غَفَرْتُ، هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ» اس کی بھی مغفرت کر دی، یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشیں بھی محروم نہیں ہوتا“۔

(۲) انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے ہم نشیں کے علم و عمل اور طرزِ زندگی سے متأثر ہوتا ہے اور اس کی نقل کی کوشش کرتا ہے؛ بل کہ از خود اس کے طرز پہ چلنے لگتا ہے؛ لہٰذا اہل خیر وصلاح کی صحبت میں رہنے والا بھی ان کے طرز عمل کا اثر قبول کرتا ہے۔

ماہرین اصولِ تربیت کہتے ہیں کہ عملی نمونے کا اثر زیادہ بلیغ اور گہرا ہوتا ہے بہ نسبت زبانی تقریر و نصیحت کے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ».

[أحمد، أبو داؤد، والترمذی]

انسان اپنے دوست کے مذہب پر چلتا ہے؛ لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا

چاہیے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے"۔[احمد، ابوداؤد، وترمذی]

امام خطّابیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آپ اپنا دوست اس کو بنائیں جس کی دین داری اورامانت داری سے مطمئن ہوں؛ کیوں کہ اگر ایسے شخص سے دوستی کریں گے تو اس کی دیانت داری اور امانت داری آپ کی طرف بھی منتقل ہو گی۔

عدی ابن زید ایک شاعر ہیں، وہ کہتے ہیں:

عَنِ المَرْء لا تَسْأَلْ وسَلْ عَن قَرِينه
فكُلُّ قَرِين بالمُقارن يَقْتَدِي
إذَا كُنْتَ فِيْ قَوْمٍ فَصَاحِبْ خِيَارَهُمْ
وَلاَ تَصْحَبِ الْأَرْدَى فَتَرْدَى مَعَ الرَّدِي

(اگر کسی شخص کی اچھائی برائی معلوم کرنی ہو تو اس) آدمی کے بارے میں دریافت مت کرو؛ بل کہ اس کے دوست کے احوال معلوم کرلو؛ کیوں کہ ہر دوست اپنے دوست کی پیروی کرتا ہے۔ جب تمھیں کسی قوم کے ساتھ رہنا ہو تو ان میں سے اچھے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرو، اور گھٹیا شخص کی دوستی سے پرہیز کرو، ورنہ تم بھی اس کے ساتھ ساتھ گھٹیا بن جاؤ گے)۔

(۳) نیکوکار دوست کی دوستی اور صحبت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ آپ کے عیوب و نقائص پر آپ کو مطلع کرے گا، آپ کی کمی کوتاہی کو نہایت اخلاص اور رازدارانہ انداز میں آپ سے بتائے گا تاکہ اپنی اصلاح کر سکیں۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے

اس ایمان والے شخص کو جو اپنے بھائی کے عیوب کو پردہ داری کے ساتھ اس سے بیان کرتا ہے، آئینہ سے تشبیہ دیا ہے جو انسان کے ظاہری عیوب کو بتلاتا ہے۔ فرمایا:

«اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ». [رواه ابوداؤد وحسّنه العراقي وابن حجر]

''(ایک) ایمان والا (دوسرے) ایمان والے کے لیے آئینہ ہے''۔

[ابوداؤد شریف]

امام حسنؒ فرماتے ہیں: ''ایمان والا اپنے بھائی کے لیے آئینہ اس طرح ہے کہ اگر وہ اس میں عیوب یا نامناسب اخلاق و کردار دیکھتا ہے تو اس کی اصلاح و درستگی کرتا ہے، اور اس کو بتاتا بھی ہے، نیز خفیہ یا اعلانیہ ہر طرح اس کی حفاظت کرتا ہے یعنی پردہ پوشی کرتا ہے''۔

(۴) صالحین کی صحبت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کے اوقات کی حفاظت ہو جاتی ہے، وقت دراصل انسان کی عمر؛ بل کہ اس کی زندگی سے عبارت ہے۔ بے کار یا غیر ضروری یا نامناسب کاموں میں جو وقت ضائع ہو جایا کرتا ہے، وہ وقت صالحین کی صحبت کی وجہ سے اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال ہونے لگتا ہے۔ اہل خیر وصلاح حضرات اپنے ہم نشنوں کو ان کے واجبات اور سنن و مستحبات کی تعلیم دیتے ہیں، نیکی، خیر و بھلائی اور صلہ رحمی وغیرہ کے کاموں پر ابھارتے اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

(۵) صالحین کی صحبت کی وجہ سے بندہ ان مبارک ہستیوں میں شامل ہو جاتا ہے جنھیں قیامت کے روز کوئی خوف ہوگا نہ کوئی حزن و ملال۔ خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ٱلۡأَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذِۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ إِلَّا ٱلۡمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ يَٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ ٱلۡيَوۡمَ وَلَآ أَنتُمۡ تَحۡزَنُونَ ﴿٦٨﴾ ﴾

[الزخرف: ٦٧ - ٦٨]

"اس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقی لوگوں کے (جن سے کہا جائے گا) اے میرے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف طاری ہو گا نہ تم غمگین ہو گے"۔[الزخرف:٦٧ - ٦٨]

(٦) ایک فائدہ یہ ہے کہ صالح ہم نشیں اگر آپ سے زیادہ حسنِ عبادت اور ذوقِ نماز و تلاوت کا عادی ہے تو اس کی وجہ سے آپ کے اندر عجب اور غرور پیدا نہیں ہو گا؛ بل کہ اس کی وجہ سے اعمالِ صالحہ میں آگے بڑھنے اور اخلاق و کردار کو اعلیٰ کرنے کا داعیہ پیدا ہو گا۔ اس لیے حضرت عثمان بن حکیمؒ فرماتے ہیں:

"دوست اس کو بناؤ جو تم سے دین داری میں آگے اور دنیاداری میں پیچھے ہو یعنی تم سے کم مال والا ہو"۔

(٧) اہل اللہ اور صالحین کی صحبت سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے، اسی لیے حدیث پاک میں اولیائے کرام کی صفت یہ بیان کی گئی ہے:

«أَوْلِيَاءُ اللهِ الَّذِينَ إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللهُ». [ترمذی]

"اللہ کے ولی وہ لوگ ہیں کہ جب انھیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے"۔

[ترمذی]

محض انھیں دیکھنے سے یہ عظیم منفعت حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کی یاد آجاتی ہے تو

جو اُن کی صحبت اختیار کریں گے ان کے مقام کا کیا کہنا۔

(۸) نیکوکاروں کی صحبت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر آپ خوش حال ہیں تو وہ آپ کی زندگی میں انسیت و رونق افروزی کا سبب بنتے ہیں، اگر آپ خستہ حال ہیں یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تو آپ کے لیے بہترین ڈھال ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں:

"سچے وفادار مسلمان بھائیوں کی صحبت اختیار کرو، ان کے پہلوؤں میں وقت گزارو؛ کیوں کہ خوش حالی میں وہ باعث رونق وزینت اور بدحالی میں بہترین ڈھال ہیں"۔

(۹) اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوستی، ہم نشینی اور تعلقات پیدا کرنا اور اللہ ہی کے لیے ملاقات یا زیارت کرنا حقیقت میں ان بندوں سے اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوے سنا:

«قَالَ اللهُ تَعَالَى: وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِيَّ، وَالْمُتَجَالِسِينَ فِيَّ، وَالْمُتَزَاوِرِينَ فِيَّ، وَالْمُتَبَاذِلِينَ فِيَّ». [رواه مالك في الموطأ]

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان لوگوں کے لیے جو میری خاطر باہم محبت کرتے ہیں، میری خاطر باہم اٹھتے بیٹھتے ہیں، میری خاطر باہم ملاقاتیں کرتے ہیں اور میری خاطر ہی ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں، میری محبت واجب ہو گئی"۔

[موطأ امام مالک]

دوسری روایت میں ہے:

«وقَدْ حَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلَّذِينَ يَتَحَابُّونَ مِنْ أَجْلِي، وَقَدْ حَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلَّذِينَ يَتَزَاوَرُونَ مِنْ أَجْلِي، وَقَدْ حَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلَّذِينَ يَتَصَادقُونَ مِنْ أَجْلِي». [رواه أحمد بإسناد صحيح]

اس روایت کے معنی تقریباوہی ہیں جو اس سے پہلی روایت کے ہیں۔

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے دوسری بستی کی طرف نکلا، تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو بھیج دیا جو راستے میں اس کا انتظار کر رہا تھا، جب وہ شخص وہاں آیا تو فرشتے نے (جو بہ ظاہر انسانی شکل میں آیا تھا) دریافت کیا:

کہاں کا ارادہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے اسی سے ملاقات کا ارادہ ہے۔ فرشتے نے کہا: کیا کوئی چیز تمہاری اس کے پاس ہے جس کی حفاظت مقصود ہے؟ کہا کہ نہیں، میں صرف اس لیے اس سے ملاقات کو جارہا ہوں کہ مجھے اس سے اللہ کی خاطر محبت ہے۔ فرشتے نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا ہے یہ بتانے کے لیے کہ جس طرح اللہ کی خاطر تم نے اس سے محبت کی ہے، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرماتے ہیں"۔

(۱۰) قیامت کے روز جب عرش کے سایے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اس روز سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے، ان میں سے وہ دو شخص بھی ہوں گے جو صرف اللہ کے لیے

ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ان کا اٹھنا بیٹھنا سب اللہ ہی کے لیے ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک بشارت اور بھی ہے جو اچھی صحبت و محبت پر مرتب ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ آخرت میں انسان کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت تھی، لہٰذا صالحین کی صحبت و محبت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کی توفیق سے جنت میں صالحین کی معیت حاصل ہوگی۔ ارشاد نبوی ہے:

«اَلْـمَرْءُ مَع مَنْ أَحَبَّ». ''آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی''. [مسلم شریف]

* * *

۸/ ۸/ ۱۴۲۷ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

بری صحبت اور اس کے منفی اثرات

صحبت کا اثر ناگزیر

انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ وہ دوسروں کے اثرات بہت جلدی قبول کرلیتا ہے، یہاں تک کہ حیوانات کے اثرات بھی قبول کرلیتا ہے، جن جانوروں کے ساتھ اس کا زیادہ وقت گزرتا ہے، ان جانوروں کی صفات بھی اس کی طرف منتقل ہونے لگتی ہیں۔

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«الفَخْرُ، وَالخُيَلاَءُ فِي الفَدَّادِينَ أَهْلِ الوَبَرِ، وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الغَنَمِ...». [متفق عليه]

''اونٹ والوں میں فخر و گھمنڈ ہوتا ہے اور بکری والوں میں تواضع ہوتی ہے''۔[متفق علیہ]

جب جانوروں کی صحبت میں رہنے والے لوگ ان کی صحبت وصفات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تو انسانوں کی صحبت میں رہ کر ان کی اچھی یا بری صفات وعادات

سے متاثر ہوے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں۔ اسی لیے نیک، شائستہ، مہذب، خوش اخلاق اور متقی وپرہیز گار لوگوں کی صحبت، انسان کو ان کے ان اعلیٰ اوصاف میں ڈھال دیتی ہے، جب کہ برے، غیر مہذب، بداخلاق وبدکردار، بدزبان اور فاسق وفاجر لوگوں کی صحبت ان کے ان بدترین اوصاف کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

بری صحبت کے نتائج

برا ہم نشیں ہر اعتبار سے باعث مضرت ونقصان ثابت ہوتا ہے؛ بلکہ دنیا وآخرت میں نحوست وناکامی کا ذریعہ بنتا ہے۔ معاشرے کی اکثر برائیوں پہ جب آپ غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ ان کی بنیاد یہ بری صحبتیں ہیں، غلط دوست واحباب، بدزبان وبدکردار ہم نشیں ہیں۔

مشاہدات وتجربات بتاتے ہیں کہ بعض دفعہ والدین نہایت نیک وصالح ہوتے ہیں، گھر میں شائستہ زبان استعمال ہوتی ہے، اخلاق وکردار میں بھی اپنی نظیر آپ ہوتے ہیں، پھر بھی بچے بری عادتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ناشائستہ زبان استعمال کرنے لگتے ہیں، فرائض وواجبات میں کوتاہی کرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ نشہ آور اشیاء استعمال کرنے لگتے ہیں۔ آخر یہ ساری بری خصلتیں ان میں کیسے پیدا ہوتی ہیں؟ اس کی بنیادی وجہ بری صحبتیں ،بداطوار وبداخلاق وکردار دوست واحباب اور انسان نُما شیاطین ہوتے ہیں۔

غلط ہم نشینی کا حسرت ناک انجام

برے ہم نشینوں کا حملہ خود ان کی برائیوں کے معیار کے اعتبار سے ہوتا ہے،

جو جس قدر برائی، بد اخلاقی اور بد اعتقادی میں مبتلا ہوتا ہے اسی کے بقدر دوسروں پر اثر انداز ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض مرتبہ ان کا اٹیک براہِ راست عقیدے پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کا ہم نشیں ایمان سے محروم ہو جاتا ہے یا ایمان کی عظیم دولت سے بہرہ مند نہیں ہو پاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس پہلے سے ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی امیّہ بیٹھے ہوے ہیں۔ حضور ﷺ نے چچا سے فرمایا: ''چچا جان! لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے، میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس کلمہ کو آپ کی بخشش کے لیے دلیل کے طور پر پیش کر دوں گا'' یہ سن کر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیّہ ابو طالب سے کہنے لگے: کیا تم اپنے باپ عبد المطلب کے دین سے پھرنا چاہتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ بار بار اس کلمے کی تلقین فرماتے رہے اور دوسری طرف یہ بدترین ہم نشیں ان کو ورغلاتے رہے، بالآخر ابو طالب نے یہ کہا کہ ''میں عبد المطلب کے دین وملت پر قائم ہوں'' افسوس کہ اس بری صحبت کی وجہ سے لا اِلٰہ الا اللہ نہیں کہہ سکے اور کفر پہ ان کی موت واقع ہوئی۔ [متفق علیہ]

صحبتِ بد کے اثرات اور نقصانات

(۱) برا ہم نشیں عام طور پر اپنے ہم نشیں کے عیوب ونقائص کو چھپاتا ہے؛ بل کہ حقیقت یہ ہے کہ جب فسق وفجور کی عادت پڑ جاتی ہے تو برائی کا احساس بھی یا تو کم ہو جاتا ہے یا بالکل ختم ہو جاتا ہے اور اگر بالفرض احساس بھی ہو تو اپنے ہم نشینوں سے

اس کا ذکر نہیں کرتا؛ بل کہ اسے خوب صورت شکل میں پیش کرتا ہے۔

(۲) بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ برا ہم نشیں دوسرے نفس پرست، بداخلاق اور بدکردار لوگوں سے وابستگی کا ذریعہ بن جاتا ہے جو خود اس سے بھی زیادہ مضرت رساں اور دیناوآخرت میں اس کے لیے باعث خسارہ ہوتے ہیں۔

(۳) بری صحبت کا ایک بدترین نقصان یہ ہے کہ عام طور پر ان کی مجلسوں میں غیبت، چغل خوری، جھوٹ، لعن وطعن اور بے حیائی کی باتیں ہوتی ہیں؛ لہٰذا ان کا ہم نشیں یا تو ان کی ہاں میں ہاں ملائے گا یا نکیر کرے گا؛ لیکن نکیر کے باوجود اگر وہ باز نہ آئیں اور یہ ان سے وابستہ رہا تو گناہ میں شریک ہوگا۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی واضح ہدایات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِىٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ ٱلشَّيْطَٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ ٱلذِّكْرَىٰ مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٦٨﴾ ﴾ [الأنعام: ٦٨]

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوے ہیں تو ان سے اس وقت تک کے لیے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں، اور اگر شیطان تمھیں یہ بات بھلادے تو یاد آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو"۔[سورۂ انعام:۶۸]

(۴) بروں کی دوستی اور تعلق میں دوام نہیں ہوتا، یہ شاخ نازک پہ آشیانہ ہوتا ہے، ذرا سا اختلاف ہوا، یا دنیوی اور نفسانی غرض میں کوئی خلل آیا کہ فوراً دوستی، دشمنی میں بدل جاتی ہے۔ عبد اللہ ابن المُعتز کہتے ہیں:

''برے دوست، مصیبت کے وقت منہ موڑ لیتے ہیں اور راحت وخوش حالی کے وقت ساتھ دیتے ہیں''۔

پرانی مثل ہے:

«مَنْ وَدَّكَ لِأَمْرٍ وَلّى مَع اِنْقِضَائِهِ» یعنی جو شخص کسی غرض کے لیے تم سے دوستی کرتا ہے وہ اپنی غرض پوری ہونے کے بعد بچھڑ جاتا ہے''۔

ابن حبانؒ فرماتے ہیں:

''عقل مند انسان کبھی بھی بدکردار لوگوں سے دوستی نہیں کرتا؛ کیوں کہ بدکردار کی دوستی دراصل آگ کے شعلے کے مانند ہے، اس کے نتیجے میں کینہ وحسد جیسی بیماریاں جنم لیتی ہیں، نہ اس کی محبت میں استقامت ہوتی ہے نہ ہی اس میں وفاداری ہوتی ہے''۔

اگر بالفرض یہ بری صحبت برقرار بھی رہی، اس میں وفاداری بھی رہی اور زندگی کے آخری دنوں تک اس کا تسلسل قائم رہا تو اس کا کیا فائدہ؟ آخرت میں یہی دوستی، دشمنی میں بدل جائے گی؛ کیوں کہ اس کی بنیاد غلط تھی، گناہ اور سرکشی پر باہمی تعاون ہوتا رہا جس کا نتیجہ آخرت کی تباہی وبربادی ہے۔

﴿ ٱلْأَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا ٱلْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ ﴾ [الزخرف: ٦٧]

''اس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے متقی لوگوں کے''۔ [الزخرف:٦٧]

(۵) بری صحبت کا ایک برا اثر یہ ہے کہ یہ صحبت اور ہم نشینی قیامت کے روز

حسرت وندامت کا باعث بنے گی، کیوں کہ عام طور پر ان کی مجلسیں ذکر اللہ سے خالی ہوتی ہیں؛ بل کہ ذکر اللہ تو درکنار، وہاں فسق وفجور اور معصیت کے تذکرے ہوتے رہتے ہیں، اور ایسی مجلس جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو اس کے بارے میں حدیث پاک میں وارد ہے:

«مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُومُونَ مِنْ مَجْلِسٍ لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ تَعَالى فِيهِ، إِلَّا قَامُوا عَنْ مِثْلِ جِيفَةِ حِمَارٍ، وَكَانَ ذَلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [رواه أبوداؤد]

"جب کچھ لوگ ایسی مجلس سے اٹھتے ہیں جس میں انھوں نے اللہ کا ذکر نہ کیا ہو تو وہ گویا کہ مردار گدہے کے پاس سے اٹھتے ہیں، اور وہ مجلس قیامت کے روز ان کے لیے حسرت وندامت کا سبب ہوگی". [ابوداؤد شریف]

دوستی کس سے کریں؟

چوں کہ دوسروں کے ساتھ میل جول رکھنا اور صالح معاشرے کا حصہ دار بننا اور اس میں اپنا اچھا کردار ادا کرنا ہر انسان سے شرعاً مطلوب ہے، نیز کسی انسان کا ہر ایک سے کٹ کر، بالکل تنہائی اور خلوت کی زندگی گزارنا نہ صرف مشکل ہے؛ بل کہ شریعت کی نظر میں یہ وہ رہبانیت ہے جو ناپسندیدہ ہے، اس لیے اس باب میں واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ».

[رواه أحمد والترمذي]

''صرف ایمان والے سے دوستی کرو اور تمھارا کھانا (حتی الامکان) صرف متقی شخص ہی کھائے''۔[مسند احمد، ترمذی شریف]

حضرت لقمان حکیمؒ نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی: ''بیٹے! اللہ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی صالح شخص کو اپنا دوست بنالو''۔

حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں:

''لایعنی امور میں زبان نہ کھولو، اپنے دشمن سے دور رہو، دوست اگر امانت دار نہ ہو تو پھر بچ کے رہو، اور امانت دار وہی ہے جس کے دل میں اللہ کی خشیت ہو اور اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہو۔ فاجر شخص سے دوستی نہ کرنا؛ کیوں کہ وہ تمھیں فسق وفجور ہی کی تعلیم دے گا، اپنے راز پر اسے قطعا مطلع نہ کرنا۔ ہاں اپنے معاملات میں مشورہ صرف ان سے کرنا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں''۔

حضرت عمرؓ کا یہ بھی فرمان ہے:

''اسلام لانے کے بعد کسی بندے کے لیے اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں کہ اسے ایک صالح بھائی اور دوست نصیب ہو جائے''۔[قوت القلوب]

اما غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

«جَالِسُوْا مَنْ تُذَكِّرُكُمُ اللهَ رُؤْيَتُه، وَمَنْ يَزِيْدُ فِيْ عَمَلِكُمْ كَلامُه، وَيُرَغِّبُكُمْ فِي الْآخِرَةِ عَمَلُه».

''ہم نشینی ان کی اختیار کرو جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد آجائے، اور جن کی بات سن کر عمل میں اضافہ ہو اور جن کے عمل سے آخرت کی رغبت پیدا ہو''۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں زمین کے اوپر رہنے سے زیادہ اس کے نیچے رہنے کو پسند کرتا: میرے ایسے بھائی اور دوست نہ ہوتے جو عمدہ باتیں اس طرح منتخب کرکے اور چن چن کر لاتے ہیں جس طرح عمدہ کھجوریں چنی جاتی ہیں، سجدے کی حالت میں اپنے چہرے کو اللہ کی رضا کے لیے مٹی پر نہ رگڑتا، اور صبح یا شام اللہ کے راستے میں جہاد نہ کرتا" (یعنی اگر یہ تین باتیں نہ ہوتیں تو زندگی سے زیادہ موت کو پسند کرتا)۔

حضرت محمد بن واسعؒ سے کہا گیا کہ اس دنیا میں کون سا عمل زیادہ افضل ہے؟ تو فرمایا:

"(نیک) دوستوں کی صحبت اور صالح بھائیوں سے ہم کلامی بشرطے کہ تقویٰ اور خیر و بھلائی کی بنیاد پر یہ دوستی اور بھائی چارہ قائم ہو...."۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جو اللہ کو صبح وشام پکارتے اور یاد کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اطاعت و صحبت سے بچنے کا حکم دیا ہے جو غافل اور نفس پرست ہیں:

﴿وَٱصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ رَبَّهُم بِٱلۡغَدَوٰةِ وَٱلۡعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجۡهَهُۥۖ وَلَا تَعۡدُ عَيۡنَاكَ عَنۡهُمۡ تُرِيدُ زِينَةَ ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَاۖ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ أَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهُۥ عَن ذِكۡرِنَا وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ وَكَانَ أَمۡرُهُۥ فُرُطٗا ٢٨﴾ [الكهف: ٢٨]

"اور اپنے آپ کو استقامت کے ساتھ ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ اس کی خوش نودی کے طلب گار

ہیں، اور تمھاری آنکھیں دنیوی زندگی کی خوب صورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔ اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے"۔ [سورۂ کہف:۲۸]

کچھ نئے ہم نشیں

ہم نشینوں کی فہرست میں کتاب، میگزین، اخبارات اور ٹیلی ویژن بھی شامل ہیں، ان کی اچھائی اور برائی کا اثر بھی انسان قبول کرتا ہے۔

موجودہ دور میں سب سے زیادہ جس کی صحبت میں انسانوں کا وقت گزر رہا ہے وہ انٹرنٹ اور اس کے ذریعہ استعمال کیے جانے والے مختلف قسم کے آلات اور مواقع ہیں؛ بلکہ صورتِ حال یہ ہے کہ اس وقت براہِ راست انسانوں کی صحبت سے زیادہ اس نوپید ٹکنالوجی کی صحبت میں انسان اپنا وقت گزارتا ہے۔ اس کے اندر بھی شر اور خیر دونوں پہلو موجود ہیں، جو لوگ اس کے خیر سے مستفید ہونا چاہیں وہ بہت کچھ حاصل کرسکتے ہیں، دینی اور دنیوی دونوں طرح کی ترقیات کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ سکتے ہیں، اسی طرح جو اس کے شرور وفتن میں پھنس جائیں گے وہ بھی انحطاط وتنزل کی بدترین اور تباہ کن کھائی میں گرسکتے ہیں۔

اس سلسلے میں نہایت ضروری امر یہ ہے کہ ہم خود اپنے دلوں میں اور اپنی اولاد کے دلوں میں خوف خدا پیدا کریں، اللہ کا دھیان، اسکی عظمت کا تصور، آخرت کی فکر اور حساب وکتاب کو یاد کریں، کیوں کہ یہاں کیے گئے تمام اعمال کا حساب ہوگا،

ان اعضاو جوارح کے سلسلے میں بھی سوال ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡبَصَرَ وَٱلۡفُؤَادَ كُلُّ أُوْلَٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔولٗا ﴿٣٦﴾ ﴾ [الإسراء: ٣٦]

"یقین رکھو کہ کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں تم سے سوال ہو گا"۔

[سورۃ الإسراء:۳۶]

تنہائیوں میں کیے گئے گناہوں کی وجہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسری نیکیاں ضائع ہو جائیں، تنہائی میں گناہ پر جرأت کا مطلب ہے کہ خوف خدا اور فکر آخرت میں کمی ہے، ورنہ جسے اللہ کا خوف دامن گیر ہو اور آخرت کی فکر اس پر سوار ہو وہ کسی حال میں گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَأَعْلَمَنَّ أَقْوَامًا مِنْ أُمَّتِي، يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ أَمْثَالِ جِبَالِ تِهَامَةَ بِيضًا، فَيَجْعَلُهَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ هَبَاءً مَنْثُورًا».

[سنن ابن ماجه]

"میں اپنی امت کے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے روز تہامہ کے پہاڑوں کے مانند نیکیاں لے کر آئیں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ انھیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار (کی طرح بے قدر و قیمت) بنادیں گے"۔ [سنن ابن ماجہ]

حدیث کے راوی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ ان کی صفات بیان فرمادیں، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں معلوم نہ ہو اور ہم بھی ان میں شامل ہو جائیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ تمھارے ہی بھائی اور تم ہی میں سے ہوں گے اور تمھاری طرح رات میں عبادات بھی کریں گے؛ لیکن ایسے لوگ ہوں گے کہ جب تنہائی میں حرام کاری پر قادر ہوں گے تو ان کی حرمت پامال کر بیٹھیں گے یعنی ان گناہوں کا ارتکاب کریں گے"۔

آج کل اس حدیث کو سمجھنا پہلے سے زیادہ آسان ہے، فرضی ناموں کے ذریعہ؛ بلکہ خود اپنے ناموں سے نامحرم عورتوں سے رابطہ کرنا، ان سے بے حیائی کی باتیں کرنا، اخلاق سوز حرکتیں کرنا، اسی طرح صنفی تعلقات کے عریاں مناظر دیکھنا اور اپنی شہوت کی آگ کو تسکین دینا ایک عام مشغلہ بن گیا ہے، حالاں کہ تسکین کے بہ جائے بے چینی، اضطراب اور نفسیاتی امراض اس کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں، جیسا کہ متعدد پریشان لوگوں نے اپنے احوال بیان کیے اور توبہ کرکے تقویٰ شعاری، پاکبازی اور سکون واطمینان کی زندگی گزارنے لگے۔

جو وقت ان بری صحبتوں اور بری عادتوں میں گزرتا ہے وہ دراصل انسان کی عمر ہے جو تیزی سے گزر رہی ہے، یہ وقت اور یہ عمر قیمتی سرمایہ ہے، عقل مند آدمی اپنا قیمتی سرمایہ ضائع نہیں کرتا؛ بل کہ نفع بخش تجارت میں لگاتا ہے، ہم اپنا یہ سرمایہ ایسے کاموں میں لگائیں جن کا نفع دنیا میں بھی ہو اور ہمیشہ کی آخرت میں بھی۔ بالخصوص آخرت جو دائمی ہے اور وہاں کی راحت بھی دائمی اور مصیبت بھی دائمی ہے، اس کے لیے اپنی عمر عزیز کے سرمایہ کو خرچ کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوش نودی حاصل کریں تاکہ وہاں کی سرخ روئی اور ابدی راحت ونعمت میسر آئے۔

* * *

۱۴۳۵/۱۲/۲۳ھ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

خاموش واعظ

اس دنیا میں دو نہایت فصیح و بلیغ ناصح ہیں: ایک ناطق، جس کے الفاظ و حروف ہیں جسے ہم پڑھتے اور سنتے ہیں، دوسرا خاموش اور صامت، جس کے نہ الفاظ ہیں نہ حروف، بالکل خاموش ہے؛ لیکن خاموشی کے باوجود وہ ہزاروں شعلہ بار تقریروں اور گوہر بار تحریروں سے زیادہ مؤثر اور رقت انگیز ناصح و واعظ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پند و نصیحت کا محتاج ہے؛ کیوں کہ اس دنیا کے پر فریب زیب و زینت کی وجہ سے انسان کا دل سخت ہو جاتا ہے، عقل ماؤف اور غفلت کا شکار ہو جاتی ہے، نفس برائیوں پر ابھارتا ہے اور شیطان رشد و ہدایت کے نور سے ہٹا کر ضلالت و گم راہی کی تاریکی کی طرف لے جاتا ہے؛ اس لیے وقتاً فوقتاً وعظ و نصیحت کے ذریعہ اس دل کی اصلاح اور نفس کے تزکیے کی ضرورت ہوتی ہے۔

دو فصیح و بلیغ واعظ

رسول کریم ﷺ نے ہمارے لیے جو دو واعظ چھوڑے ہیں، ان میں سے ایک قرآن کریم ہے جو ناطق ہے، دوسرا واعظ موت ہے جو صامت (خاموش) ہے۔

قرآنِ کریم کی مقدس آیات صبح وشام اور رات و دن ہمیں بیدار کرتی رہتی ہیں، اللہ کا خوف اور آخرت کی یاد دلاتی رہتی ہیں، سخت دلوں کو موم کرتی ہیں اور غفلت میں پڑے ہوے لوگوں کو پکار پکار کر بیدار کرتی ہیں، ان آیات سے ایمان والوں کے ایمان کو تقویت اور تازگی ملتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَذَكِّرْ بِٱلْقُرْءَانِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ﴿٤٥﴾ ﴾ [ق: ٤٥]

''لہٰذا قرآن کے ذریعہ ہر اس شخص کو نصیحت کرتے رہو جو میری وعید سے ڈرتا ہو''۔[سورۂ ق:۴۵]

یہی حال موت کا بھی ہے، صبح وشام ہمیں اپنی آخری منزل کی یاد دہانی کراتی رہتی ہے، نہایت خاموشی کے ساتھ ہمارے دلوں کو جھنجھوڑتی رہتی ہے، تاہم دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، اس کی راحت وآسایش اور زیب وزینت کی وجہ سے بعض لوگ اس قدر اس کے دیوانے ہوچکے ہیں کہ اس کی وجہ سے قتل وغارت گری، جھوٹ، دھوکہ، خیانت حسد، عداوت اور ظلم وستم سے باز نہیں آتے، ایسا لگتا ہے کہ موت سے انھوں نے سمجھوتہ کرلیا ہے، جو ان کے قریب نہیں آسکتی، نہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں نہ نصیحت۔ حالاں کہ سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

«كَفَى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا» [أخرجه الطبراني في مجمع الزوائد]

''وعظ ونصیحت کے لیے موت ہی کافی ہے''۔[طبرانی]

اس سے بڑا وعظ اور کیا ہوگا کہ آپ ایک شخص کو بہترین شکل وصورت کے ساتھ چلتا پھرتا دیکھتے ہیں، زندہ جسم، کھِلتا ہوا چہرہ، فصیح زبان، دنیاوی زندگی کا دل دادہ، اس کی تگ ودَو میں مست؛ لیکن اچانک یہ روشن اور درخشاں چہرہ مرجھا جاتا ہے، یہ

زندہ جسم، سرد پڑ جاتا ہے، یہ فصیح زبان گنگ ہو جاتی ہے اور سب کی آنکھوں میں بسا ہوا شخص ان کی نگاہوں سے روپوش ہو کر منوں مٹی کے نیچے چلا جاتا ہے۔

ناقابلِ انکار حقیقت

یہ وہ حقیقت ہے جس میں نہ کوئی شک وشبہہ ہے نہ ہی وہ پوشیدہ ہے، حاضر بھی ہے اور غائب بھی، ہر روز لوگ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں؛ لیکن نہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں نہ اس کے تذکرے کو پسند کرتے ہیں؛ بل کہ ان خطبا و مقررین کو ناپسند کرتے ہیں جو انھیں موت کی یاد دلاتے اور اس کی تیاری کی تلقین کرتے ہیں۔

﴿ قُلۡ إِنَّ ٱلۡمَوۡتَ ٱلَّذِي تَفِرُّونَ مِنۡهُ فَإِنَّهُۥ مُلَٰقِيكُمۡۖ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَٰلِمِ ٱلۡغَيۡبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ ٨ ﴾

[الجمعة: ٨]

ان کو بتادو کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو، وہ یقیناً تم سے دوچار ہو کے رہے گی، پھر تم غائب و حاضر کے جاننے والے کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے، پس وہ تم کو ان سارے اعمال سے آگاہ کرے گا جو تم کرتے رہے ہو"۔ [سورۂ جمعہ: ۸]

اگر ہر شخص صرف ان لوگوں کو یاد کرلے، جنھیں وہ رخصت کر چکا ہے اس دارِ فانی سے تو عبرت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے، مثال کے طور پر اپنے اعزہ واقارب، دوست واحباب، رفقاء اور ہم سایے جو ہمیشہ کے لیے اس دنیا کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

"ہر شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ (مزے کے ساتھ) صبح کے وقت

زندگی کے خوب صورت لمحات گزار رہا ہوتا ہے، حالاں کہ اسے پتہ نہیں کہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے"۔

پلک جھپکنے سے بھی زیادہ قریب ہے، یہ ایک باریک سا دھاگہ ہے جو زندگی اور موت کے درمیان حائل ہے، کسی وقت بھی دل کی دھڑکن بند ہوسکتی ہے، دماغ اپنا کام چھوڑ سکتا ہے، عین ممکن ہے کہ یہ سانس جو اندر گئی ہے دوبارہ باہر نہ نکل سکے، پھر یہ جسم ایک بے جان لاش بن جائے گا۔

حُكْمُ الْمَنِيَّةِ فِي الْبَرِيَّةِ جَارِي مَا هَذِهِ الدُّنْيَا بِدَارِ قَرَارِ

"یعنی اس کائنات میں موت اپنا فیصلہ ضرور کرتی ہے، در اصل یہ دنیا، ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے ہی نہیں۔

اس ناقابل انکار حقیقت اور اس عظیم ناصح وواعظ سے کس قدر لوگ غافل ہیں۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے وصیت فرمائی:

«أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ يَعْنِي الْمَوْتَ». [الترمذی]

"لذتوں کو توڑنے والی (یعنی موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو"۔[ترمذی]

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا:

« يَا مُحَمَّدُ عِشْ مَا شِئْت، فَإِنَّك مَيِّتٌ، وَاعْمَلْ مَا شِئْت فَإِنَّك مَجْزِيٌّ بِهِ، وَأَحْبِبْ مَنْ شِئْت فَإِنَّك مُفَارِقُهُ.

[رواه أبونعيم والحاكم، وصحح إسناده، وحسّنه العراقي]

"اے محمد (ﷺ) جتنے روز یہاں زندگی گزارنی ہے گزار لیں، آخر کار آپ کو مرنا ہے، جو چاہیں کریں، بالآخر ہر ایک عمل کا بدلہ ملنا ہے، اور جس سے چاہیں محبت کریں، آخر کار اس سے جدا ہونا ہے"۔[حاکم]

امام ابن کثیرؒ نے "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھا ہے کہ بادشاہ ہارون رشید نے جب اپنا محل تیار کر کے اسے مزین کر لیا تو ابو العتاہیہ شاعر سے کہا کہ ہماری موجودہ صورت حال کی اشعار میں منظر کشی کرو، تو ابو العتاہیہ نے کہا:

عِشْ مَا بَدَا لَكَ سَالِمًا ... فِي ظِلِّ شَاهِقَةِ الْقُصُورِ

يُسْعَى إِلَيْكَ بِمَا اشْتَهَيْتَ ... لَدَى الرَّوَاحِ إِلَى الْبُكُورِ

فَإِذَا النُّفُوسُ تَقَعْقَعَتْ ... عَنْ ضِيقِ حَشْرَجَةِ الصُّدُورِ

فَهُنَاكَ تَعْلَمُ مُوقِنًا ... مَا كُنْتَ إِلا فِي غُرُورِ

"بلند و بالا محلات کے سایے تلے جیسے چاہو بعافیت زندگی بسر کر لو، یہاں شام سے صبح تک جو خواہش ہو گی تمھاری وہ پوری ہو گی۔ جب سانس اٹکنے کی وجہ سے غرغرہ کی حالت میں پہنچ جاؤ گے تو اس وقت یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ تم تو محض دھوکے میں پڑے ہوے تھے"۔

جب ہارون رشید نے یہ سنا تو زار و قطار رونے لگا اور اس شاعر کا شکریہ بھی ادا کیا۔

زمین کی انوکھی رجسٹری

ایک صاحب نے نہایت خوب صورت اور دیدہ زیب مکان خریدا، اس کی

رجسٹری کا پیپر تیار کرنے کے لیے ایک با عمل صالح عالم کے پاس پہنچے، انھوں نے سوچا کہ اس کو نصیحت کی ضرورت ہے (غالبا خود نمائی اور کبر وغرور کا اندازہ لگایا ہو گا) تو کاغذ پہ لکھا:

''امابعد: غافلین کے شہر میں، گنہ گاروں کی گلی میں ایک مرنے والے نے دوسرے مرنے والے سے ایک مکان خریدا، اس کی چار حدیں ہیں یعنی اس کی چوحدی یہ ہے: پہلی موت تک جاتی ہے، دوسری قبر تک، تیسری حساب وکتاب تک اور چوتھی یا تو جنت یا پھر دوزخ تک''۔

موت سے کوئی جاندار بچ نہیں سکتا، ہر ایک کی منزل موت ہے۔

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ ٱلْمَوْتِ ﴾ [العنکبوت: ۵۷]

''ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے''۔[سورۂ عنکبوت:۵۷]

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو ٱلْجَلَٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ ﴾ [الرحمن: ٢٦ – ٢٧]

''روئے زمین پر جو بھی ہیں سب فانی ہیں، اور تیرے رب کی عظمت وعزت والی ذات باقی رہنے والی ہے''۔[سورۂ رحمن:۲۶-۲۷]

کہاں ہیں شہنشاہانِ جہاں؟ کہاں گئے خلفاء، بڑے بڑے حکمراں بے حد وحساب دولتوں کے مالکان، ناقابل تسخیر فوجوں اور لشکروں کے ذمہ داران؟ سارے کے سارے مر گئے، کسی کے ملک، مال، جاہ وجلال اور جمال وکمال نے کوئی فائدہ نہ دیا، کسی کی دولت اور سرمایے کی ریل پیل نے موت کے چنگل سے نہیں بچایا۔

جب خلیفہ عبد الملک بن مروان مرض موت میں بستر پر پڑے ہوے تھے تو

ایک صاحب نے ان سے دریافت کیا: كَيْفَ تَجِدُكَ؟ یعنی آپ خود کو کیا محسوس کر رہے ہیں، تو کہا کہ بالکل ویسا ہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾ ﴾ [الأنعام: ٩٤]

”اور بالآخر تم آئے ہمارے پاس اکیلے اکیلے، جیسا کہ ہم نے تم کو اول بار پیدا کیا، اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا، سب کچھ تم نے پیچھے چھوڑا، اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے، جن کے بارے میں تمھارا گمان تھا کہ وہ تمھارے معاملے میں ہمارے شریک ہیں، تمھارا رشتہ بالکل ٹوٹ گیا، اور جو چیزیں تم گمان کیے بیٹھے تھے وہ سب ہوا ہو گئیں“۔[سورۃ الانعام:۹۴]

میرا مال میرے کام نہ آیا

ہارون رشید بادشاہ نے موت سے قبل اپنے کفن کے لیے کپڑے خود ہی منتخب کر کے رکھ لیے تھے اور جب بستر مرگ پر تھے تو کہنے لگے:

﴿ مَآ أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾ ﴾

[الحاقة: ٢٨ – ٢٩]

”میرا مال میرے کام نہ آیا، میرا سارا زور مجھ سے جاتا رہا“۔

[سورۃ الحاقۃ:۲۸-۲۹]

ان کے صاحبزادے مامون رشید آخری وقت میں زمین پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہے تھے:

«یَا مَنْ لَا یَزُوْلُ مُلْکُه اِرْحَمْ مَنْ قَدْ زَالَ مُلْکُهٗ».

''اے وہ ذات کہ جس کی حکمرانی کبھی ختم نہ ہوگی، اس شخص پہ رحم فرما جس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا''۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
ہوے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھاگئی آسماں کیسے کیسے

کسی کا مال باقی رہا نہ کسی کی حکومت باقی رہی، یہاں کی ساری ناز و نعمت ختم ہونے والی ہے، موت کا پیالہ ہر ایک کو پینا ہے، خواہ وہ دنیادار ہو یا دین دار، بادشاہ اور شہزادے ہوں یا فقراء و مساکین، موت کی زد سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

حضرت حسن بصریؒ کی نصیحت

حضرت امام حسن بصریؒ سن رسیدہ لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے: ''بزرگو! جب کھیتی پک جاتی ہے تو اس کے بعد صرف ایک کام باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے کٹائی''۔ جب جوانوں کو دیکھتے تو فرماتے: ''نوجوانو! کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کھیتی کے پکنے سے پہلے آفت سماوی یا دیگر آفتیں اسے تباہ کر دیتی ہیں''۔

یہ وہ حقیقت ہے جس میں کسی طرح کا شک وشبہہ نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی حقیقت کو بیان کرکے آخرت کی رغبت دلاتے ہوئے یوں فرمایا:

﴿ قُلۡ مَتَٰعُ ٱلدُّنۡيَا قَلِيلٞ وَٱلۡأٓخِرَةُ خَيۡرٞ لِّمَنِ ٱتَّقَىٰ وَلَا تُظۡلَمُونَ فَتِيلًا ۝٧٧ أَيۡنَمَا تَكُونُواْ يُدۡرِككُّمُ ٱلۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنتُمۡ فِي بُرُوجٖ مُّشَيَّدَةٖۗ ﴾ [النساء: ٧٧ - ٧٨]

”کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا سا ہے، اور جو شخص تقوی اختیار کرے اس کے لیے آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے، اور تم پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ تم جہاں بھی ہوگے (ایک نہ ایک دن) موت تمھیں جا پکڑے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ رہ رہے ہو“۔ [سورۃ النساء:۷۷ - ۷۸]

جب موت کا وقت آجائے گا تو نہ مضبوط قلعے بچاسکتے ہیں، نہ پہاڑوں کی پناہ، نہ سمندر کی تہیں، نہ ہی کسی قسم کی دوائیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوسپٹل میں ایڈمٹ کردیے جائیں ماہر ترین اطبا اور ڈاکٹر اپنی ساری صلاحیتیں صرف کردیں؛ لیکن خدائی فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکے گا۔

﴿ وَلَن يُؤَخِّرَ ٱللَّهُ نَفۡسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَاۚ وَٱللَّهُ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ ۝١١ ﴾ [المنافقون: ١١]

”اور جب کسی شخص کا معین وقت آجائے گا تو اللہ اسے ہرگز مہلت نہیں دے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے“۔ [المنافقون:۱۱]

عقل مند انسان

رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند اور باعزیمت شخص کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:

«أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ، وَأَكْثَرُهُمْ اسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ، أُولَئِكَ هُمُ الْأَكْيَاسُ، ذَهَبُوا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ».

[رواه الطبراني في الصغير بإسناد حسن]

"موت کو کثرت سے یاد کرنے والے اور زیادہ موت کی تیاری کرنے والے، یہی وہ عقل مند ترین لوگ ہیں جو دنیا کی عزت اور آخرت کی تکریم سے بہرہ مند ہوے"۔[طبرانی]

یہ لوگ عقل مند اس لیے قرار دیے گئے کہ انھوں نے دنیا کی حقیقت کو سمجھا کہ یہ دراصل گذرگاہ ہے، مسافر خانہ ہے، اصل زندگی جو ہمیشہ کی ہوگی وہ آخرت کی ہوگی؛ لہٰذا اصل کو سامنے رکھتے ہوے اس کی تیاری کرنے والے بلاشبہ عقل مند کہلائیں گے؛ اسی لیے ایک دوسری روایت میں حضور ﷺ کا فرمان ہے:

«الكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ المَوْتِ، وَالعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ». [رواه أحمد والترمذي]

"سمجھ دار انسان وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کے لیے عمل (اور تیاری) کرے۔ اور عاجز (اور احمق) انسان وہ ہے جو نفسانی خواہشات

کے پیچھے پڑا رہے اور اللہ تعالیٰ پر امیدیں باندھتا رہے"۔[مسند احمد، ترمذی]

لہٰذا قبل اس کے کہ موت ہمیں آدبوچے، اس کی تیاری کرنی چاہیے، ان خوش نصیب عقل مندوں میں شامل ہونا چاہیے جو موت کو کثرت سے یاد کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اس سے غافل ہو جائیں او توشۂ سفر کے بغیر ہی سفر کا وقت آجائے۔

توشۂ سفر

سلف صالحین اپنی تمام تر عبادات اور مجاہدات کے باوجود زاد سفر کی کمی پر روتے تھے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ بے مثال بہادر، عظیم مجاہد، خلیفۂ رابع اور حضور ﷺ کے تربیت یافتہ اور آپ کے داماد ہیں؛ لیکن ان کا حال یہ تھا کہ ایک روز ان کی خدمت میں ایک صحابی پہنچے تو دیکھا کہ رو رہے ہیں، دنیا کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں:

"او دنیا! دور ہو جا، میرے سوا کسی اور کو ورغلانا، میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں جن کے بعد رجوع کرنے کی گنجائش نہیں ہے، تیری عمر مختصر، تیری زندگی حقیر ہے، تیرا متاع قلیل ہے؛ آہ! توشۂ سفر بہت تھوڑا ہے اور سفر لمبا ہے اور راستہ نامانوس ہے"۔

یہ شیر خدا، توشے کی کمی، راستے کی وحشت اور سفر کی لمبائی پر رو رہے ہیں، آخر ہم نے اپنے لیے کون سا توشہ تیار کر رکھا ہے؟

تَـزَوَّدْ لِلَّذِيْ لاَ بُدَّ مِنْه فإِنَّ المَوْتَ مِيْقَاتُ الْعِبَادِ

"اس سفر کے لیے توشہ تیار کر لو جس سے مَفر نہیں؛ کیونکہ موت بندگانِ

خدا کی میقات ہے"۔

﴿ وَتَزَوَّدُوا۟ فَإِنَّ خَيْرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقْوَىٰ ۚ وَٱتَّقُونِ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٩٧﴾ ﴾ [البقرة: ۱۹۷]

"اور زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو؛ کیونکہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے"۔

[سورۂ البقرہ: ۱۹۷]

اگر زادِ راہ ساتھ ہو تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری آسان ہوگی، سفر کی صعوبت سے بھی حفاظت ہوگی، اس خوش قسمت مسافر کا اکرام ہوگا، اور وہاں کا اکرام، وہاں کی کامیابی ہی حقیقی کامیابی ہے، یہ دنیا تو دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ ٱلْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدْخِلَ ٱلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا مَتَٰعُ ٱلْغُرُورِ ﴿١٨٥﴾ ﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

"ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو تمھارے اعمال کے پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے۔ پھر جس کسی کو دوزخ سے دور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ صحیح معنی میں کامیاب ہو گیا، اور یہ دنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں"۔

[سورۂ آل عمران: ۱۸۵]

خلاصہ یہ ہے کہ دل کی سختی دور کرنے اور آخرت کی تیاری کے لیے موت کی

یاد بہترین علاج ہے، عبادات میں رغبت پیدا کرنے اور خشوع و خضوع حاصل کرنے کے لیے بھی موت کی یاد بہترین معاون ہے اور یہ کوئی مفروضہ نہیں ہے؛ بل کہ یہ وہ حقیقت ہے جس پر ساری دنیا کے لوگ متفق ہیں۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
رہ گئی بحث رنج و راحت کی یہ فقط وقت کا گزرنا ہے
مقصد زندگی ہے طاعت حق نہ کہ فکر جہاں میں پڑنا ہے

البتہ فکر جہاں بھی اسی فکر آخرت کی خاطر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے؛ لہٰذا اس دنیا میں کیے جانے والے سارے اعمال کا مقصد آخرت کی کام یابی اور سرخ روئی ہونی چاہیے، ایسی کام یابی، جنت کی حصول یابی اور بارگاہِ خداوندی کی باریابی جو خیال و تصور سے بالاتر اور دائمی اور ابدی ہوگی۔

فَاعْمَلْ لِدَارٍ غَدًا رِضْوَانُ خَازِنُهَا
وَالْجَارُ أَحْمَدُ وَالرَّحمنُ بَانِيْهَا
قُصُوْرُهَا ذَهَبٌ وَالْمِسْكُ طِيْنَتُهَا
والزَّعْفَرَانُ حَشِيْشٌ نَابِتٌ فِيْهَا

”لہٰذا کل کی اس اقامت گاہ کے لیے محنت و عمل کرو جس کے خازن کا لقب ”رضوان“ ہے، اور جس جگہ احمد مجتبیٰ ﷺ کا مبارک پڑوس حاصل ہوگا، اور اس اقامت گاہ (جنت) کے معمار خود رحمٰن یعنی حق جل شانہ ہیں۔ جس کے محلات سونے کے ہیں اور جس کا گارا مشک کا ہے اور اس میں اُگنے والی گھاس

زعفران کی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں موت کو یاد کرنے اور اس کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

والحمد لله رب العالمين وصلى الله وسلم وبارك على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

* * *

یہ کتاب

یہ کتاب دراصل ان منتخب خطبات کی پہلی جلد ہے جو مؤلف نے ''بَوَّابَةُ الْحَرَمَیْن'' شہر جدہ -سعودی عرب- کی مسجد الرضوان میں پیش کیے ہیں۔ ان خطبات کی تیاری کے وقت چند امور پیش نظر رہے ہیں:

- ہر موضوع کے تمام پہلوؤں کا اختصار؛ لیکن جامعیت کے ساتھ احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- چوں کہ خطیب کے سامنے دس سے زائد ملکوں کے سامعین کا مجمع رہا ہے، اس لیے یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ مضامین ہر ایک کے لیے یکساں طور پر مفید ہوں۔
- خطبۂ جمعہ حقیقت میں ہفتے وار روحانی غذا ہے؛ لہٰذا خطیب کی یہ کوشش رہی ہے کہ پوری امانت داری کے ساتھ ''روح پرور غذا'' تیار کرکے پیش کرے۔
- خطبات کی تیاری میں قرآنی آیات، مستند روایات اور معتبر حکایات کا سہارا لیا گیا ہے۔ کمزور روایات و حکایات سے اور الفاظ و تعبیرات کے اسراف سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مدظلہ العالی رقم طراز ہیں:

> ''... اس میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ ضرورت کے بہت سے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے، یہ جلد جو مؤلف موصوف کے بیان کے مطابق اس کتاب کی پہلی جلد ہے، تقریباً تیس عنوانات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں خاص بات یہ ہے کہ متعلقہ موضوع پر آیات واحادیث اور معتبر واقعات ایک ایسے انداز میں جمع کیے گئے ہیں، جو قاری اور سامع پر اثر انداز ہوتا ہے، کتاب پر نظر ڈالنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سرسری تقاریر کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ محنت سے تیار کیے گئے عربی خطبات کا وہ خلاصہ ہے جسے صاحبِ خطبات نے خود سلیقہ کے ساتھ اردو کا جامہ پہنایا ہے، کتاب کی زبان میں سلاست اور بیان میں تاثیر ہے۔
>
> مؤلف کتاب جناب مولانا جنید احمد صاحب سیوانی زید مجدہ، جدہ میں امامت وخطابت سے پہلے، دارالعلوم دیوبند میں باقاعدہ شعبۂ عربی کے استاد کی حیثیت سے کئی سال تدریسی خدمت انجام دے چکے ہیں، پھر جدہ منتقل ہوگئے اور پچیس سال سے وہاں ایک مسجد کے امام وخطیب ہیں''۔ (مقدمۂ کتاب)

دار العلم دیوبند، انڈیا

Khutbat-e-Hijaz New Size 8x5 with Muqaddima_3rd_Fihrist Shuru men_2.pdf